نیک کمائی
محی الدین نواب

نیک کمائی

ایک حساس دل رکھنے والی لڑکی کی عجیب داستان۔ ماں باپ نے
اس کا نام حور بانو رکھا تھا لیکن وہ الٹے توے کی طرح کالی سیاہ نکلی۔
وہ محبت اور چاہے جانے کی تمنا دل میں لئے ہوئے تھی لیکن ہر طرف
ہوسناک نظریں اور دعوتِ نگاہ کے اشارے تھے۔ وہ کہتی تھی۔
"کالی کون؟ میں یا یہ دنیا؟"

میری پیدائش سے پہلے ہی میرا نام رکھ دیا گیا تھا۔ اکثر والدین ایسی غلطیاں کرتے ہیں۔ آپ کسی بھی نئی ایجاد سے پہلے اس کا نام رکھ سکتے ہیں لیکن ایک بچے کی پیدائش سے پہلے اس کا موزوں اور مناسب نام نہیں رکھ سکتے۔ میرے والدین نے یہی غلطی کی۔ میرا نام نُور بانو رکھ دیا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن' وہ پچھتا رہے ہیں۔ بے چاروں نے الٹا نام رکھا تھا۔ میں الٹے توے کی طرح کالی ہوں۔

میں کالی ہوں' اس بات کا دکھ نہیں ہے۔ لوگ مجھے پسند نہیں کرتے اس پر دل کڑھتا ہے۔ گھر والے ہوں یا باہر والے' وہ گورے چٹے بچوں کو خواہ وہ کتنے ہی گندے ہوں گود میں اٹھا لیتے ہیں۔ میں نہا دھو کر صاف ستھرے کپڑے پہن کر رہوں۔ پھر بھی میلی دکھائی دیتی ہوں' اس لئے کوئی توجہ نہیں دیتا۔ کوئی میری طرف دیکھنا نہیں چاہتا۔ دیکھتا بھی ہے تو ایسے مسکراتا ہے جیسے میں اپنی ماں کے خون میں نہیں بلکہ کیچڑ میں لوٹ پوٹ کر گٹر سے نکل آئی ہوں اور جب تک زندہ رہوں گی' لوگ اسی طرح ناک پر کپڑا رکھ کر میرے پاس سے گزرتے رہیں گے۔

اگر مجھے باپ کی محبت نہ ملتی تو میں شاید زندہ نہ رہتی۔ باپ نے مجھے زندہ تو رکھا لیکن لوگوں کے رویے نے مجھے بد مزاج بنا دیا۔ اگر کوئی مجھے دیکھ کر اونہہ کے انداز میں منہ پھیر لے تو میں برداشت نہیں کر پاتی۔ اس کے پیچھے تھوک دیا کرتی ہوں مجھے کچھ پکی پکی گالیاں بھی یاد ہو گئی ہیں۔ جس پر غصہ آتا ہے اسے رٹتے ہوئے سبق کی طرح فر فر سناتی چلی جاتی ہوں۔ میں کیا کروں؟ میرے اندر ہلچل سی مچی رہتی ہے۔ میں بے چین ہو کر سوچتی ہوں مجھے کوئی بہت غیر معمولی طاقت حاصل ہو جائے پھر تمام نفرت کرنے والوں کو ٹھوکریں مارتی چلی جاؤں یا کوئی ایسا علم حاصل ہو جائے کہ اس کے ذریعے ابھی جو ہوں' وہ نہ رہوں اور جو نہیں ہوں' وہ ہو جاؤں اور دنیا مجھے حیرانی سے دیکھتی رہے۔ میری تمنا کرتی رہے اور میں سب کو دھتکارتی رہوں جیسا کہ آج وہ

مجھے دھتکار رہے ہیں۔

مجھے لکھنے پڑھنے سے دلچسپی نہیں تھی۔ سوچتی تھی تعلیم کوئی گورا رنگ کرنے والی کریم تو نہیں ہے کہ پڑھتے ہی رنگ صاف ہو جائے اور دنیا والے مجھے پیار سے دیکھنے لگیں۔ باپ کے اصرار پر زبردستی پڑھتی تھی۔ ایک بار یوں ہوا کہ میں نے بہت ہی مشکل سبق سنایا۔ مدرسے کے کسی بچے کو وہ سبق یاد نہیں تھا۔ اس روز مجھے سب پر برتری حاصل ہوئی۔ زندگی میں پہلی بار خیال آیا کہ میں اپنے رنگ سے مار کھاتی ہوں مگر اپنی ذہانت سے مار سکتی ہوں۔ مدرسے کے تمام بچوں کو نیچا دکھا سکتی ہوں۔ ان کے والدین کے سر بھی جھکا سکتی ہوں۔ اس جذبے نے مجھے پڑھنے کی طرف مائل کر دیا۔ اس طرح میں مدرسے سے تعلیم حاصل کرتے کرتے اسکول پہنچ گئی۔

دس جماعتیں پاس کرنے تک کتنی ہی طالبات میری سہیلیاں بنتی رہیں لیکن سب میں احساسِ برتری تھا۔ ان کی باتوں سے اور ان کے طرزِ عمل سے یوں لگتا تھا جیسے وہ میری سہیلیاں بن کر مجھ پر احسان کر رہی ہوں جب کہ میں ان پر احسان کرتی تھی۔ انہیں مشکل سبق سمجھایا کرتی تھی' جو سوالات ان کی سمجھ میں نہیں آتے تھے انہیں حل کر دیا کرتی تھی لیکن وہ نہایت خود غرض اور خود پرست تھیں۔ میرے کالے رنگ کے سامنے ان کا گورا رنگ اور چمک اٹھتا تھا۔ وہ مجھے سامنے رکھ کر جیسے دنیا کو دکھاتی تھیں۔ "لو دیکھ لو فرق صاف ظاہر ہے۔"

میری سمجھ میں نہیں آتا' جب ماؤں کا دل تمام اولاد کے لئے ایک ہی طرح دھڑکتا ہے تو پھر ہر اولاد کو وہ ایک جیسا کیوں پیدا نہیں کرتیں۔ میرے بعد جو بہن بھائی ہوئے' وہ سب گورے چٹے اور خوبصورت ہیں۔ میں انہیں دیکھتی ہوں اور جل جل کر سوچتی ہوں۔ میرے ماں باپ نے جان بُوجھ کر مجھے بدصورت بنایا ہے۔ یقیناً ایسی ہی کوئی بات ہوگی جب میں وجود میں آنے والی تھی تو ایسے وقت میری ماں سے یا میرے باپ سے کچھ بے پروائی یا بے احتیاطی ہوئی تھی' نتیجے میں مجھے یہ دن دیکھنا پڑ رہے تھے۔

کچھ بھی ہو میرا دل نہیں چاہتا کہ میں اپنے والدین کی عزت کروں اسی لئے ان سے تُو تڑاخ سے گفتگو کرتی ہوں۔ اپنی ماں کو ماں یا امی نہیں کہتی۔ "اری" کہہ کر مخاطب کرتی ہوں۔ "اری! تجھے معلوم ہے' میں کریلا نہیں کھاتی پھر میرے لئے انڈا

فرائی کیوں نہ کیا؟"

وہ میرے منہ پر تڑاخ سے ایک ہاتھ جما کر کہتی تھی۔ "مجھے اری کہتی ہے کیا میں تیرے باپ کی ملازمہ ہوں۔ وہ تو چار پیسے بھی کما کر نہیں لاتا۔ اگر تیرا چاچا ہماری مدد نہ کرے تو فاقوں کی نوبت آ جائے۔"

پتا نہیں وہ کس رشتے سے چاچا لگتا تھا۔ اس کا نام برکت علی تھا۔ اس کے آنے سے گھر میں برکتیں نازل ہوتی رہتی تھیں۔ جب میں دسویں جماعت میں پہنچی تو مجھے کچھ عقل آنے لگی۔ میں نے اپنے باپ سے کہا۔ "تجھے شرم نہیں آتی۔ وہ برکت چاچا دن رات کمرے میں گھسا رہتا ہے ماں کے ساتھ ہنستا بولتا ہے اور تُو ڈیوڑھی پر بیٹھا رہتا ہے اور ڈیوڑھی پر ہی سو جاتا ہے۔"

بیٹی کی اس بات پر باپ کو غصہ آنا چاہئے لیکن وہ مسکرانے لگتا تھا۔ میرے باپ کی یہ عادت ہے' وہ ہر بات پر مسکراتا ہے اسے کسی کی موت کی خبر سنائی جائے تب بھی وہ مسکراتا ہوا لگتا ہے۔ اس کے چہرے کی ساخت ایسی ہی ہے اس کے ہونٹ کھلے رہتے ہیں۔ دانت ہمیشہ دکھائی دیتے رہتے ہیں۔ باچھیں یوں کھلی رہتی ہیں جیسے وہ جان بُوجھ کر مسکرا رہا ہو۔ حالاں کہ وہ مسکراتا نہیں ہے' بس کھلی ہوئی باچھوں سے گمان ہوتا ہے کہ وہ مسکرا رہا ہے۔

جانے میرے اندر اپنے باپ کے خلاف کتنی عداوتیں بھری ہوئی ہیں۔ میں ان کا گریبان پکڑ کر نہیں پوچھ سکتی کہ مجھے نفرت انگیز کیوں بنایا۔ کسی کو مارنا یا گریبان پکڑنا ضروری نہیں ہے۔ جس طرح میں ماں کو اری کہہ کر مخاطب کرتی ہوں اسی طرح باپ کو بھی ابا نہیں کہتی' ابے کہتی ہوں۔ شاید لاشعوری طور پر ابے کہنا چاہتی ہوں۔

میرا باپ صبح کو ناشتہ نہیں کرتا۔ دوپہر کو بھی گھر آ کر نہیں کھاتا۔ صبح سویرے اٹھ کر صدر جاتا ہے پھر شام تک پھیری لگا کر بچوں کے کھلونے بیچتا ہے۔ شام کو واپس آتا ہے۔ میرے کہنے سننے پر رات کا کھانا کھا لیتا ہے' دن بھر کی جو کمائی ہوتی ہے' میرے ہاتھ پر رکھ دیتا ہے اور کمائی بھی کیا ہوتی ہے۔ کبھی دس روپے ملتے ہیں کبھی بیس روپے مل جاتے ہیں۔ اس میں سے آدھی رقم ماں کو دیتی ہوں۔ اگر نہ دیتی تو میرا باپ کبھی اس گھر کا کھانا نہ کھاتا۔

وہ ایک شام واپس آیا تو بخار میں تپ رہا تھا میں نے جلدی سے بستر لگایا' ڈیوڑھی

کے پاس ہی برآمدے کے اوپر ٹین کی چھت تھی' جس کے نیچے وہ سویا کرتا تھا۔ میں نے پوچھا "ابّے! تونے آتے وقت دوا کیوں نہیں لی؟"

"دوا سے کیا ہوتا ہے۔ ایک گولی کھاؤں گا صبح تک اٹھ کر کھڑا ہو جاؤں گا۔"

میں نے دوا کے لئے زیادہ اصرار نہیں کیا اس کی کمائی کی آدھی رقم جو میں بچایا کرتی تھی' وہ میری تعلیم پر صرف ہوتی تھی۔ اس نے کہا۔ "بیٹی! تم کسی طرح پڑھ لکھ لو۔ بہت بڑی ڈاکٹر بن جاؤ یا کسی کالج میں پروفیسر یا پرنسپل بن جاؤ اور خدانخواستہ کچھ نہ کرسکو تو کہیں شادی ہی کر لو پھر میں یہ ڈیوڑھی چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔"

میں اس کے لئے پاؤں کی زنجیر بنی ہوئی تھی۔ میں اسے ابّے کہنے کے باوجود مانتی ہوں کہ وہ اپنے باقی تین بچوں کو بالکل نہیں چاہتا تھا۔ انہیں پلٹ کر دیکھتا بھی نہیں ہے۔ میرے لئے اس بڑھاپے میں کماتا ہے اور میرے لئے اس ڈیوڑھی پر آتا ہے جب میں پرائی ہو جاؤں گی تو وہ باقی بچوں کو چھوڑ کر چلا جائے گا۔

میں عجب مخمصے میں ہوں۔ باپ سے محبت کرتی ہوں مگر اسے پسند نہیں کرتی۔ اس لئے میرے دل میں کچھ گنجائش ہے۔ اس کے باوجود وقت بے وقت اس پر غصہ آجاتا ہے۔ وہ پہلے ایک بس ڈرائیور تھا۔ ایک حادثے میں بال بال بچا۔ سینے پر سخت چوٹیں آئی تھیں۔ ڈاکٹروں نے منع کردیا کہ آئندہ وہ ڈرائیوری یا محنت طلب کام نہ کرے۔ یہ ایسا وقت تھا جب میں نے میٹرک کا امتحان دیا تھا اور پورے صوبے میں ٹاپ کرکے............ نفرت کرنے والی دنیا کو چونکا دیا تھا۔ پہلی بار مجھ جیسی کالی کلوٹی لڑکی کی تصویر اخبار میں چھپی تھی۔ میرا ناک نقشہ برا نہیں ہے جب تصویر شائع ہوئی تو ہم سب حیران رہ گئے۔ کتنے ہی بڑے بڑے گھرانوں سے میرے رشتے آنے لگے۔ سوسائٹی اور ڈیفنس میں رہنے والے بڑے بڑے سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے سیکرٹری اور چمچے میرے باپ سے رابطہ قائم کرنا چاہتے تھے۔ میرے ابّے نے پریشان ہو کر کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا' کیا کروں' اخبار میں بلیک اینڈ وائٹ تصویریں شائع ہوتی ہیں اس میں رنگ کا پتا نہیں چلتا کون کالی ہے کون گوری ہے۔"

میرے ٹاپ کرنے سے میری شادی کا مسئلہ آسان ہو گیا تھا۔ رشتے خود بخود میرے دروازے تک آرہے تھے۔ ابّے نے میرے سلسلے میں آنے والے خطوط کو حفاظت سے رکھا۔ ہر پتے کو نوٹ کیا اور انہیں اپنے یہاں آنے کی دعوت دی۔

ہم نیو کراچی میں رہتے ہیں۔ یہ بڑے لوگوں کا علاقہ نہیں ہے۔ کوئی جاگیردار' سرمایہ دار نئے ماڈل کی ایئرکنڈیشنڈ کار لے کر ادھر نہیں آتا۔ انہوں نے دوسروں کے ذریعے ابّے سے رابطہ قائم کیا اور انہیں اپنے یہاں بلوایا اور یہ شرائط پیش کیں کہ وہ اپنی بیٹی کو ساتھ لائے' اگر لڑکی پسند آجائے تو معاملات طے ہو سکتے ہیں۔

ابّے کو اندیشہ تھا' میں پسند نہیں آؤں گی۔ اُدھر مجھے پسند کرنے والوں کے دل میرے لئے دھڑک رہے ہوں گے مجھے اس بات پر فخر تھا کہ میں علم کے میدان میں اول آئی ہوں۔ میری تصاویر مختلف اخبارات میں شائع ہوئی تھیں۔ میں پھولی نہیں سما رہی تھی کہ ایک زمانہ میرا طالب ہے میری تمنا کرنے والے مجھے ہر حال میں پسند کریں گے۔

میں ابّے کے ساتھ ڈیفنس کے ایک بنگلے میں گئی۔ ایک جاگیردار کے ڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک پچاس برس کا بوڑھا کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے انداز سے پتا چلتا تھا' وہ خود کو جوان سمجھ رہا ہے۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس نے چونک کر ابّے سے پوچھا۔ "وہ لڑکی کہاں ہے جس نے ٹاپ کیا ہے؟"

"جناب' آپ کے سامنے ہے۔ آپ نے اس کی تصویر دیکھی ہوگی۔"

وہ جاگیردار جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک مجھے بے یقینی سے دیکھتا رہا۔ پھر مُردہ سے لہجے میں بولا۔ "ہاں' میں نے اس کی تصویر دیکھی ہے لیکن............"

وہ لیکن کے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ اگر کہتا بھی تو میں سن نہ پاتی۔ میں نے فوراً ہی اٹھ کر کہا۔ "ابّے! اپنی عزت پیاری ہے تو فوراً یہاں سے چل ورنہ میں تنہا جارہی ہوں۔"

جاگیردار نے کہا۔ "خوربانو! ناراض کیوں ہوتی ہو۔ ہماری تمہاری زندگی میں جو اہم معاملات ہوتے ہیں' وہ اتنی جلدی طے نہیں پاتے۔ اس معاملے میں بہت سوچ بچار کی ضرورت ہوتی ہے۔ تمہارے ساتھ جو طالبہ دوسرے نمبر پر آئی ہے اسے میرا مخالف جاگیردار حاصل کرنے کی کوشش کررہا ہوگا۔ اس نے شاید تمہیں بھی بلایا ہوگا۔"

میں نے فخر سے کہا۔ "ہاں' کتنے ہی جاگیرداروں نے بلایا ہے۔ ان میں سے صرف دل والے ہی نہیں' دماغ والے بھی ہوں گے اور وہ علم اور ذہانت کی قدر کرنا

جانتے ہوں گے۔"

جاگیردار نے کہا۔ "کوئی دل والا ہو یا دماغ والا۔ پہلے وہ ظاہری خوب صورتی دیکھے گا' بعد میں باطنی صلاحیتوں کا حساب کرے گا۔"

میں ابّے کے ساتھ ایک اور بڑے گھر میں گئی۔ پتا چلا وہاں دوسرے نمبر پر آنے والی طالبہ کا رشتہ ہوچکا ہے۔ میرے دل کو زبردست ٹھیس پہنچی۔ تعلیمی معیار کوئی چیز نہیں ہے' لوگ صرف ظاہری حسن کو پوجتے ہیں۔

ایک جاگیردار نرا جاہل تھا وہ سیاست کی ابجد سے واقف نہیں تھا لیکن اسے اپنے صوبے میں وزارت حاصل کرنے کا شوق تھا۔ اس مقصد کے لئے پڑھے لکھے ساتھی کی ضرورت تھی۔ بیوی سے بڑھ کر کوئی اور رازدار ساتھی نہیں ہوتا کیونکہ اسے مار پیٹ کرا اپنے ہاتھ میں رکھا جاسکتا ہے۔ اپنے بچوں کی ماں بنا کر اسے وفاداری پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ پھر وہ کہیں جا ہی نہیں سکتی۔

میرے دل کو دوبارہ ٹھیس پہنچی تھی۔ اب میں کسی کے گھر نہیں جانا چاہتی تھی۔ میں نے ابّے سے کہہ دیا جسے ضرورت ہوگی' وہ خود چل کر آئے گا۔

ملک حیدر نواز خود نہیں آیا۔ پہلے تو میرے انکار پر ناراض ہوا پھر ابّے کو بلا کر کچھ لکھنے پڑھنے کا کام دیا اور کہا۔ "اگر تمہاری بیٹی اس میں کامیاب رہے گی تو میں اس کے لئے سوچوں گا۔"

مجھے ایسی ہی باتوں پر غصہ آتا تھا۔ بھلا وہ میرے متعلق سوچنے والا کون ہوتا ہے۔ کیا مرد کو ہی حق ہے کہ وہ ہمارے بارے میں سوچے مجھے کسی کو پسند کرنے کا حق نہیں ہے؟ ہماری بنیادی مجبوری یہ ہے کہ ہم مرد کے محتاج رہتے ہیں۔ ان دنوں میں باپ کی کمائی سے تعلیم حاصل کررہی تھی۔ شادی کے بعد شوہر کی محتاج ہوجاؤں گی میں زیادہ اکڑ نہیں دکھا سکوں گی۔ حالات سے مجبور تھی۔ میرا باپ صبح جاتا تھا اور شام کو اکثر خالی ہاتھ لوٹ آتا تھا۔ مجھے تعلیم جاری رکھنے کے لئے پیسوں کی ضرورت تھی۔

ان دنوں جاگیردار ملک حیدر نواز اپنے علاقے میں ایک مسجد تعمیر کروا رہا تھا پھر ایک اسکول قائم کرنا چاہتا تھا۔ الیکشن سے پہلے اچھی طرح لوگوں کی نظروں میں آنے کے جتن، کررہا تھا۔ میں نے اس کی تعریف میں ایک مضمون لکھا جو اخبار میں شائع ہوگیا۔ اسی دن وہ ایک شاندار مرسیڈیز میں بیٹھ کر میرے دروازے پر آگیا۔ کہاں تو

نیو کراچی جیسے چھوٹے علاقے میں آنا گوارا نہ تھا۔ وہ ہم جیسوں کو اپنی حویلی میں ملازم رکھ سکتا تھا۔ ہمارے پاس آنا اس کی شان کے خلاف تھا مگر وہ آگیا۔

اس کی مرسیڈیز کے آگے پیچھے کئی گاڑیاں تھیں جیسے کہیں کا منسٹر لگا ہو۔ محلے کے دروازے اور کھڑکیاں کھل گئیں۔ عورتیں جھانکنے لگیں۔ مرد باہر آگئے۔ میں نے دروازہ بند رکھا۔ مجھے سبکی محسوس ہورہی تھی۔ اس نے اب تک مجھے نہیں دیکھا تھا۔ اگر دیکھ کر منہ پھیر لیتا یا حقارت سے مسکرا دیتا تو محلے والے میرا مذاق بنالیتے۔

ہمارے دروازے پر ٹاٹ کا پردہ پڑا رہتا ہے۔ اس ٹاٹ میں ایک آدھ جگہ سوراخ ہے۔ میں نے اس سوراخ سے جھانک کر دیکھا اس کا ایک آدمی آکر آواز دے رہا تھا۔ میں نے اپنی چھوٹی بہن کو آگے کردیا۔ خود پردے کے پیچھے رہی۔ میری بہن نور بانو نے پوچھا۔ "آپ کس سے ملنا چاہتے ہیں؟"

اس نے کہا۔ "ہمارے صاحب' مسکین میاں کی صاحب زادی حُور بانو سے ملنے آئے ہیں۔"

نور بانو نے کہا۔ "میری بہن پردہ کرتی ہے اور میرے ابا گھر پر نہیں ہیں۔"

ملک حیدر نواز مرسیڈیز کی پچھلی سیٹ پر شاہانہ انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں سے دروازے پر کھڑی ہوئی نور بانو کو تک رہا تھا۔ ملازم نے اسے بتایا کہ میں پردہ کرتی ہوں۔ میرے والد گھر پر نہیں ہیں۔ اس نے ایک پرچی لکھی۔ ایک لفافے میں پرچی کے ساتھ پانچ سو روپے رکھے۔ پھر لفافے پر لکھا۔ "یہ مس حُور بانو کے لئے ہے۔"

وہ لفافہ دے کر چلا گیا۔ میں نے اسے کھول کر پڑھا۔ لکھا تھا۔ "مس حُور بانو! یہ اس مضمون کا معاوضہ ہے جو اخبار میں شائع ہوا تھا۔ تمہارے لئے ایک بڑی پیش کش ہے۔ تم اپنا مستقبل.......... شاندار بنا سکتی ہو۔ کل صبح دس بجے کوٹھی پر آجاؤ۔ میں انتظار کروں گا۔"

مجھے پہلی بار اپنی محنت کا صلہ ملا تھا۔ میں بہت خوش تھی۔ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایک مضمون کے پانچ سو روپے مل سکتے ہیں۔ میرے گھر والے بھی خوش تھے۔ چھوٹی بہن نور بانو نئے لباس کی فرمائش کرنے لگی۔ ایک بھائی نے کہا۔ "میں گیند اور بلا خریدوں گا۔" دوسرے بھائی نے کہا۔ "حُور بانو' بڑے وقت پر پیسے ملے ہیں۔ میں سوچ ہی رہا تھا کہاں سے رقم کا بندوبست کروں۔ بابا صاحب نے نمبر بتایا ہے اور اس نمبر

کو آنا ہی آتا ہے۔ کل تک پانچ سو کے پانچ ہزار مل سکتے ہیں اور دس ہزار بھی۔"

میں نے انہیں حقارت سے دیکھا۔ یہ سب میرے بہن بھائی تھے۔ انہیں میری ماں نے پیدا کیا تھا۔ میری ماں ایک اَن پڑھ عورت ہے۔ جس گھر میں ایک اَن پڑھ عورت خود مختار ہو' وہاں مرد کی ایک نہ چلتی ہو تو گھر اسی طرح بگڑتا ہے۔ ایک بھائی کو بچپن ہی سے قالین کے کارخانے میں لگا دیا گیا تھا۔ اسے پڑھنے لکھنے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن وہ کارخانے سے بھی بھاگتا رہا۔ اسے جوئے اور سٹے کی عادت ہو گئی تھی۔ چھوٹا بھائی پڑھتا تھا لیکن وہ کسی کے گھر سے کچھ چرا کر لے آئے تو کوئی اسے ڈانٹنے یا سزا دینے والا نہیں تھا۔ اگر میں کچھ کہتی تو ماں الٹا مجھے باتیں سناتی تھی۔ اگر چھوٹی بہن کو سبق یاد نہ کرنے پر ڈانٹنا چاہتی تو ماں طعنے دیتی تھی۔ میں کلوٹی ہوں اور بھائی بہنوں کی خوب صورتی سے جلتی ہوں۔

یہ کیسا المیہ ہے؟ مجھے پیدا کرنے والی ماں بھی مجھے طعنے دیتی تھی۔ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا تھا۔ میں بدمزاجی پر اتر آئی تھی۔ خوب لڑائی جھگڑے ہوتے تھے۔ سارا محلہ سنتا تھا۔ تینوں بہن بھائی مجھ سے چھوٹے تھے لیکن کبھی مجھے آپا' باجی نہیں کہتے تھے نام لے کر پکارتے تھے۔ جب بھی جھگڑا ہوتا' سب مل کر میری پٹائی کرنے لگتے تھے۔ میں گالیاں دیتی تھی' جوابی حملے کرتی تھی۔ کبھی کبھی تو جھنجلا کر گھر سے نکل جاتی تھی اور پتھر اٹھا اٹھا کر گھر کی طرف مارتی تھی۔ کوئی مجھے پاگل کہتا تھا' کوئی بدمزاج' کوئی مغرور کہتا تھا اور کوئی مجھے کالی بلا کہہ کر ہنستا تھا۔

اس روز میرے ہاتھ میں پانچ سو روپے دیکھ کر سب کی باچھیں کھل گئیں۔ میں نے اپنے سٹے باز بھائی سے کہا۔ "جمشید! یہ میری حق حلال کی کمائی ہے۔ میں تجھے ایک پیسہ نہیں دوں گی۔"

ماں نے کہا۔ "گھر میں راشن نہیں ہے۔ تو سو روپے رکھ لے' چار سو مجھے دے دے۔"

ماں نے پیسوں کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔ "اری' ایک پیسہ نہیں دوں گی۔ اچھی طرح جانتی ہوں۔ ادھر راشن کے نام پر پیسہ لے گی ادھر بیٹے کو سٹہ کھیلنے کے لئے دے دے گی۔"

ماں نے جل کر کہا۔ "اے لڑکی! تجھے میرے بیٹے سے کیا دشمنی ہے۔ اگر میں سو

پچاس دے دوں تو کون سی قیامت آجائے گی۔ آخر وہ بھی تو کچھ کما کر لاتا ہے۔"

"میں کوئی باہر سے نہیں آئی۔ اچھی طرح جانتی ہوں یہ کبھی ایک پیسہ بھی نہیں لاتا ہے۔"

"کیا تیرا باپ کما کر لاتا ہے؟ آخر ہمارے گھر میں چولہا جلتا کیسے ہے؟"

میں نے تڑسے جواب دیا۔ "یہ برکت چاچا کی برکت ہے۔ سارا محلہ چھی چھی' تھو تھو کرتا ہے مگر نہ تجھے شرم آتی ہے نہ ان بھائیوں کو غیرت آتی ہے۔"

یہ بات میرے منہ سے نکلتے ہی میری پیٹھ پر ایک زوردار ہاتھ پڑا۔ میں لڑکھڑا کر سامنے والی دیوار سے ٹکرا گئی۔ پلٹ کر دیکھا تو برکت چاچا نے میری چوٹی پکڑلی۔ اپنی طرف کھینچ کر ایک طمانچہ منہ پر رسید کیا۔ پھر کہا۔ "سؤر کی بچی' محلے والے کچھ نہیں کہتے' تو ہی سب کو بھڑکاتی ہے آج تک کسی اولاد نے ماں کو یوں بدنام نہ کیا ہوگا جیسے تو کرتی ہے۔"

پھر اس نے میری ماں کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "اے زبیدہ! بات کیا ہے؟ ابھی باہر سے سن کر آرہا ہوں۔ یہاں بڑی بڑی گاڑیاں آئی تھیں۔ آکر دیکھتا ہوں تو تم سب کتوں کی طرح لڑ رہے ہو۔"

"جمشید نے کہا۔ "چاچا! وہ ڈیفنس والے آئے تھے اسے پانچ سو روپے دے گئے ہیں۔ کل اور بھی دینے کو بلایا ہے۔"

برکت چاچا نے گرج کر پوچھا۔ "کہاں ہیں وہ روپے؟"

میں نے مٹھی مضبوط کرلی' ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے کہا۔ "میں نہیں دوں گی۔"

"کیوں نہیں دے گی کیا ہم نے تیرے اور تیرے باپ کے لئے ہوٹل کھول رکھا ہے۔ اگر تو سمجھتی ہے کہ چار پیسے کمانے لگی ہے تو باپ کے ساتھ الگ چولہا ہانڈی کرلے۔ ہمیں تیرے پیسوں کی ضرورت نہیں ہے۔"

میں نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔ "چاچا! میں تعلیم جاری رکھنا چاہتی ہوں۔ کالج میں داخلہ لینا چاہتی ہوں۔"

"تیرے خاندان میں کسی نے الف بے نہیں پڑھا۔ تو کالج میں پڑھے گی۔ پہلے نمبر پر آکر اترا رہی ہے۔ میں عقل کی بات سمجھاتا ہوں مچھلی تالاب سے اور لڑکی گھر سے نکلے تو اس کی واپسی ممکن نہیں ہوتی یہ کار والے پانچ سو کا چارا ڈال گئے ہیں' تو جائے

گی تو تیری دھجی واپس آئے گی۔ یہ نہ سمجھ کہ کالی ہے لوگ کالی کو بھی نہیں چھوڑتے۔"

"چاچا! مجھ سے گندی باتیں نہ کر۔ جو عورتیں باہر جا کر محنت مزدوری کرتی ہیں کیا وہ شریف زادیاں نہیں ہوتیں۔ کیا تو نے مجھ میں کوئی برائی دیکھی ہے۔ میں اپنے علم سے اور اپنی محنت سے کما رہی ہوں' اور بھی کمانا چاہتی ہوں گھر جیسے چل رہا ہے چلنے دے۔ مجھے خدا کے لئے پڑھ لینے دے۔"

میری ماں نے کہا۔ "تیرا برکت چاچا کب تک ہمارا بوجھ اٹھاتا رہے گا تو مجھے شرم دلا رہی تھی' اگر تجھ میں ذرا بھی شرم ہے تو پیسے مجھے دے۔ میں راشن لاؤں گی۔ تیرا باپ بڑا خود دار بنتا ہے' جس دن کما کر نہیں لاتا یہاں کی روٹی نہیں کھاتا۔ تیری کمائی سے چولہا جلے گا تو ضرور کھائے گا۔"

میں باپ کے حوالے سے مجبور ہو گئی۔ اگر پیسے نہ دیتی تو سب ابے کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے۔ انہیں طعنے ملتے۔ میں پیسے نہ دیتی تو میرے کردار پر کیچڑ اچھالی جاتی۔ سب یہی کہتے میں کالی ہوں' کہیں سے کالی کمائی لا رہی ہوں۔ پیسے دیتی رہوں گی تو سب کی زبانیں بند رہیں گی۔ میں نے تین سو روپے ان کے سامنے پھینک دیئے۔

صبح کو بس میں ابے کے ساتھ جاتے ہوئے سوچنے لگی۔ کیا ہی اچھا ہوتا' مجھے روز ہی پانچ سو روپے ملتے۔ میں خوب لکھتی پڑھتی' نام بھی کماتی' پیسے بھی کماتی۔ سب میرے محتاج رہتے' اس روز پہلی بار مجھے اس گھر میں برتری کا احساس ہوا۔ میری خوب صورت بہن میرے سامنے ہاتھ پھیلا رہی تھی۔ میں نے روپے پھینک دیئے تو سب نے جھک کر اٹھائے۔ اگر میں سو سو کے نوٹوں کو کالے رنگ میں ڈبو کر پھینک دیتی تو وہ انہیں بھی جھک کر اٹھا لیتے۔

☆------☆------☆

ہم ایک بڑی کوٹھی کے سامنے پہنچے وہ اتنی بڑی تھی کہ اس کے سامنے ہم ذرہ لگ رہے تھے۔ ہمیں ایک شاندار ڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا۔ ہم نے دروازے میں داخل ہونے سے پہلے ہی جوتے اتار لئے۔ ہم ننگی زمین پر پیدل چلتے ہیں کتنی ہی آلودگیاں سمیٹ کر لاتے ہیں' اسی لئے جوتے اتار دیئے۔ ملائم قالین پر چلتے ہوئے میرے پاؤں میں گدگدی ہو رہی تھی۔ بڑا اچھا لگ رہا تھا۔ صوفے پر بیٹھی تو بڑے

آرام سے دھنس گئی۔ میں نہیں جانتی کہ ماں کی گود کیسی ہوتی ہے صوفے کی آغوش میں ممتا کا احساس ہوا۔ خیال آیا' اب پیسے ملیں گے تو بازار سے ایسی ممتا خرید لاؤں گی۔ وہاں کی ہر چیز قیمتی تھی۔ چاروں طرف آئینے لگے ہوئے تھے۔ وہ ڈرائنگ روم.......... آئینہ خانہ لگ رہا تھا۔ وہاں کا جگمگاتا ہوا حسن اور مہنگی سجاوٹ دیکھ کر سوچنے لگی میں خوبصورت نہ سہی کیا اتنی خوبصورت زندگی بھی نہیں گزار سکتی؟

وہاں اور بھی لوگ بیٹھے ہوئے تھے دو حسین عورتیں بھی تھیں' مجھے دیکھ کر زیر لب مسکرانے لگیں۔ بس ایسے ہی وقت میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے کسی نے ایک دانشور سے پوچھا۔ "انسان کو پہلی بار کیسے ہنسی آئی تھی؟"

دانشور نے جواب دیا۔ "ایک اچھے بھلے آدمی کے منہ پر کالک پوت دی گئی۔ وہ ایسا بدنما اور مضحکہ خیز نظر آنے لگا کہ سب اسے دیکھ کر ہنسنے لگے۔"

اگر گدھے کو گدھا کہا جائے تو ہنسی نہیں آئے گی۔ آدمی کو گدھا کہا جائے تو بے اختیار ہنسی آ جائے گی۔ وجہ یہ ہے کہ گدھے کو ڈنڈے مارنے کے سلسلے میں پابندی نہیں ہے۔ آدمی کو مارنا قانوناً جرم ہے۔ لہٰذا جسے ہم مار نہیں سکتے اسے ذلیل کرنا چاہتے ہیں جسے ذلیل نہیں کر سکتے اس پر پھبتی کستے ہیں۔ بڑے ہی لطیف انداز میں گدھا کہہ کر چڑیل یا کالی مائی کہہ کر اسے لطیفہ بنا دیتے ہیں۔ میں نے سوچا میں بھی کسی کا مذاق اُڑا سکتی ہوں مجھے بھی یہ حق حاصل ہے۔ آخر میں بھی انسان ہوں۔

میں اچانک ان حسین عورتوں کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔ ایک کو تو میں نے بڑے غور سے دیکھا' پھر اپنے ابے کی طرف جھک کر بولی۔ "پتا نہیں' اتنے لوگ کیوں جمع ہیں۔ معلوم ہوتا ہے سبھی میری طرح انٹرویو کے لئے آئے ہیں۔"

میں اپنے کام کی بات کر رہی تھی لیکن ان عورتوں کو یوں لگا جیسے میں ان کے متعلق کچھ کہہ رہی ہوں۔ ان میں سے ایک فوراً اپنی ساڑھی درست کرنے لگی۔ پھر بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔ میرے مسکرانے کا مطلب یہی سمجھ میں آیا کہ کہیں سے مضحکہ خیز لگ رہی ہے۔

دوسری عورت بھی بے چینی میں مبتلا ہو گئی تھی۔ اس نے آہستگی سے اپنا پرس کھولا پھر اس میں سے ایک خوبصورت آئینہ نکال کر اپنے چہرے کا جائزہ لینے لگی۔ ہم خوبصورت ہوں یا بدصورت ہر حال میں خوف زدہ رہتے ہیں کہ کسی موقع پر مذاق نہ

بن جائیں۔ خوبرو مرد اور حسین عورتوں کو زیادہ فکر لاحق ہوتی ہے۔ خدانخواستہ چہرے پر کوئی داغ دھبا آجائے یا کوئی جسمانی نقص ہو جائے تو وہ زندہ ضرور رہیں گے لیکن غرور مر جائے گا۔ اس سوسائٹی میں سر اٹھا کر نہیں چل سکیں گے اور مجھ جیسی کالی کو دیکھ کر مسکرا نہیں پائیں گے۔

ایک نوجوان اپنے صوفے سے اٹھ کر آیا۔ پھر میرے قریب والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ میں نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ اچھا خوبرو جوان تھا۔ میں بھی جوان ہوں کوئی کسی کے دل کی بات نہیں جانتا لیکن میں اپنے دل کی بات جانتی ہوں۔ آخر انسان ہوں۔ اپنے سینے میں دل اور دل میں جذبات رکھتی ہوں۔ کوئی مجھے اپنا آئیڈیل نہ بنائے لیکن میں اپنے کسی آئیڈیل کے متعلق سوچتی ہوں۔ سچ کہتی ہوں' ہاں بالکل سچ۔ اس وقت مجھے ایسا لگا جیسے میں آج تک اسی کے متعلق سوچتی آئی ہوں۔

اس کے باوجود میں انجان بنی رہی اور محسوس کرتی رہی کہ وہ میرے قریب بیٹھنے کے بعد بار بار مجھے دیکھ رہا ہے اور کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن کہتے ہوئے ہچکچا رہا ہے۔ مجھے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ میں چاہتی تھی' وہ اسی طرح ہچکچاتا رہے۔ کچھ بولنے نہ پائے۔ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ نہ بولنے سے بات کی آبرو رہ جاتی ہے۔

آخر اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ "آپ خور بانو ہیں نا؟"

میں اپنے مزاج سے مجبور ہوں۔ ایسے وقت مجھے ذرا نرمی اختیار کرنا چاہئے تھی لیکن میں نے گھور کر دیکھا پھر کہا۔ "جب تمہیں شرم اور جھجک محسوس ہو رہی ہے تو مجھ سے مخاطب کیوں ہو؟"

وہ جلدی سے سنبھل کر بولا "آ.......... آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ دراصل ہمارے معاشرے میں کسی اجنبی لڑکی سے گفتگو کی اجازت نہیں ہے۔ ڈر لگتا ہے' ہم بات چھیڑیں گے تو باتیں سننا پڑیں گی۔"

"میں باتیں نہیں سناؤں گی۔ تم نے نام پوچھا۔ میرا نام خور بانو ہے آگے بولو؟"

وہ اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی فائل کو کھول کر دکھاتے ہوئے بولا۔ "یہ مختلف اخبارات کے تراشے ہیں۔ میں ایڈیٹر کے نام خطوط لکھا کرتا ہوں۔ بڑے اہم مسائل پر باتیں کرتا ہوں۔ یہاں تقدیر آزمانے آیا ہوں۔ شاید ملازمت مل جائے۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا۔ "ملک حیدر نواز صاحب ایسے لوگوں کو کیوں بلاتے

ہیں جو اخبارات میں لکھتے ہیں اور سیاست میں دلچسپی رکھتے ہیں؟"

"کیا آپ نہیں جانتیں؟"

"جانتی تو کیوں پوچھتی؟"

"تعجب ہے! آپ نے ان کے متعلق اتنا اچھا اور خوب صورت مضمون لکھا۔ میں تو سمجھ رہا تھا' آپ ان کے بہت قریب ہیں۔"

میں نے ناگواری سے کہا۔ "میں ہمیشہ دور رہنے کی عادی ہوں۔ تم بہت جلد بہت غلط اندازہ لگا لیتے ہو۔"

"جی' وہ قریب سے میری مراد ہے' آپ ان کے متعلق زیادہ جانتی ہوں گی۔ بہرحال میں بتا دیتا ہوں۔ وہ ایک اخبار نکال رہے ہیں۔ اس کے لئے اچھے لکھنے والوں کی ضرورت ہے۔"

ایک ملازم ڈرائنگ روم کے آخری سرے والے کمرے کے دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔ کال بیل سن کر اندر گیا تھوڑی دیر بعد آکر بولا۔ "مس رخسانہ فرید' تشریف لائیں۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اپنی ساڑھی کو اِدھر اُدھر درست کیا پھر چپراسی کے پیچھے چلی گئی۔ میرے پاس بیٹھے ہوئے نوجوان نے کہا۔ "میرا نام حاتم علی ہے' میں بی اے آنرز ہوں۔"

میں نے کہا۔ "مردوں کے نام سے پتا نہیں چلتا کہ وہ کنوارے ہیں یا شادی شدہ۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا مطلب!"

ابھی جو رخسانہ فرید گئی ہے وہ اچھی خاصی عمر والی ہے لیکن نام کے آگے مس لگا ہوا ہے۔ جب تک نام کے آگے مس یا آنسہ لگا ہو' وہ کنواری کہلاتی ہے لیکن مردوں کے لئے کوئی اندازِ تخاطب نہیں ہے۔ وہ کنوارا ہو یا شادی شدہ' ہر حال میں مسٹر کہلاتا ہے۔"

"اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟"

"سراسر اعتراض کی بات ہے۔ بہت سی عورتیں دھوکا کھاتی ہیں شادی کے بعد انہیں پتا چلتا ہے جسے مسٹر کنوارا سمجھ کر شادی کی ہے' وہ پہلے ہی ایک بیوی اور کئی

بچوں کا باپ ہے۔ عورتوں کی طرح مردوں کے لئے بھی کوئی خاص اندازِ تخاطب ہونا چاہئے تاکہ کوئی بھی عورت ان کا شناختی کارڈ' ان کی ملازمت کے تقرری کے کاغذات یا پاسپورٹ وغیرہ کو دیکھے اور سمجھے۔ زبان پر بھروسا کر کے دھوکا نہ کھائے۔"

میری باتوں کے دوران وہ صوفے پر بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔ پھر ٹھہر ٹھہر کر بولا۔ "معلوم ہوتا ہے' آپ میرے بارے میں پہلے سے کچھ جانتی ہیں۔ یا پھر آپ کسی کے اندر کی بات اگلوانے کا فن جانتی ہیں' بہرحال کچھ بھی ہو' میں بتا دوں کہ میری ایک بیوی ہے اور میں ایک بچے کا باپ ہوں۔"

میرے دل کو ایک دھچکا سا لگا۔ یوں محسوس ہوا ابھی ابھی ایک عورت اسے مجھ سے چھین کر لے گئی ہے۔ مجھے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا۔ آخر میں کیوں آئینے کو بھول جاتی ہوں کیا مجھے اپنے پرس میں آئینہ رکھنا چاہئے اور کسی بھی خوبرو جوان کو اپنی ذات سے وابستہ کرنے سے پہلے آئینہ نکال کر دیکھ لینا چاہئے؟

میں نے ایک عام سی بات کہی تھی کہ مرد مسٹر کے پردے میں اپنی ذاتی اور ازدواجی زندگی کو چھپا لیتے ہیں۔ حاتم علی کے دل میں چور تھا۔ میری بات سنتے ہی چور اس کی زبان پر آگیا تھا۔ چور میرے اندر بھی تھا' اسی لئے تو دل کو دھچکا سا لگا تھا۔

اس نے کہا۔ "میں بی اے آنرز ہوں۔ پانچ برس سے ملازمت کے لئے دھکے کھا رہا ہوں۔ آخر مجبور ہو کر ٹیکسی چلانے لگا۔ میں اپنا دکھڑا سنانا نہیں چاہتا۔ اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ ہم اپنے ہی ملک میں کتنے غیر محفوظ ہیں۔ ہماری بڑی بڑی ڈگریاں ہمیں دو وقت کی روٹی نہیں دے سکتیں۔ ہم ان پڑھ ڈرائیوروں کی طرح ٹیکسی چلاتے ہیں' تب بھی غیر محفوظ رہتے ہیں۔ اچانک کسی علاقے میں ہنگامہ ہوتا ہے تو سب سے پہلے ہماری ٹیکسی کے شیشے ٹوٹتے ہیں یا وہ بالکل ہی جلا کر تباہ کر دی جاتی ہے۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوا۔ میں ایک شخص کی ٹیکسی چلاتا تھا۔ چھ ماہ پہلے فسادیوں نے اسے جلا ڈالا۔ وہ ٹیکسی کا مالک دن رات مجھے گالیاں دیتا رہتا ہے۔ دوسرے مالکان مجھے ٹیکسی نہیں دیتے۔ ان کا خیال ہے' میں بہت غیر ذمے دار ہوں۔ ایسے علاقوں سے گزرتا ہوں جہاں فسادات ہوتے ہیں اور میں پوچھتا ہوں کہ مجھے وہ علاقہ بتا دو جہاں فسادات نہیں ہوتے؟"

چپراسی نے آکر کہا۔ "مسز تبسم جعفری تشریف لائیں۔"

مسز تبسم جعفری نے .... آئینے پر ایک نظر ڈالی۔ اسے پرس میں رکھا۔ پھر اٹھ کر چپراسی کے پیچھے چلی گئی۔ میں نے کہا۔ "مسٹر حاتم علی! میرے علاوہ یہاں دو عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایک مس رخسانہ فرید' دوسری یہ جو ابھی گئی ہے۔ دونوں ہی حسین ہیں' جوان ہیں' جاذبِ نظر ہیں۔ پھر تم میرے پاس کیوں آئے ہو؟"

"میں ان عورتوں کے متعلق کچھ نہیں جانتا' وہ کون ہیں اور کیسا مزاج رکھتی ہیں۔ میں آپ کو اخبار کے حوالے سے جانتا ہوں۔ میں نے آپ کی تصویر دیکھی ہے۔ اور پڑھا کہ صوبے بھر میں ٹاپ کیا ہے۔ ایک اندازہ تھا کہ ٹاپ کرنے والی لڑکی خوش مزاج ہو گی' دوسروں کے دکھ درد کو سمجھتی ہو گی۔"

"تمہارا خیال غلط ہے۔ میں بہت بد مزاج ہوں۔"

"میں ایسا نہیں کہہ سکتا۔"

"کیا میں خوش مزاج ہوں؟"

"میں یہ بھی نہیں کہوں گا۔ ہاں' مزاج میں تلخی ضرور ہے۔ حالات اگر تلخ ہوں تو انسان وقتی طور پر بد مزاج ہو سکتا ہے۔"

"میرے سوال کا جواب نہیں ملا تم میرے پاس کیوں آئے ہو؟"

اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "آپ اپنے لباس سے اور حلیے سے میرے ہی جیسی لگتی ہیں۔ میرا مطلب ہے' آپ میری طرح اگر غریب نہیں تو زیادہ امیر بھی نہیں ہوں گی۔ جن کے پاس زیادہ پیسے ہوں' وہ دوسروں کی مجبوریاں نہیں سمجھتے۔ چھ ماہ ہو گئے' ٹیکسی کے جل جانے کے بعد مجھے آج تک کوئی ڈھنگ کا کام نہیں ملا۔ بڑی مشکلوں سے گزارا ہوتا ہے۔ میں نئی آبادی میں رہتا ہوں وہاں سے اتنی دور ڈیفنس تک آنے کے لئے بس کا کرایہ نہیں تھا۔ میرے گھر میں جتنے ردی کاغذات تھے' وہ میں نے بیچ دیئے مجھے بارہ روپے ملے میں نے دس روپے گھر میں چولہا جلانے کے لئے دیئے' باقی دو روپے میں بس کا کرایہ دے کر آیا ہوں۔"

میں نے کہا۔ "میں تمہاری مجبوریاں سمجھ رہی ہوں لیکن یہ سب کچھ مجھے کیوں سنا رہے ہو؟"

"دیکھئے' یہاں سے ۵۔ ڈی کے موڑ تک جانے کے لئے ڈیڑھ روپیہ لگے گا اور وہاں سے نئی آبادی کے لئے آٹھ آنے' اس طرح دو روپے بنتے ہیں' کیا آپ مجھے دو

روپے ادھار دیں گی؟"

میں دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔ ایک دم چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ مجھے اس کی بد حالی اور مجبوری پر ترس آنا چاہئے تھا لیکن یکبارگی میرا دماغ غصے کی گرمی سے بھر گیا۔ مجھے اپنی توہین کا شدت سے احساس ہوا۔ میں سمجھ رہی تھی' وہ میرے لئے آکر بیٹھا ہے اور وہ کم بخت دو روپے ادھار مانگنے آیا تھا۔

بلا سے وہ شادی شدہ تھا۔ مجھے اس سے کچھ لینا نہیں تھا۔ میں اتنی گری پڑی نہیں تھی کہ ایک بیوی بچے والے کے لئے آہیں بھرنے بیٹھ جاتی لیکن وہ میرے پاس آکر بیٹھا تھا تو کم از کم خوش فہمی میں تو رہنے دیتا کہ وہ مجھ میں کچھ دیکھ کر آیا ہے میں کالی ہوں تو کیا ہوا؟ اتنی جاذبیت تو ہے کہ کوئی دو گھڑی کے لئے آگیا لیکن اس نے تو میری اوقات دو روپے کی رکھی۔ اگر وہ حسن کا بھکاری ہوتا تو وہ حسن وشباب کی بھیک مانگنے ان دو عورتوں کے پاس جاتا جو ابھی اٹھ کر یہاں سے گئی تھیں۔ میں حسین نہیں ہوں۔ میری جوانی زندگی کی کال کوٹھری میں دکھائی نہیں دیتی۔ میرا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہم شریف زادیاں حسن وشباب کی بھیک دینے کے لئے ہر وقت تیار رہتی ہیں۔ میں عورت کی انا اور احساس کی بات کررہی ہوں۔ کوئی مرد اسے نہ مانگے' اس کے اندر کی عورت کو نہ سمجھے ایک اندھے کی طرح آئے اور دو روپے مانگ کر چلا جائے تو اس آنکھ والے اندھے کی طرف سے ملنے والی ذلت برداشت نہیں ہوتی۔

میں بے خیالی میں دانت پیس رہی تھی۔ اسے گھور کر دیکھ رہی تھی۔ اس نے ایک دم سے گھبرا کر پوچھا۔ "یہ......... یہ آپ مجھے ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں۔ کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی؟"

میں نے بڑی مشکل سے ضبط کرتے ہوئے گہری سرگوشی میں کہا۔ "اگر تم اپنی خیریت چاہتے ہو تو جہاں سے اٹھ کر آئے ہو وہاں چلے جاؤ۔"

وہ فوراً ہی اٹھ کر دور اس صوفے پر چلا گیا۔ جہاں سے اٹھ کر آیا تھا۔ ملازمت کے دوسرے امیدوار کبھی اسے اور کبھی مجھے دیکھ رہے تھے۔ ایک اس سے قریب جھک کر کچھ پوچھ رہا تھا۔ میرے تیور سے صاف پتا چل رہا تھا کہ میں نے اسے کھری بات سنائی ہے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ آیا ہے۔ مجھے جتنی جلدی غصہ آیا تھا' اتنی ہی جلدی یہ سوچ کر اطمینان ہوا کہ اس نے میری توہین کی' میں اسے ٹھکرا کر اور اپنے

پاس سے بھگا کر اس کی توہین کررہی ہوں۔

چپراسی نے آکر کہا۔ "مس خور بانو تشریف لائیں۔"

میرے ابا نے کہا۔ "میں باہر جارہا ہوں۔ یہاں گھٹن سی ہورہی ہے۔"

میں اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ حاتم علی کو ناگواری سے دیکھا' پھر چپراسی کے پیچھے چلتی ہوئی اس کوٹھی کے مختلف حصوں سے گزرتی ہوئی ایک دروازے پر پہنچی۔ میں جہاں جہاں سے گزرتی آئی تھی' وہاں کے قیمتی آرائشی سامان کو دیکھ کر زبردست احساسِ کمتری محسوس ہوتا تھا۔ یہ بات یقینی لگتی تھی کہ ہم ایسی چیزوں کو حسرت سے دیکھنے اور للچا کر رہ جانے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔

چپراسی نے دروازہ کھول دیا۔ میں نے ایک ایسی خواب گاہ میں قدم رکھا جسے میں کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔ میرے پاؤں قالین میں دھنس رہے تھے۔ اندر ایسی ٹھنڈک تھی کہ اب باہر کی دنیا جہنم لگ رہی تھی۔ کمرے کی محدود فضا میں عجیب طرح کی سحر انگیز خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ اس خواب گاہ میں دن کو بھی رات ہو جاتی تھی۔ ایک بہت ہی قیمتی فانوس چھت سے لٹک رہا تھا۔ اس کی روشنی طرح طرح کے رنگ بدلتی جارہی تھی۔ سفید ریشم کی جھالر اس فانوس سے منسلک تھی اور نیچے آکر پلنگ کے چاروں طرف پھیل گئی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ انٹرویو کے لئے نہیں بلکہ ایسی خواب گاہ کا خواب دکھانے کے لئے بلایا گیا ہے۔

ملک حیدر نواز ایک آرام دہ صوفے پر بیٹھا ہوا سگریٹ پی رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی ایک دم سے اٹھ کھڑا ہوگیا۔ اسے خور بانو کا انتظار تھا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا' میرے والدین کالی لڑکی پر خور بانو کا لیبل لگا کر دنیا کو دھوکا دے رہے ہیں۔ اس نے پوچھا۔ "کون ہو تم؟"

"میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "میرا نام خور بانو ہے۔ میں آپ کے لئے ایک نیا مضمون لکھ کر لائی ہوں۔"

میں نے تہہ کئے ہوئے کاغذات اس کی طرف بڑھائے۔ اس نے بے دلی سے کہا۔ "اچھا ٹھیک ہے' یہ کاغذات میز پر رکھ دو۔"

میں نے انہیں میز پر رکھ دیا۔ اس نے کہا۔ "اب تم جاسکتی ہو۔"

میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ ملازمت کے

سلسلے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ کچھ کہے سنے بغیر جانے کے لئے کہہ رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔ "کیا مجھے ملازمت مل سکتی ہے؟"

"تمہاری ضرورت ہوئی تو گھر پر اطلاع پہنچ جائے گی۔"

میری سمجھ میں نہیں آیا' مجھے اور کیا کہنا چاہئے۔ میں بڑی امیدیں لے کر آئی تھی۔ مجھے پیسوں کی سخت ضرورت تھی۔ میرا خیال تھا' یہاں مستقل آمدنی کا سلسلہ ہو جائے گا۔ میں دروازہ کھول کر باہر جاتے جاتے رک گئی' پلٹ کر بولی۔ "میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں آپ نے مجھے ایک مضمون کے پانچ سو روپے دیئے۔"

اس نے کہا۔ "میں نے غلطی سے دیئے تھے۔ بعد میں پتا چلا کہ کسی پرانے لکھنے والے کو بھی اتنا معاوضہ نہیں دیا جاتا۔ آئندہ تمہیں ایک مضمون کے ایک سو روپے ملیں گے۔"

میرے اندر آگ بھڑکنے لگی۔ پھر میرا دماغ گرم ہونے لگا آخر یہ دنیا والے میری توہین کیوں کرتے ہیں۔ میں قابلِ قبول نہیں تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں لیکن کسی نہ کسی حوالے سے چرکا دیتے ہی رہتے ہیں۔ میں نے ایک دم سے بھڑک کر کہا۔ "جناب ملک صاحب! آپ نے مضمون دیکھ کر نہیں میری گوری چٹی بہن کو دروازے پر دیکھ کر پانچ سو روپے دیئے یہاں مجھے دیکھتے ہی مضمون کا ریٹ بدل گیا۔"

میں تیزی سے چلتی ہوئی میز کے پاس آئی۔ وہاں سے اپنا مضمون اٹھایا پھر آپ سے تم پر آگئی اور کہا۔ "تم نے میری بہن کو دیکھا ہے' بہت خوبصورت ہے کل وہ یہی مضمون لے کر تمہارے پاس آئے گی تو اس کے ایک ہزار روپے دو گے۔"

اس نے غصے سے کہا۔ "یو شٹ اپ' میرے سامنے کوئی اونچی آواز میں بولنے کی جرأت نہیں کرتا۔ چپ چاپ چلی جاؤ۔ ورنہ میرے ملازم دھکے مار کر نکال دیں گے۔"

میں نے ہاتھ نچا کر کہا۔ "ارے جا' بڑا آیا دھکے دے کر نکالنے والا۔ ذرا میرے محلے میں جا کر پوچھ جب میں لڑنے پر آتی ہوں تو تمام گھروں کی کھڑکیاں اور دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ میں پتھر پھینک پھینک کر مارتی ہوں۔ ملک صاحب! میری کوئی عزت نہیں ہے لیکن میں یہاں سے چیختی چلاتی جاؤں گی کہ یہ ملک اپنے بیڈ روم میں بلا کر انٹرویو لیتا ہے تو تمہاری عزت کا جنازہ نکل جائے گا۔"

وہ ایک دم سے نرم پڑ گیا۔ جلدی سے بولا۔ "ارے تم خواہ مخواہ ناراض ہو رہی ہو' اگر میں نے غصے میں کہہ دیا کہ دھکے دے کر نکال دوں گا تو کیا سچ مچ نکال دوں گا؟"

میں نے پوچھا۔ "کیا آپ کو ایسا کہنا چاہئے؟"

"چلو' غلطی ہو گئی۔ اس کی تلافی کرتا ہوں۔ ابھی تمہاری ملازمت پکی ہو جائے گی۔ تمہیں کچھ ایڈوانس کی بھی ضرورت ہوگی۔ میرے دفتر میں آؤ۔"

یہ کہتے ہوئے وہ دوسرے دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر اسے کھول کر بولا "آجاؤ۔"

میں نے دور سے دیکھا۔ وہ کمرا بالکل دفتر تھا۔ دو بڑی بڑی میزیں اور کرسیاں نظر آرہی تھیں۔ دیوار سے لگے ہوئے شیلف میں کتابیں دکھائی دے رہی تھیں۔ میں اس کمرے میں پہنچی وہاں مس رخسانہ فرید اور مسز تبسم جعفری بیٹھی ہوئی تھیں۔ اور بھی تین اجنبی شخص نظر آئے۔ ملک حیدر نواز ایک بڑی سی میز کے پیچھے ریوالونگ چیئر پر جا کر بیٹھ گیا۔ پھر ایک شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "مس حُور بانو! یہ ہمارے ہفت روزہ رسالے کے ایڈیٹر ہیں۔ انہیں اپنا مضمون دے دو۔"

میں نے اسے مضمون دیا۔ ملک حیدر نواز نے کہا۔ "ذرا اسے دیکھ کر بتاؤ' اس کا معاوضہ کیا ہو سکتا ہے؟"

ایڈیٹر نے تہہ کئے ہوئے کاغذوں کو کھولا۔ ان پر سرسری سی نظر ڈالی پھر کہا۔ "مس حُور بانو کا ایک مضمون اخبار میں پڑھ چکا ہوں' اچھا لکھتی ہیں۔ انہیں زیادہ سے زیادہ سو روپے دیئے جا سکتے ہیں۔"

ملک حیدر نواز نے کہا۔ "ابھی میں یہی کہہ رہا تھا۔ بات اصل میں یہ ہے کہ ایک دن پہلے میں ان کے گھر پر گیا۔ محلے والوں سے پتا چلا' یہ لوگ غریب ہیں۔ گھر میں فاقوں کی نوبت آجاتی ہے۔ میں نے ترس کھا کر پانچ سو روپے دے دیئے۔ اب یہ بضد ہیں کہ ہر مضمون کے پانچ سو روپے ملنے چاہئیں۔ میں نے انکار کیا تو یہ مجھ سے بدکلامی کرنے لگیں۔ اب آپ لوگ بتائیں۔ میں عزت دار آدمی ہوں۔ یہ چیختی چلاتی یہاں سے نکلیں گی تو میرا کیا بنے گا؟"

دوسرے شخص نے کہا۔ "مِس حُور بانو! تم نے پورے صوبے میں ٹاپ کیا ہے۔ تمہیں ایک ذہین لڑکی ہونے کا ثبوت دینا چاہئے مگر تم ملک صاحب جیسے فرشتہ صفت

آدمی کو غصہ دلا رہی ہو۔"

میں نے کہا۔ "آپ لوگوں نے دیکھا ہے' میں ان کے بیڈ روم سے آ رہی ہوں' اگر یہ فرشتہ ہوتے تو پہلے دفتر میں بلاتے۔"

ایک اور شخص نے کہا۔ "تم ایک لڑکی ہو۔ اپنے منہ سے یہ نہ کہو کہ ملک صاحب کے بیڈ روم سے آ رہی ہو۔ دنیا والے تم پر تھوکیں گے۔ یہاں مس رخسانہ فرید اور مسز تبسم جعفری جیسی حسین عورتیں آتی ہیں۔ انہوں نے کبھی یہ الزام ملک صاحب پر نہیں لگایا تم الزام لگانے سے پہلے آئینہ دیکھو لو۔"

ایک ٹائپسٹ نے ملک حیدر نواز کے سامنے چند کاغذات رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ مس رخسانہ اور مس تبسم جعفری کے اپائنٹ منٹ لیٹر ہیں۔ آپ دستخط کر دیں۔"

بات میری سمجھ میں آگئی۔ یہاں میں چیخ پکار کروں گی تو سب ملک حیدر نواز کو فرشتہ کہیں گے۔ اس کی گواہی دو حسین عورتیں دیں گی پھر میری کون سنے گا؟

میں نے اپنا مضمون ایڈیٹر کے ہاتھوں سے جھپٹ لیا۔ پھر تیزی سے چلتی ہوئی وہاں سے جانے لگی مجھے اپنے پیچھے ان مردوں کے ساتھ دو حسین عورتوں کے قہقہے بھی سنائی دے رہے تھے۔

میرا باپ کوٹھی کے باہر دربان کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اٹھ کر بولا۔ "کیا ملازمت مل گئی؟"

میں نے جواب نہیں دیا۔ بس اسٹاپ کی طرف جانے لگی وہ میرے پیچھے پیچھے آتے ہوئے بولا۔ "میں نے تجھے گود میں کھلایا ہے۔ تیرے مزاج کو خوب سمجھتا ہوں۔ یقیناً پھر کسی نے دل دکھایا ہے۔"

میں ایک درخت کے سائے میں رک گئی۔ اس نے کہا۔ "بانو بیٹی! میری سمجھ میں نہیں آتا۔ میں تیرے لئے کیا کروں؟ کس طرح دنیا والوں سے ہاتھ جوڑ کر کہوں۔ میری بیٹی بہت دکھی ہے۔ اس کا دل اور نہ دکھاؤ۔ اگر ہاتھ جوڑنے سے کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو میں ایسا خوف ناک ہتھیار کہاں سے لاؤں جسے ہاتھوں میں لے کر تیرے سامنے کھڑا ہو جاؤں۔ پھر دنیا سہم کر تیرا مذاق اُڑانے کی ہمت نہ کرے۔"

میں نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کے انداز میں کہا۔ "دیکھ ابّے! ایسے وقت مجھ سے ہمدردی نہ کیا کر۔ تیری باتیں زہر لگتی ہیں تجھے پیدا کرنا تھا سو کر دیا۔ اب مجھے بھگتنا

ہے۔"

وہ چپ ہو گیا۔ اس کے لئے مسکین میاں جیسا نام نہایت موزوں تھا۔ ڈانٹ ڈپٹ کر کچھ کہہ دو تو مسکین سی صورت بنا کر خاموش ہو جاتا تھا۔ میں درخت کے سائے میں کھڑی تھی۔ وہاں سے ملک حیدر نواز کی کوٹھی اور اس کا مین گیٹ نظر آ رہا تھا۔ ابّے نے پوچھا۔ "بس اسٹاپ کی طرف نہیں چلو گی؟"

میں نے دس کا ایک نوٹ نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ "تُو چلا جا میں دیر سے آؤں گی۔"

اس نے حیرانی سے دیکھا۔ پھر کہا۔ "آج تک اکیلی کہیں نہیں گئی۔ میں تجھے یہاں اکیلا کیسے چھوڑ دوں؟"

"میں کوئی دودھ پیتی بچی نہیں ہوں۔ ایسی خوب صورت بھی نہیں ہوں کہ مجھے کوئی اٹھا کر لے جائے گا۔"

"مگر بیٹے! کیا تیرے یہاں کھڑے رہنے سے ملازمت مل جائے گی؟"

"میں ایسی ملازمت پر تھوکتی ہوں صاف سننا چاہتا ہے تو سن' میں یہاں ایک نوجوان کا انتظار کر رہی ہوں۔"

وہ ہکا بکا سا رہ گیا۔ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسی بات کہہ دوں گی۔ میں نے پھر انگلی اٹھا کر کہا۔ "خبردار! اور کوئی سوال نہ کرنا' جو آدمی اپنی گھر والی کا محاسبہ نہ کر سکتا ہو' اسے بیٹی سے بھی کچھ پوچھنے کا حق نہیں پہنچتا۔"

اس نے سر جھکا لیا۔ وہ سر جھکا کر نادم نہیں ہوا تھا۔ برسوں سے قائم رہنے والی بے حیائی ندامت کو فنا کر دیتی ہے۔ وہ جھکی جھکی نظروں سے بولا۔ "میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔ کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔ یہ اچھی طرح سمجھتا ہوں' تیرے لئے کوئی رشتہ نہیں آئے گا۔ جب تُو خود ہی رشتہ تلاش کر رہی ہے تو میں اعتراض کرنے والا کون ہوتا ہوں۔ گمراہی سے بچ کر کوئی بات بن جائے تو ایک باپ کے لئے اس سے بڑی خوشی اور کیا ہو سکتی ہے۔ میری بچی' میں تیرے لیے دعا کرتا ہوں اور دعا کرتا رہوں گا۔"

وہ سر جھکا کر جانے لگا۔ میری یہ بچپن سے ہی عادت ہے۔ باپ کو غصہ دکھانے کے بعد اس سے معافی نہیں مانگتی۔ پتا نہیں کیوں' مجھے باتیں سناتے ہوئے اور اس کا

دل دُکھاتے ہوئے اچھا لگتا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ مجھے انتقام لینے کے لئے باپ سے زیادہ کمزور کوئی اور نہیں ملتا تھا۔

مگر ہاں، شاید ایک اور مل رہا تھا۔ مجھے حاتم علی میں ابّے کی جھلک دکھائی دی تھی۔ وہ بھی ایسا ہی تھا۔ باتیں سن کر چپ ہو جاتا تھا۔ سر جھکا لیتا تھا۔ میدان چھوڑ کر بھاگ جاتا تھا۔ میں نے ابّے کو دس روپے دیئے تھے حاتم علی کو بھی دو روپے دے سکتی تھی۔

وہ ٹھیک دو بجے ملک حیدر نواز کی کوٹھی کے گیٹ پر نظر آیا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ آ رہا تھا۔ درخت کے قریب پہنچتے ہی مجھے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ چند ساعت کے لئے ہم خاموش رہے۔ ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر وہ نظریں جھکا کر جانے لگا۔ میں نے کہا۔ "سنو۔"

وہ پلٹ کر بولا۔ "کیا سنانے کے لئے اور کچھ رہ گیا ہے؟ کیا تمہیں احساس ہے، تم نے میری کتنی بے عزتی کی ہے؟"

"کیا تمہیں احساس ہے کہ تم اتنے ہٹے کٹے جوان ہو کر مجھ سے دو روپے مانگ رہے تھے؟"

"میں بھیک نہیں، ادھار مانگ رہا تھا۔"

"ہماری کب سے شناسائی ہے جو ادھار مانگ رہے تھے؟"

"برسوں کی بلکہ صدیوں کی ہے۔ جب سے امیر امیر ہے اور غریب غریب ہے، تب سے یہ شناسائی ہے۔ ایک دکھی انسان ہی دوسرے دکھی انسان کے کام آتا ہے۔"

"میں تمہارے کام نہیں آئی۔ تمہاری یہ بات غلط ہوئی نا؟"

"بات غلط ہوتی تو تم میرا یہاں انتظار نہ کرتیں۔"

اس کے سامنے پہلی بار میری نظریں جھک گئیں۔ میں نے درخت کے سائے سے نکل کر بس اسٹاپ کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ملازمت مل گئی؟"

وہ میرے ساتھ چلتے ہوئے بولا۔ "اخباروں میں ایڈیٹروں کے نام خط لکھنے والے کو نہ معاوضہ ملتا ہے نہ ملازمت۔"

"اب کیا کرو گے؟"

"فی الحال یہاں سے گھر تک پیدل جاؤں گا۔"

"کراچی کے ایک سرے پر ڈیفنس اور دوسرے سرے پر نئی آبادی ہے۔ اس وقت دو بج کر پندرہ منٹ ہوئے ہیں۔ آدھی رات سے پہلے گھر نہیں پہنچو گے۔"

آدھی رات کو ہی سہی، پہنچ تو جاؤں گا۔"

"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ صبح ایک کپ چائے پی تھی۔ کیا یہاں ایسا کوئی ہوٹل ہے جہاں کھانے میں تم میرا ساتھ دے سکو؟"

"مجھے کھانے کے لئے پوچھ رہی ہو۔ اس کا شکریہ ویسے یہاں کوئی ایسا ہوٹل نہیں ہے جہاں کسی عورت کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا جائے۔ عورتوں کے ساتھ کھانے والے ہوٹل بہت مہنگے ہوتے ہیں۔ تم یہاں سے بس میں بیٹھ کر صدر جاؤ، وہاں ہوٹلوں میں عورتوں کے لئے خاص انتظام ہوتا ہے مگر پہلے سے بتا دیتا ہوں۔ تمہارے کم از کم پندرہ روپے خرچ ہوں گے۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میرے پاس ایک سو اسّی روپے ہیں۔ پندرہ روپے کے حساب سے ہم دونوں پر تیس روپے خرچ ہوں گے۔"

"مجھے تو معاف رکھو۔ میں دو روپے مانگ کر پچھتا رہا ہوں۔ اب پندرہ روپے کا احسان کیسے لوں گا۔"

"اگر مفت میں دو روپے لو گے اور پندرہ روپے کا کھانا کھاؤ گے تو یہ احسان ہوگا۔ اگر میرا کام کرو گے تو معاوضے کی صورت میں وصول ہو جائے گا۔"

"تم مجھ سے کیا کام لینا چاہتی ہو؟"

"میں پہلی بار گھر سے اتنی دور آئی ہوں۔ میں نے کراچی شہر اچھی طرح نہیں دیکھا ہے۔ تم میرے گائیڈ بن جاؤ۔ مجھے شہر دکھاؤ، شام کو دو چار روپے ٹپ کے طور پر بھی دے دوں گی۔"

"حالات نے مجھے مجبور کر رکھا ہے۔ میری مجبوری کا مذاق نہ اُڑاؤ۔"

"میں تمہیں کام دے رہی ہوں۔ معاوضہ بھی دے رہی ہوں اور تم اسے مذاق سمجھ رہے ہو؟"

"کیا یہ ٹپ دینے والی بات کہہ کر تم میری توہین نہیں کر رہی ہو؟"

"بات کو سمجھا کرو۔ میں مذاق کر رہی تھی۔ مذاق نہیں اُڑا رہی تھی۔"

ہم بس میں بیٹھ کر صدر آئے۔ پھر ایک ہوٹل میں پہنچ کر کھانے کا آرڈر دیا۔ بیرا

کھانا لانے گیا۔ میں نے پچاس روپے نکال کر میز کے نیچے سے ہاتھ بڑھا کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ "اپنے پاس رکھو' عورت کے ساتھ بیٹھ کر کھا رہے ہو' پیسے مرد کو دینے چاہئیں۔"

اس نے جھینپ کر پچاس کا نوٹ لیتے ہوئے کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا تم کوٹھی میں غصہ دکھا رہی تھی اور اب اتنی مہربان ہوگئی ہو آخر تم کس قسم کی لڑکی ہو؟"

"آج میں کچھ سوچنا نہیں چاہتی میں کون ہوں کیا ہوں اور کتنی بدصورت ہوں۔"

"یہ تم سے کس نے کہا کہ تم بدصورت ہو کیا لیلیٰ کالی نہیں تھی؟"

یہ میں نے بارہا سنا تھا کہ لیلیٰ کالی تھی لیکن لیلیٰ سے کبھی اپنا موازنہ نہیں کیا تھا۔ آج ایک مرد کی زبان سے اپنی تعریف سن کر دل خوشی سے دھڑکنے لگا۔ جی چاہتا تھا' وہ اور کچھ بولتا جائے اور میں سنتی جاؤں اور یقین کرتی جاؤں کہ لیلیٰ کے کالے رنگ نے ساری دنیا میں دھوم مچا رکھی تھی۔ پھر میں کیوں احساسِ کمتری میں مبتلا ہوتی ہوں۔ جولیٹ' ہیر' سوہنی اور صاحباں جیسی گوری چٹی عورتوں نے اپنی محبت کی جو داستانیں چھوڑی ہیں' وہ لیلیٰ کی داستان کے بعد ہی دہرائی جاتی ہیں۔ اولیت تو لیلیٰ جیسی کالی محبوبہ کو ہی حاصل ہے۔

ہم کھانے کے بعد پھر بس میں بیٹھ گئے۔ وہاں سے عزیز بھٹی پارک آئے اگر وہ مجھے لیلیٰ کا حوالہ نہ دیتا تو اس کے ساتھ گھومتے وقت احساسِ کمتری میں مبتلا رہتی کیوں کہ وہ گورا تھا اور گورے کے ساتھ کالی لڑکی ایسی ہی لگتی ہے جیسے پازیٹو کے ساتھ نیگیٹو رکھ دیا گیا ہو۔

وہ خوب اونچا جوان تھا۔ اسے دیکھنے کے لئے مجھے سر اٹھانا پڑتا تھا۔ کوئی باڈی بلڈر لگتا تھا۔ لانبے ہاتھ' چوڑی کلائیاں' مضبوط پنجے' اسے دیکھ کر اس کے ساتھ رہنے کو جی چاہتا تھا۔ اس لئے میں نے ساتھ گھومنے کا یہ بہانہ نکال لیا تھا۔

یہ معلوم ہوچکا تھا کہ اس کی ایک بیوی اور ایک بچہ ہے اگر وہ میرے ساتھ گھوم رہا تھا تو اس کا مطلب تھا' وہ اپنی بیوی کے حصے کی محبت چرا کر مجھے دے رہا تھا۔ اگر وہ بیوی کو دل وجان سے چاہتا تھا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ مجھے محض کھلونا سمجھ کر کھیلنے

کے لئے پھانس رہا تھا۔ میں بھی کچھ اچھا نہیں کر رہی تھی۔ ایک عورت سے وقتی طور پر اس کے شوہر کو چھین رہی تھی۔

ہم ٹہلتے ہوئے جھیل کے کنارے آئے۔ ریلنگ سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوگئے۔ اس نے کہا۔ "تمہاری باتوں سے پتا چلتا ہے' تم اپنے حالات سے بددل ہو جب کہ حالات ایک جیسے نہیں رہتے۔ تمہیں پتا نہیں ہے' میں ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر قسمت کا حال بتاتا ہوں۔ کیا اپنا ہاتھ دکھاؤ گی؟"

میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "کیا اس بہانے سے ہاتھ پکڑنا چاہتے ہو؟"

اس نے ہاتھ پکڑ کر ذرا قریب کھینچ لیا۔ پھر کہا۔ "مرد کو ہاتھ پکڑنے کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں پڑتی۔ تم زیادہ سے زیادہ برا مانو گی مجھ سے ناراض ہو کر چلی جاؤ گی لیکن جو چیز مجھے پسند ہے' اسے چھونا اور پھر حاصل کرنا ضرور چاہوں گا۔"

حاتم کے اس جارحانہ انداز پر دل بے اختیار دھڑکنے لگا میں زبان سے کچھ کہہ نہ سکی۔ وہ میرے ہاتھ کی لکیریں دیکھ رہا تھا اور کچھ کہتا جا رہا تھا۔ مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ میں اس سحر میں گم تھی کہ میرا ہاتھ دو مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں ہے اور میں چاہتی تھی' اس گرفتاری سے رہائی نہ ملے۔

ہم شام کے سائے پھیلنے تک پارک میں ٹہلتے رہے پھر میں نے کہا۔ "مجھے گھر تک پہنچا دو۔"

"تمہارے گھر والے مجھے ساتھ دیکھ کر کیا کہیں گے؟"

"اگر تمہاری گھر والی مجھے یہاں ساتھ دیکھ لے تو کیا کہے گی؟"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "بڑی مشکل ہو جائے گی۔"

میں نے کہا۔ "تو پھر جاؤ' مشکل پر قابو پانا آجائے تو میرے پاس چلے آنا۔"

"تم پھر ناراض ہوگئیں۔"

"میں تمہیں اپنے گھر تک لے جا رہی ہوں۔ مجھے ڈر نہیں لگ رہا ہے اور تم مرد ہو کر ڈر رہے ہو۔ کیا مجھے اس بات پر غصہ نہیں آنا چاہئے؟"

"بھئی' غصہ تھوک دو میں چل رہا ہوں۔ پہلے اپنے پیسوں کا حساب کرلو۔ تم نے پچاس کا نوٹ دیا تھا تیس روپے کا کھانا دو روپے بس کا کرایہ' یہ اٹھارہ روپے بچے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "اپنے پاس رکھو۔ ابھی بس کا کرایہ دینا ہوگا۔"
"گھر تک پہنچنے میں چار روپے خرچ ہوں گے۔"
"باقی رقم تم رکھ لو۔"
اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔ "میں؟"
"ہاں، کل تمہارے گھر میں بیچنے کے لئے ردی نہیں ہوگی آخر کل بھی چولہا جلانا ہے۔"

اس کی آنکھیں احسان مندی سے جھک گئیں۔ جب میں اس کے ساتھ اپنے محلے میں پہنچی تو بہت خوش تھی۔ میں چاہتی تھی، سارا محلہ پڑوس دیکھے اور ایک خوبرو جوان کے ساتھ مجھ کالی کا فسانہ بنا ڈالے لیکن اپنی گلی میں پہنچنے سے پہلے ہی ابے کی آواز سنائی دی۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ میرا باپ ایک اندھیرے گوشے سے نکل کر آرہا تھا۔ اس نے حاتم علی کو دیکھا پھر کہا "بیٹے! تم جاؤ۔"

حاتم نے مجھے دیکھا۔ میں نے کہا۔ "کل پھر آنا۔ ابھی میرے پاس سو روپے ہیں۔ تم کل بھی گائیڈ بن سکتے ہو۔"

وہ چلا گیا۔ میں نے کہا۔ "ابے! تُو یہاں کب سے کھڑا ہے؟"

"جب سے تمہیں چھوڑ کر آیا ہوں، یہاں انتظار کر رہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا گھر والے اور محلے والے تجھے آوارہ سمجھیں۔ اس محلے کی کوئی لڑکی اکیلی باہر نہیں جاتی، ہم یہاں سے ساتھ جائیں گے کوئی نہیں کہے گا کہ تُو دوپہر سے کسی اور کے ساتھ تھی، جاؤ بیٹے! میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ بس اتنا سمجھاؤں گا جو بھی کرو عزت بچا کر کرو۔"

☆------☆------☆

پہلے میں سمجھتی تھی، میری کوئی عزت نہیں ہے۔ جسے دیکھو وہی میرے کالے رنگ کا مذاق اُڑاتا ہے میری کوئی قدر نہیں کرتا لیکن اب میری عزت کرنے والا آگیا تھا۔ اس رات میں بڑی دیر تک بستر پر کروٹیں بدلتی رہی۔ میری عقل مجھے سمجھاتی رہی، میں جو کر رہی ہوں، وہ غلط ہے۔ کسی بیوی بچوں والے کے پیچھے نہیں پڑنا چاہئے۔ میرے اندر کی زخمی لڑکی چیخ چیخ کر کہتی تھی، یہ غلط نہیں ہے۔ میں اپنی اہمیت منوا رہی ہوں۔ میں دکھا رہی ہوں، مجھ میں کشش ہے۔ مجھ میں اتنی صلاحیت ہے یا مجھ میں

کچھ تو ہے کہ میں ایک عورت سے اس کے مرد کو چھین سکتی ہوں اسے کرائے کے لئے دو روپے دے سکتی ہوں۔ اپنے ساتھ بٹھا کر کھلا سکتی ہوں۔ اپنے ساتھ لے کر گھوم سکتی ہوں اور رخصت ہوتے وقت اسے اگلے دن چولہا جلانے کے لئے دس پندرہ روپے دے سکتی ہوں۔

میں نے حساب کیا۔ میرے پچاس روپے خرچ ہوئے تھے۔ پہلے اس بات پر کڑھتی تھی کہ مجھے کہیں سے محبت نہیں ملتی۔ اس روز بڑی حیرانی ہوئی کیا محبت اتنی سستی اتنی مجبور اور اتنی بے بس ہوتی ہے کہ پچاس روپے میں مل جاتی ہے۔ ابھی میرے پاس سو روپے تھے۔ پچاس روپے کے حساب سے دو دنوں تک اسے اور خرید سکتی تھی۔

میں اپنی تعلیم جاری رکھنے کے لئے کوئی ملازمت کرنا چاہتی تھی۔ کہیں سے اپنی ضرورت کے مطابق رقم حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اب دماغ میں حاتم علی کی دھن سما گئی تھی میں اسے اپنا بنائے رکھنے کے لئے جلد از جلد ملازمت حاصل کرنا چاہتی تھی اور یہ بھی چاہتی تھی کہ حاتم علی کو ملازمت نہ ملے۔ وہ بے روزگار اور ضرورت مند رہے۔ میں اس کی ضرورتیں پوری کرتی رہوں۔ میری یہ سوچ کوئی نئی اور انوکھی نہیں تھی۔ ہمارے سماج میں مرد کماتا ہے عورت گھر کی چار دیواری میں اس کی کمائی کھاتی ہے لیکن بعض حالات میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرد مجبور ہوتا ہے۔ عورت ملازمت کرتی ہے اور اپنے مرد کی ضرورتیں پوری کرتی ہے۔ میری بھی یہی خواہش تھی کہ میں حاتم کی ضرورتیں پوری کرتی رہوں۔

ہم صبح سے شام تک ساتھ رہنے لگے۔ میں روز صبح گھر سے کہہ کر نکلتی تھی ملازمت تلاش کرنے جا رہی ہوں گھر والوں سے اجازت نہ ملتی، تب بھی میں کسی کی پابندی میں رہنے والی نہیں تھی پورے گھر میں برکت چاچا کا رعب اور دبدبہ تھا۔ جب سے میں نے پانچ سو روپے کمائے تھے تب سے اس کا رویہ بدل گیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا میں آئندہ اور زیادہ سے زیادہ کمانے کی صلاحیت رکھتی ہوں لہٰذا میرے معاملے میں زیادہ سختی نہیں کرنا چاہئے۔

میرے پاس جو آخری سو روپے تھے، انہیں ہم نے کفایت شعاری سے خرچ کیا۔ پانچ دن تک ہم بسوں میں بیٹھ کر گھومتے رہے۔ دوپہر کو بھوک لگتی تو کہیں سے سموسے

کھا کر چائے پی لیتے تھے وہ مجھے اپنا دکھڑا سناتا تھا۔ میں اسے اپنے گھریلو حالات بتاتی تھی۔ ہم اخباروں میں ملازمت تلاش کرتے تھے جہاں ہماری قابلیت کی ضرورت سمجھی جاتی تھی' وہاں درخواست لکھ کر پوسٹ کردیتے تھے اور جواب کا انتظار کرتے تھے۔
ہم روز صبح دس بجے ایک اسکول کے پاس ملتے تھے۔ ایک دن وہ ٹیکسی لے کر پہنچ گیا۔ میں نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا تمہیں پھر کام مل گیا؟"
اس نے اگلا دروازہ کھول کر کہا۔ "بیٹھو' ایک ہفتے کی بادشاہت مل گئی ہے۔"
میں اگلی سیٹ پر اس کے برابر بیٹھ گئی۔ اس نے کہا۔ "دروازہ بند کردو۔"
"پہلے یہ بتاؤ' ایک ہفتے کی بادشاہت کا کیا مطلب ہوا؟"
"ایک ڈرائیور ایک ہفتے کی چھٹی پر پنجاب گیا ہے اس کی واپسی تک یہ گاڑی چلاؤں گا۔"
"پھر تمہیں گاڑی چلانا چاہیے۔"
"یہ تو چلتی رہے گی۔ میں آج تمہیں خوب سیر کراؤں گا۔"
"میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ تم دن بھر ٹیکسی چلاؤ گے' میں شام کو پانچ بجے یہیں انتظار کروں گی۔ ہم صرف ایک گھنٹے کے لئے ملیں گے۔ اس کے بعد پھر تم گاڑی چلاؤ گے۔"
"مجھے مالک کو صرف سو روپے دینے پڑیں گے۔ میں کسی طرح سو روپے پورے کرلوں گا۔"
"اور گھر کیسے چلے گا؟ دیکھو' زیادہ بحث نہ کرو۔ میرا فیصلہ اٹل ہوتا ہے۔ میں جارہی ہوں۔ شام کو پانچ بجے آؤں گی۔"
میں گاڑی سے اتر کر سڑک کے کنارے کھڑی ہوگئی۔ اس نے کھڑکی سے جھانک کر کہا۔ "میں پانچ بجے کا شدت سے انتظار کروں گا۔"
وہ گاڑی اسٹارٹ کرکے چلا گیا میں نے سوچا' واقعی مجھ میں خداداد ذہانت ہے۔ میں نے اس کے ساتھ ٹیکسی میں گھومنے پھرنے کی اندھی خواہش نہیں کی۔ اسے محنت مزدوری کے لئے جانے دیا۔ اب وہ تمام دن ٹیکسی چلاتا رہے گا اور میرے متعلق سوچتا رہے گا۔ گھڑی دیکھتا رہے گا' اور میرے پاس پہنچنے کے لئے بے چین رہے گا۔
میں شام کو پانچ بجے اسی جگہ پہنچی تو وہ مجھ سے پہلے پہنچا ہوا تھا اس نے اگلی سیٹ

کا دروازہ کھول دیا۔ میں بیٹھ گئی۔ اس نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں بہت دیر سے انتظار کررہا تھا۔"
میں نے گھور کر اسے دیکھا۔ "تم میری وجہ سے گاڑی نہیں چلاؤ گے تو کیسے گزارہ ہوگا؟"
"میں نے ایک سو پچپن روپے کمائے ہیں۔"
"سو روپے مالک کو دو گے۔ باقی پچپن روپے تمہارے ہاں دو دن چولہا جلے گا۔"
"میں دو دن کی فکر نہیں کرتا۔"
اس نے سڑک کے کنارے گاڑی روک دی۔ جیب سے دس دس کے تین نوٹ نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ تمہارے لئے ہیں۔"
میں نے پیچھے ہٹ کر پوچھا۔ "کیا قرض ادا کررہے ہو؟"
"بانو! تم نے مجھے جو کچھ دیا' وہ قرض نہیں تھا' محبت تھی میں پیار کے بدلے پیار دے رہا ہوں۔ بلکہ مجھے اس سے زیادہ دینا چاہئے میں مرد ہوں میرا ہاتھ کمانے والا ہے۔"
"میرے لئے اس سے بڑی خوشی اور کیا ہوسکتی ہے کہ آج تمام دن تم میرے لئے کماتے رہے لیکن پہلے اپنا گھر دیکھنا چاہئے۔"
"میں نے گھر کے لئے پچیس روپے رکھ لئے ہیں۔"
میں اندر ہی اندر خوش ہورہی تھی اس نے اپنی گھروالی کے لئے پچیس روپے رکھے تھے اور مجھے تیس روپے دے رہا تھا۔ مجھے آدھے سے زیادہ دے رہا تھا جب کہ آدھے پر بھی میرا حق نہیں تھا۔ میں نے وہ تیس روپے لے کر کہا۔ "ایک شرط پر لے رہی ہوں' وعدہ کرو' کل سے تم زیادہ کماؤ گے۔ یہ گاڑی تمہیں سات دن کے لئے ملی ہے۔ ایک دن گزر گیا ہے۔ چھ دن میں اتنا کمالو کہ مزید چھ دن کام کئے بغیر گزارا ہوسکے۔"
میں اس کے ساتھ ایک گھنٹے تک گھومتی رہی۔ سات بجے اسے گاڑی مالک کے دروازے پر کھڑی کرنا تھی۔ اس دن سے یہی طے پایا کہ ہم روز ایک گھنٹے کے لئے ملا کریں گے۔
میں گھر واپس آئی برکت چاچا نے کہا۔ "تیرے لئے خوش خبری ہے۔ ہمارے

محلے میں ایک ٹیوشن سنٹر کھلا ہے۔ وہ لوگ تجھے ہیڈ مسٹریس بنانا چاہتے ہیں۔ ماہانہ چھ سو روپے دیا کریں گے۔"

میری ماں اور میرے بہن بھائی خوشی سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ ان کے انداز سے پتا چل رہا تھا' اب انہیں میرا کالا رنگ نظر نہیں آرہا ہے۔ برکت چاچا نے کہا۔
"بانو کی ماں' کیا منہ تک رہی ہو میں جو برنس روڈ سے نہاری لایا ہوں' وہ خور بانو کو کھانے کے لئے دو۔"

جس رات برکت چاچا باہر سے کچھ کھانے کے لئے لاتا تھا گھر میں چولہا نہیں جلایا جاتا تھا۔ میں اپنے ابّے کے لئے پاس والے تندور سے روٹی لاتی تھی۔ انڈے کا آملیٹ بنا کر کھانے کے لئے دیتی تھی۔ اس رات بھی میں نے ابّے کے لئے خاص طور پر آملیٹ تیار کیا۔ اس کے لئے روٹی لائی پھر برکت چاچا کی تھوڑی سی نہاری لے کر ابّے کے ساتھ کھانے بیٹھ گئی۔ ہم ساتھ کھاتے تھے لیکن ہماری ڈش الگ ہوتی تھی۔ میرا باپ اس برتن کو ہاتھ نہیں لگاتا تھا جس میں برکت چاچا کی طرف سے لائی ہوئی کوئی کھانے کی چیز ہوتی تھی۔

میں نے دوسرے دن کوچنگ سینٹر والوں سے ملاقات کی۔ وہ میری تعلیمی صلاحیتوں سے متاثر تھے۔ مجھے ملازمت مل گئی' شام کو حاتم علی سے ملاقات ہوئی تو اسے خوش خبری سنائی۔ اس نے پچاس کا ایک نوٹ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
"یہ آج کی آمدنی کا حصہ' میں نے دو سو کمائے ہیں۔ سو مالک کے' پچاس میرے گھر کے اور پچاس تمہارے۔"

"اس کا مطلب ہے' ہمارے دن پھر رہے ہیں۔"

"بانو! آج میں بہت خوش ہوں۔ میرے ساتھ چلو۔"

اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ میں نے پوچھا۔ "کہاں جارہے ہو؟"

"اگر میں کہوں جہنم میں؟"

"میں پھر بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

"تو پھر نہ پوچھو۔ چپ چاپ چلتی رہو۔"

اس نے گاڑی مالک کے دروازے پر کھڑی کی۔ پھر ہم پیدل چلتے ہوئے ایک محلے کی کئی گلیوں سے گزرتے ہوئے ایسے مکان کے پاس پہنچے جو محلے کے آخر میں تھا۔

اس کے بعد ایک بڑا سا میدان تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر مکان کے تالے کو کھولا۔ میں نے پوچھا۔ "یہ کس کا گھر ہے؟"

"یہ میرے ایک دوست کا ہے۔ آج سے اس کی نائٹ ڈیوٹی ہے' میں نے اس سے چابی لے لی ہے۔"

"میں اس کے ساتھ مکان میں جاتے ہوئے ہچکچانے لگی۔ اس نے ہاتھ پکڑ کر پوچھا۔ "کیا سوچ رہی ہو؟"

"کچھ نہیں' رات ہو رہی ہے۔ واپس جانا چاہئے۔"

"ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ چلی جانا۔"

اس نے ایک جھٹکے سے ہاتھ کھینچا۔ میں کھنچتی چلی گئی۔ اس نے دروازے کو بند کردیا۔ میں نے اعتراض کیا۔ "یہ کیا کرتے ہو؟"

"تم نے کہا تھا' میرے ساتھ جہنم میں بھی چلو گی۔ کیا میں تمہیں جہنم میں لے جاسکتا ہوں؟ میں تو دن رات محنت کرکے زیادہ سے زیادہ کمائی کرکے تمہارے لئے ایک گھر کی جنت بنانا چاہتا ہوں۔"

اس کی باتیں دل کو لگ رہی تھیں۔ ایک لڑکی اور کیا چاہتی ہے بس یہی کہ ایک مرد اس کا اپنا ہو۔ اس کے لئے محنت کرے۔ اس کے لئے ایک گھر بنائے۔ ایسے وقت میں بھول گئی تھی کہ وہ میرا گھر نہیں ہے اور ایسی جگہ میرے لئے جنت نہیں ہوسکتی۔

میں کیا کروں؟ محبت کی بھوکی ہوں۔ کبھی کسی بھائی نے میرے سر پر ہاتھ نہیں رکھا۔ میری ماں نے مجھے پیار نہیں دیا۔ اب مجھے پیار مل رہا تھا اور پل پل مل رہا تھا۔ وہ ہر پل مجھے ایک نئی دنیا دکھا رہا تھا۔ میں سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ میں کون ہوں' کہاں ہوں' میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ ایسا ہوتا ہے اچانک کوئی حادثہ پیش آجائے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ ایسا تو ہونا نہیں چاہئے۔ اگر ہم بلندی سے پھسل کر نیچے لڑھکتے چلے جائیں تو بوکھلاہٹ طاری ہوتی ہے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے لیکن ایسا ہو جاتا ہے اور میرے ساتھ ایسا ہوگیا تھا۔

پھر میں رونے لگی۔ وہ میرے پاس آیا تو میں نے دوپٹے سے منہ ڈھانپ لیا۔ وہ میری بکھری ہوئی زلفوں کو سمیٹنے لگا مجھے سمجھانے لگا۔ "دیکھو بانو! میں تمہیں چاہتا ہوں۔ پتا نہیں' تم نے کیا جادو کردیا ہے۔ میں دن رات تمہارے لئے سوچتا رہتا

ہوں۔ راتوں کو نیند نہیں آتی۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تمہیں حاصل کرنے کے لئے میں زیادہ سے زیادہ محنت کروں گا۔ مجھے ٹیکسی نہیں ملے گی تو میں رکشا چلاؤں گا۔ بس یا ٹرک چلاؤں گا۔ زیادہ سے زیادہ کماؤں گا۔ کسی نہ کسی طرح بیس ہزار روپے جمع کروں گا۔ پھر قسطوں پر ٹیکسی حاصل کرلوں گا۔ وہ ٹیکسی ہماری ہوگی۔ اس کی کمائی ہماری ہوگی۔ میں ساری کمائی تمہارے ہاتھوں میں لاکر رکھ دوں گا۔"

اس کی یہی باتیں مجھے دیوانہ بنادیتی تھیں۔ آخر کوئی شخص تو میری زندگی میں آیا جو میرے لئے سوچتا ہے' میرے لئے راتوں کو جاگتا ہے۔ میرے لئے دن کو محنت کرتا ہے اور اپنی تمام کمائی میرے ہاتھوں میں لاکر رکھ دینا چاہتا ہے۔

اگرچہ اس کی باتیں اچھی لگ رہی تھیں۔ تاہم میں یہ جتانا چاہتی تھی کہ اس کی زبردستی مجھے اچھی نہیں لگی۔ وہ میرا سر سہلا رہا تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ کو جھٹک دیا۔ اٹھ کر بیٹھ گئی پھر اس سے دور ہوکر بولی۔ "زیادہ باتیں نہ بناؤ تم نے من مانی کرلی' آخر مرد ہو نا۔ میں تمہیں گھر کا چولہا جلانے کے لئے روپے دیتی رہی۔ اس کے بدلے تم سے کچھ نہیں مانگا۔ تم نے مجھے کل تیس روپے دیئے اور آج پچاس روپے۔ ان اسّی روپوں میں تم نے ایک مرد ہونے کا پورا پورا فائدہ اٹھالیا۔"

یہ کہہ کر میں نے چپلیں پہنیں۔ پھر تیزی سے چلتے ہوئے دروازہ کھول کر باہر آگئی۔ وہ میرے پیچھے دوڑتا ہوا آیا۔ "کہاں جارہی ہو؟ ذرا ٹھہر جاؤ۔ مجھے تالا لگانے دو۔ میں تمہیں گھر تک چھوڑ آؤں گا۔"

جب تک وہ تالا لگاتا رہا' میں ایک گلی سے دوسری گلی میں آگئی۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ میری منّتیں کررہا تھا۔ مجھ سے وعدہ کررہا تھا کہ آئندہ میری مرضی کے بغیر میرا ہاتھ بھی نہیں پکڑے گا۔

ایک بس جانے ہی والی تھی۔ میں اس میں بیٹھ گئی۔ وہ مردانہ حصے میں آکر بیٹھ گیا۔ میری طرف یوں دیکھنے لگا جیسے آج کے بعد پھر کبھی نہیں ملوں گی۔ پتا نہیں کیوں' میرا جی چاہتا تھا' وہ اسی طرح میرے پیچھے آتا رہے اور میری تمنا کرتا رہے۔

میں اپنے گھر کے قریب بس سے اتر گئی۔ اپنے محلے کی طرف تیزی سے جانے لگی۔ اس نے پیچھے آتے ہوئے کہا۔ "میں جانتا ہوں' آگے تمہارے ابا کسی تاریک گوشے میں انتظار کررہے ہوں گے۔ مجھے تمہارے پیچھے نہیں آنا چاہئے۔ میں جارہا

ہوں۔ آخری بات کہہ دیتا ہوں' کل پانچ بجے پھر اسی اسکول کے پاس انتظار کروں گا۔"

میں نے جواب نہیں دیا۔ پیچھے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔ سیدھی چلتی گئی۔ اس کے بعد اس کی آواز سنائی نہیں دی۔ اندازہ ہوگیا کہ وہ جاچکا ہے۔ آگے جاکر میں ٹھٹک گئی۔ محلے کے اسی تاریک گوشے سے میرا باپ آرہا تھا حالانکہ میں اس سے ڈرتی نہیں ہوں' کسی بات سے جھجکتی نہیں ہوں لیکن اس رات میں ایک ایسی معصوم بیٹی کی طرح سہم گئی جس سے ایک چھوٹی سی غلطی ہوجائے تو وہ باپ کو دیکھ کر ڈر جاتی ہے۔

وہ میرے قریب آرہا تھا۔ میں اس سے دور ہوگئی اور دور ہی دور رہ کر تیزی سے چلتے ہوئے مکان میں داخل ہوگئی۔ اسی وقت برکت چاچا بھی پہنچ گیا۔ گھر میں ماں انتظار کررہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "رات کے گیارہ بج رہے ہیں' تو ابھی تک کہاں تھی؟"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دوسرے کمرے کی طرف جانے لگی۔ برکت چاچا نے ہاتھ بڑھا کر میرا راستہ روکتے ہوئے پوچھا۔ "تو جواب کیوں نہیں دیتی؟ کہاں گئی تھی؟"

میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ میں کبھی رات کے گیارہ بجے تک باہر نہیں رہی تھی۔ مجھے ان کے سوالات سے پیچھا چھڑانے کا ایک ہی راستہ دکھائی دیا۔ میں نے برکت چاچا کی طرف سے منہ پھیرلیا۔ ان کی طرف پیٹھ کی۔ پھر دوپٹے کا پردہ کرکے گریبان میں ہاتھ ڈالا۔ وہاں سے پچاس کا نوٹ نکال کر انہیں دکھایا۔ اچانک ہی ماں کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔ برکت چاچا کا جو ہاتھ میرا راستہ روکنے کے لئے اٹھا ہوا تھا وہ کٹے ہوئے شہتیر کی طرح نیچے ہوگیا۔ میں وہ نوٹ ماں کی طرف پھینک کر دوسرے کمرے میں آگئی۔ پھر اپنے بستر پر گر پڑی۔

میرے دل سے ایک آہ نکلی میں کسی ایسے گھرانے میں کیوں پیدا نہ ہوئی جہاں غیرت مند باپ اور بھائی ڈانٹ کر کہتے ہیں۔ سر پر آنچل رکھو۔ دروازے سے باہر نہ جھانکو۔ میں ایسے گھر میں کیوں پیدا ہوئی جہاں پچاس کا نوٹ دیکھ کر ماں یہ پوچھنا بھول جاتی ہے کہ تم کہاں سے آئی ہو............ اور یہ رقم کہاں سے لائی ہو؟

تھوڑی دیر بعد ماں کمرے میں آئی۔ اس نے میرے سر کو بڑے پیار سے سہلاتے

ہوئے کہا۔ "میری بچی تھک گئی ہے۔ چل اٹھ روٹی کھالے میں سالن گرم کرلیتی ہوں۔"

میں نے لیٹے ہی لیٹے دوسری طرف منہ پھیرلیا۔ "مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"بھوک کیسے نہیں ہے' کیا آج اپنے باپ کو بھی نہیں کھلائے گی۔ بھئی' اب تو وہ ہمارے ساتھ کھانے پر اعتراض نہیں کرے گا۔ آج کل تیری ہی کمائی سے چولہا جل رہا ہے۔"

میں ایک دم سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ گھور کر ماں کو دیکھا پھر کہا۔ "اری' ہمارے گھر میں کیسی کیسی کمائی سے چولہا جلتا ہے۔ کبھی برکت چاچا کی کمائی آتی ہے' کبھی بھائی جوئے اور سٹے میں جیت کر رقم لاتا ہے۔ ایسی کمائی والے گھر میں تو کبھی یہ نہیں پوچھے گی میں یہ روپے کہاں سے لائی ہوں؟"

"دیکھ بیٹی! اب جلی کٹی نہ سنانا۔ جہاں سے بھی لائی ہے' گھر میں رقم آنا چاہئے۔ مہنگائی بڑھتی جارہی ہے۔"

میں نے جل کر کہا۔ "ہاں مہنگائی بڑھتی جارہی ہے۔ پیسہ زیادہ سے زیادہ آنا چاہئے۔ آج میں پچاس لائی ہوں' کل سے سولاسکتی ہوں۔"

ماں نے خوش ہوکر بے یقینی سے پوچھا۔ "کیا سچ؟"

"کیا میں جھوٹ کہہ رہی ہوں۔ کل سے نوربانو کو بھی ساتھ لے جاؤں گی۔ ہم دونوں کے پچاس پچاس روپے آیا کریں گے۔"

وہ ایک دم سے بدک کر دور ہوگئی غصے سے بولی۔ "کیا بکواس کرتی ہے؟ نوربانو کو تیرے ساتھ بھیجوں گی؟ آخر تُو اس کے گورے رنگ سے جلتی کیوں ہے؟ تیرا منہ تو پیدائشی کالا ہے۔ اب اس کا منہ کالا کرنا چاہتی ہے۔ پھر کبھی ایسی بات منہ سے نکالے گی تو زبان کھینچ لوں گی۔"

میں نے مارے غصے کے دانت پر دانت جمالئے۔ میں اپنی توہین' اپنا غصہ برداشت کررہی تھی۔ اگر میرا منہ کھل جاتا تو آج ساری رات محلہ جاگتا رہتا اور میری گالیاں سنتا رہتا۔ میری گالیوں سے برکت چاچا بھی ڈرتا تھا۔ ایک بار اس نے مارپیٹ کر مجھے گھر سے نکالا تھا۔ میں گلی میں پہنچ کر گھر کے دروازے پر پتھر مار مار کر گالیاں دیتی رہی تھی۔ آخر وہ پریشان ہوکر اور ہاتھ جوڑ کر مجھے گھر میں لے آیا تھا۔

کیا یہ کوئی لڑکی برداشت کرسکتی ہے کہ ایک ہی گھر میں ایک بہن کو سرپر چڑھایا جائے دوسری کو نظروں سے گرایا جائے صرف اس لئے کہ میں کالی ہوں۔ ان کے چھوٹے خیال کے مطابق میں کالی کمائی لاتی ہوں۔ اس پر انہیں اعتراض نہیں ہوتا۔ وہ میری بلائیں لیتے ہیں اور بھکاریوں کی طرح ہاتھ پھیلا کر اس کمائی کو قبول کرتے ہیں لیکن ایسی ہی کالی بیٹی کی بات گوری بیٹی کے لئے کروں تو وہ فوراً عزت دار بن جاتے ہیں گویا میری عزت نہیں ہے۔ ساری عزت' سارا مرتبہ گوری چمڑی والوں کے لئے ہے۔ ایک ماں اپنے بچوں کے درمیان تفرقہ پیدا کرتی رہی ی۔ شاید اس لئے کہ میں اپنے باپ کی بیٹی ہوں اور میری ماں کو میرے ابّے سے سخت نفرت ہے۔

میں دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بستر پر بیٹھی رہی۔ میری آنکھوں سے بے تحاشہ آنسو نکل رہے تھے۔ مجھے یاد نہیں آرہا تھا' کبھی دل کھول کر قہقہہ لگانے والی مسرتیں ملی ہوں۔ چند روز قبل مجھے ایک مرد کی محبت اور توجہ ملی آج وہ مرد بڑی باقاعدگی سے میری زندگی میں داخل ہوگیا۔ اس نے مجھے نئی مسرتوں سے آشنا کرایا لیکن یہ مسرتیں اس کی گھروالی سے چرائی گئی تھیں۔ ایک مرد جو صرف میرے نام سے مجھے خوشیاں دے سکتا ہے' میں ان خوشیوں سے اب تک محروم تھی۔ یہ کیسی ستم ظریفی تھی کہ مجھے ایک مرد سے محبت اور مسرتیں مل رہی تھیں۔ میں خوش تھی اور خوش ہونے کے باوجود خوش نہیں تھی۔

برآمدے سے ابّے کے کھانسنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے سر اٹھاکر کھڑکی کی طرف دیکھا۔ اس کھڑکی کے پٹ ٹوٹے ہوئے تھے۔ ان کی ٹوٹی ہوئی لکڑیاں جوڑ کر کیلیں ٹھونک کر کھڑکی کو مستقل طور پر بند کردیا گیا تھا۔ میں بستر سے اٹھ کر وہاں آئی۔ کھڑکی کے پار ابّے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ مگر وہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ مجھے احساس ہوا رات کے بارہ بج چکے ہیں۔ میں نے اب تک باپ کو روٹی نہیں دی ہے۔ وہ میرا انتظار کررہا ہوگا۔

ہم باپ بیٹی رات کا کھانا ساتھ ہی کھایا کرتے تھے میں اپنی عادت کے مطابق بے اختیار کچن کی طرف جانا چاہتی تھی۔ پھر رک گئی۔ میرے اندر سے آواز آئی۔ ابّے کے سامنے کیسے جاؤں؟ میں نے اپنے جذبوں کے مطابق ایک مرد کو فتح کیا ہے لیکن باپ کی غیرت کے مطابق منہ دکھانے کے قابل نہیں ہوں۔ اگرچہ باپ کو کچھ معلوم نہیں

ہے لیکن مجھے تو معلوم ہے۔ ان لمحات میں مجھ پر انکشاف ہوا کہ میں دنیا سے بالکل نہیں ڈرتی۔ باپ کے لئے بھی زبان کی کڑوی ہوں لیکن باپ کا بے حد احترام کرتی ہوں۔ میں ابّے کے سامنے ڈھیٹ بن کر جاؤں گی تب بھی میری آنکھیں جھک جائیں گی۔ اسے بے اختیارانہ حسنِ حیا کہتے ہیں۔

میں کمرے میں بے چینی سے ٹہلنے لگی۔ باپ کو بھوکا بھی سلا نہیں سکتی تھی۔ میرے کمرے میں نور بانو چھوٹے بھائی کے ساتھ ایک چارپائی پر سو رہی تھی۔ دوسری چارپائی بڑے بھائی جمشید کے لئے خالی تھی۔ وہ رات گئے آتا تھا اور کبھی آتا ہی نہیں تھا۔ کسی کو ابّے کی پروا نہیں تھی۔ وہ رات کو بھوکا سو جاتا۔ رات بھر کھانستا رہتا یا صبح وہ مُردہ پایا جاتا تو کسی کو افسوس نہ ہوگا۔

میں نے ٹین کا صندوق کھول کر اپنے لئے لباس نکالا۔ غسل خانے میں گئی۔ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر لباس تبدیل کیا پھر کچن میں آ کر سالن گرم کیا۔ اس کے بعد روٹی اور سالن لے کر ابّے کے پاس آ گئی۔ وہ ٹوٹی ہوئی چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے اس کے سامنے سالن روٹی رکھتے ہوئے کہا' مجھے بھوک نہیں ہے تو کھا لے۔"

"تجھے بھوک نہیں ہے' میری بھوک کا احساس تو ہے۔ اسی طرح مجھے بھی احساس ہے۔"

اس نے روٹی توڑی۔ اسے سالن میں بھگویا پھر میرے منہ کے پاس لا کر بولا۔ "جب تو بچی تھی تو میرے ہاتھوں سے کھایا کرتی تھی۔ اب کیا سمجھتی ہے؟ بچی نہیں ہے' لے بیٹا' کھا لے' نہیں تو تیرے باپ کے حلق سے ایک لقمہ بھی نہیں اترے گا۔"

اس نے بڑے پیار سے وہ لقمہ میرے منہ میں دیا۔ میری آنکھ سے آنسو نکلتے نکلتے رہ گئے۔ میں نے ضبط کیا۔ میں اس کے سامنے اپنی محبت کا اظہار نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مجھے اس سے نفرت تھی۔ میں جب بھی سوچتی کہ برکت چاچا نے اس سے بہت کچھ چھین لیا ہے تو مجھے برکت چاچا پر نہیں' اُس پر غصہ آتا تھا۔ آخر وہ مرد ہو کر اتنا کمزور کیوں ہے۔ ایسے کمزور شخص کو ابا یا ابو کہتے ہوئے شرم آتی تھی۔ ویسے نہ کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ وہ ہر حال میں باپ ہی تھا۔

☆======☆======☆

دوسرے دن سے میں کوچنگ سنٹر میں لڑکیوں کو پڑھانے لگی۔ اس روز مصمم ارادہ کر لیا تھا شام کو حاتم سے ملنے نہیں جاؤں گی۔ میں اسے احساس دلانا چاہتی تھی کہ عورت بھی اپنی مرضی کی مالک ہوتی ہے' اسے کہیں دھوکے سے نہیں لے جانا چاہئے۔ اس کی مکمل رضامندی کے بغیر اسے حاصل نہیں کرنا چاہئے۔

میں صبح نو بجے سے ایک بجے تک لڑکیوں کی مختلف کلاسیں لیتی رہی۔ انہیں دھیان سے پڑھاتی رہی اور یہ دھیان دوسری طرف بھی بھٹکتا رہا۔ میں جب بھی کلاس لے کر کوچنگ سنٹر کے دفتر میں آتی تو بے اختیار گھڑی دیکھنے لگتی تھی۔ دوپہر کو کھانا کھایا پھر سو جانا چاہتی تھی۔ نیند آنے سے دھیان کسی اور طرف نہ جاتا۔ میں اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھی کہ انسان کبھی کبھی اپنے اختیار سے باہر ہو جاتا ہے۔ میں اپنے آپ کو بہت ہی مستقل مزاج سمجھتی تھی اور یہ جھوٹ بھی نہیں ہے۔ میں جس بات کا ارادہ کر لیتی ہوں اس پر قائم رہتی ہوں۔ جو ضد کر لیتی ہوں اسے پورا کر کے دکھاتی ہوں۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ اپنے اندر کی ضدی لڑکی کو سمجھانے لگی۔ "سو جا' کسی کا دھیان نہ کر۔ آرام سے سو جا۔ میں کہتی ہوں سو جا نہیں تو اس جوانی کو آگ لگا دوں گی.........."

ہمارے ہاں گھڑی نہیں ہے۔ ایک پرانا ڈبے کی طرح ریڈیو ہے۔ میں نے اسے آن کر دیا تھا تاکہ ہلکی ہلکی موسیقی سن کر نیند آ جائے۔ بعد میں انکشاف ہوا میں نے موسیقی سننے کو نہیں بلکہ وقت معلوم کرنے کے لئے ریڈیو آن کر رکھا ہے۔ سہ پہر کے تین بج گئے۔ چار بج گئے۔ میں کروٹ پر کروٹ بدلتی رہی۔ میرے ہونٹوں پر اور میرے چہرے پر جگہ جگہ سانسوں کی گرمی لگتی رہی۔ میں اپنے اوپر پہاڑ سا بوجھ محسوس کر رہی تھی اور وہ بوجھ اچھا لگتا تھا۔ میں یک بیک اٹھ کر بیٹھ گئی سامنے دیوار پر ایک ٹوٹا ہوا آئینہ لگا تھا۔ میں بستر سے اتر کر آئینے کے سامنے گئی۔ بال بکھرے ہوئے تھے' لباس پر شکنیں پڑ گئی تھیں۔ میں نے جلدی سے لباس تبدیل کیا۔ بالوں کو سلجھا کر جوڑا باندھا۔ چپل پہنی۔ پھر گھر سے ایسے نکلی جیسے تیر کمان سے نکلتا ہے اور سیدھا اپنے استھان تک پہنچتا ہے۔

ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی۔ وہ ذرا فاصلے پر ایک پان کی دکان سے سگریٹ خرید رہا تھا۔ اس نے ٹیکسی کا اگلا دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ اسے یقین تھا میں ضرور آؤں گی۔

مجھے اپنے ہلکے پن کا احساس ہوا۔ مرد کی توقع کے مطابق کبھی ہاتھ نہیں آنا چاہئے اور اس کی توقع کے خلاف اچانک مل جاؤ تو اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ میں باؤلی جذبات میں بہہ کر اپنی اہمیت کھو رہی تھی۔ آگ لگے ایسی جوانی کو۔ ایسے وقت سمجھ میں نہیں آتا کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے' جو کچھ اپنے ساتھ ہوتا جاتا ہے وہی اچھا لگتا ہے۔

میں کھلے ہوئے دروازے سے گزر کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی دروازے کو بند کرلیا۔

وہ سگریٹ پیتا ہوا آیا۔ اس نے اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ کر دروازے کو بند کیا۔ پھر گاڑی اسٹارٹ کرکے آگے بڑھا دی۔ ہم دونوں خاموش رہے۔ اس نے گاڑی کو مالک کے دروازے پر چھوڑ دیا۔ پھر مجھے اسی مکان میں لے آیا۔ اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے پوچھا۔ "آج خاموش کیوں ہو؟"

میں سسکنے لگی۔ وہ حیرانی سے بولا۔ "ارے' یہ کیا؟ تم رو رہی ہو؟"

میں نے پوچھا۔ "حاتم ایسا کب تک ہوگا؟ کیا میں فٹ پاتھ کی کوئی چیز ہوں جسے تم اٹھا کر لے آئے ہو؟"

"کیسی باتیں کرتی ہو میری جان! میں تو تمہیں اپنی جان سے زیادہ چاہتا ہوں۔ تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

میرے اندر ایک دم سے شہنائیاں بجنے لگیں۔ میں نے آنسو بھری آنکھوں سے پوچھا۔ "کب کروگے؟"

"ذرا صبر اور حوصلہ کرنا ہوگا۔ ہم ایک نئی ٹیکسی خریدیں گے۔ میں دن رات محنت کرکے بیس ہزار روپے جمع کروں گا۔ پھر قسطوں پر ٹیکسی حاصل کروں گا۔ اس کی آمدنی صرف ہماری ہوگی۔"

میں اس کمرے میں دوسری بار آئی تھی مگر آج غور سے دیکھ رہی تھی میں نے کہا۔ "کمرے کی حالت بتاتی ہے' تمہارا دوست غریب مزدور ہے اس دوسرے کمرے میں کیا ہے؟"

"پتا نہیں' وہ تالا لگا کر جاتا ہے مجھے صرف اس کمرے کو استعمال کرنے کی اجازت ہے۔"

چارپائی پر بستر بچھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک چھوٹی سی میز پر ایک بچے کی تصویر فریم میں لگی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا۔ "کیا یہ تمہارے دوست کا بچہ ہے؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "میرے دوست کی بچپن کی تصویر ہے دوسروں کی بات چھوڑو۔ آؤ ہم اپنی بات کریں۔"

اس نے مجھے باتوں میں لگالیا۔ محبت سے مدہوش کرنے لگا۔ ایسے میں وہ ہی وہ سمجھ میں آتا تھا۔ اس کی باتیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ پھر پتا نہیں کتنا وقت گزر گیا۔ دروازے پر دستک سن کر وہ ایک دم سے گھبرا کر اٹھ گیا۔ پریشانی میں کبھی مجھے اور کبھی.......... دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ میں نے کہا۔ "پریشان کیوں ہوتے ہو شاید تمہارا دوست آگیا ہے۔ میں پردہ کرلیتی ہوں۔"

اس نے جلدی سے میرے منہ پر ہاتھ رکھا۔ پھر سرگوشی میں کہا۔ "خاموش رہو' آواز نہ نکالنا۔"

یہ سمجھا کر وہ دبے پاؤں چلتا ہوا دروازے کے پاس گیا۔ دروازے پر دوسری بار دستک سنائی دی۔ وہ خاموش کھڑا رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا آخر وہ دروازہ کیوں نہیں کھول رہا ہے۔ میں بستر سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اشارے سے پوچھا۔ "آخر بات کیا ہے؟"

اس نے اشارے سے انگلی ہونٹوں پر رکھ کر خاموش رہنے کے لئے کہا۔ تیسری بار دستک ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی کسی عورت کی آواز سنائی دی۔ "ببلو کے ابو! میں جانتی ہوں تم اندر ہو' دروازہ کھولو۔"

وہ عورت اسے حاتم علی کے نام سے نہیں پکار رہی تھی۔ ببلو کے ابو کہنے کے انداز سے صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ اس کی بیوی ہے اور یہاں پہنچ گئی ہے۔ میرا تو جیسے خون خشک ہوگیا۔ اب تک میں سوچ رہی تھی' میں نے ایک مرد کو جیت لیا ہے لیکن اس عورت کی آمد نے سمجھا دیا' یہ جیت نہیں' سراسر چوری ہے۔ میں اس کے آدمی کو چرانے اس کے کسی دوست کے گھر آئی ہوں۔

حاتم نے پریشان ہوکر آہستگی سے کہا۔ "پتا نہیں' یہ یہاں کیسے آگئی' تم چارپائی کے نیچے چھپ جاؤ۔"

میں ذلت کے احساس سے تلملا کر بولی۔ "تم نے مجھے یہاں لاکر پھنسا دیا ہے۔ اب چارپائی کے نیچے چھپا کر تماشا بنانا چاہتے ہو۔ کیا وہ آنے والی اتنی نادان ہوگی' جاؤ دروازہ کھولو۔"

وہ زور زور سے دروازہ پیٹ رہی تھی۔ جیسے گھونسے مار رہی ہو ساتھ ہی کہتی جا رہی تھی۔ "میں کہتی ہوں' دروازہ کھولو ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

پھر کسی مرد کی آواز سنائی دی۔ "دروازہ تو اسے کھولنا ہی ہوگا۔"

پھر کسی دوسرے شخص کی آواز سنائی دی۔ "بھئی اتنی جلدی کیوں کرتے ہو بے چاروں کو جی بھر کے منہ کالا کر لینے دو۔"

میں نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لئے۔ میرا دماغ چکرا رہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ دروازہ تو آخر کھولنا ہی تھا۔ ہم ساری زندگی بند دروازے کے پیچھے گنہگاروں کی طرح چھپے نہیں رہ سکتے تھے۔ حاتم نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا میں منہ چھپا کر فرش پر اکڑوں بیٹھ گئی۔

دروازہ کھلتے ہی میں نے کئی قدموں کی آوازیں سنیں پھر حاتم علی کی بیوی نے کہا۔ "اچھا تو مجھے میکے بھیج کر یہاں رنگ رلیاں منا رہے ہو؟"

حاتم علی نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "صائمہ! یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے ہم آپس میں نمٹ لیں گے۔ تم نے محلے والوں کو کیوں بلایا ہے؟"

صائمہ نے کہا۔ "آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ محلے والوں نے مجھے بلایا ہے۔ انہوں نے کل بھی تمہیں اس بازاری عورت کے ساتھ یہاں دیکھا تھا۔ اگر یہ لوگ میری عزت بہن' بیٹی کی طرح نہ کرتے تو کل ہی اس عورت کی بوٹی بوٹی کر دیتے اور تمہارا منہ کالا کر کے گدھے پر بٹھاتے۔"

ایک شخص نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "حاتم صاحب! ہم نے کل ہی اطلاع پہنچا دی تھی لیکن جب صائمہ بہن پہنچیں تو تم دونوں جا چکے تھے۔ یہ کل ہی تم سے جھگڑا کرنا چاہتی تھی ہم نے سمجھایا ایک کمزور بیوی کی طرح جھگڑا کرو گی تو شوہر اسے تسلیم نہیں کرے گا۔ اسے رنگے ہاتھوں پکڑو۔ ہم وعدہ کرتے ہیں' یہ بات پولیس والوں تک نہیں پہنچائیں گے۔ صائمہ بہن کے گھر کو برباد نہیں کریں گے محلے کی بات ہے۔ محلے میں ہی فیصلہ ہو جائے گا۔"

حاتم علی نے کہا۔ "دیکھئے' میں مجرم ہوں۔ گنہگار ہوں۔ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہوں لیکن یہ لڑکی خود نہیں آئی۔ میں لایا ہوں' اس کا بھی گنہگار میں ہوں۔ میں آپ لوگوں سے التجا کرتا ہوں اسے جانے دیں جو سزا دینا ہے' مجھے دیں۔"

صائمہ نے کہا۔ "اے واہ کیا عشق ہے کیا دیوانگی ہے اپنی معشوقہ کو بدنامی اور سزا سے بچانے کے لئے خود سُولی پر چڑھنا چاہتے ہیں اور اسے یہاں سے بھیج دینا چاہتے ہیں۔"

ایک شخص نے کہا۔ "یہ ایسے کیسے جائے گی۔ پہلے ہمیں اپنی صورت تو دکھائے۔"

دوسرے شخص نے کہا۔ "ہاں' ہمیں اس کی صورت دیکھ لینا اور پہچان لینا چاہئے تاکہ یہ ہمارے علاقے میں دور دور تک نظر آئے تو ہم اس پر تھوک سکیں۔"

میں فرش پر اکڑوں بیٹھی تھی اور زمین پر گڑی جا رہی تھی۔ آنسو تھے کہ رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی' صوبے بھر میں اول آ کر اخباروں کے ذریعے شہرت پا کر یوں ذلت کی پستیوں میں گرتی چلی جاؤں گی اور سنبھلنے کا کوئی راستہ نہیں ملے گا۔

محلے کی ایک عورت نے آگے بڑھ کر میرے بال اپنی مٹھیوں میں جکڑ لئے پھر جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔ "اری بڑی پارسا بنتی ہے' ہم سے منہ چھپا رہی ہے۔ چل اٹھ۔ ذرا ہم بھی تو دیکھیں۔ اب تک کتنا منہ کالا کیا ہے۔"

میں نے دوپٹے کو اچھی طرح منہ سے لپیٹ لیا تھا۔ روتی اور گڑگڑاتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ "خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو مجھے جانے دو۔ یہ میری زندگی کی سب سے پہلی غلطی ہے' میں قسم کھا کر کہتی ہوں۔ مجھے عبرت ناک سبق حاصل ہو رہا ہے۔ آج مجھے جانے دو۔ پھر کبھی ایسی غلطی نہیں کروں گی۔"

دو عورتوں نے پکڑ کر زبردستی میرے منہ سے دوپٹہ ہٹا دیا۔ پھر کتنے ہی لوگ ہنسنے لگے۔ ایک نے کہا۔ "ارے' اس کا منہ تو سچ مچ کالا ہے۔"

دوسرے نے کہا۔ "اس کی ماں نے بھی منہ کالا کیا ہوگا' اس لئے یہ کالی ہے۔"

میرا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ رہا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ اپنے اندر ایسی شدید حرارت محسوس ہو رہی تھی جیسے تیز بخار چڑھ رہا ہو۔ میں نے حاتم علی کے پاس کھڑی ہوئی صائمہ کو دیکھا وہ عورت دیکھنے کے قابل تھی۔ کیا رنگ روپ کیا ناک نقشہ تھا۔

وہ اتنی حسین اور اتنی مکمل عورت تھی کہ اس کے بعد مرد کسی اور کی تمنا نہ

کرتا۔ پتا نہیں حاتم کو کیا ہو گیا تھا۔ بعض مرد مہم جو ہوتے ہیں کولمبس کی طرح نئے نئے امریکہ کے ساحل پر اترتے رہتے ہیں۔

میں نے محسوس کیا' صائمہ جتنے غصے میں آئی تھی۔ اتنی ہی نرم پڑ گئی تھی۔ وہ مجھے حیرانی سے تک رہی تھی۔ ایک عورت نے کہا۔ "اس کلموہی کو ایسی سزا دو کہ یہ پھر کسی کا گھر برباد کرنے نہ جائے۔"

دوسری عورت نے کہا۔ "قینچی لاؤ۔ اس کے بال کاٹ دو۔"

تیسری عورت نے کہا۔ "قینچی سے کیا ہوتا ہے' استرے سے سر مونڈ دو۔ یہ گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دے گی۔"

ایک شخص نے کہا۔ "ارے حاتم بھائی! اب تو تمہیں بھائی کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے لیکن صائمہ بہن کی خاطر کہنا پڑتا ہے چلو' دیکھ کیا رہے ہو' تمہارا داڑھی بنانے کا جو سامان ہے لے آؤ' اسی سے سر مونڈا جائے گا۔"

حاتم علی پریشان ہو کر ایک ایک کا منہ تک رہا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ اب بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اوہ خدایا! میں کہاں آ کے پھنس گئی۔ میں نے تو کبھی ایسی ذلت کے متعلق سوچا بھی نہیں تھا۔ اب تو یہ میرا مقدر بن گئی ہے۔ میرا سر مونڈا جائے گا میں کتنوں کے سامنے جاؤں گی کتنوں کی باتوں کا جواب دوں گی سب مجھ پر تھوکیں گے۔ میں تو اب زندہ نہیں رہ سکوں گی۔

پھر میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اسی وقت صائمہ نے کہا۔ "میری بہنو اور بھائیو! میں آپ لوگوں کی شکر گزار ہوں آپ نے میرے شوہر کی عزت رکھنے کے لئے اس معاملے کو تھانے تک نہیں پہنچایا لیکن آپ یقین کریں' صرف شوہر کی بات ہوتی تو میں آپ لوگوں کا ہر حال میں ساتھ دیتی۔ انہیں تھانے بھی لے جاتی' عورت سب کچھ برداشت کر سکتی ہے لیکن یہ توہین برداشت نہیں کر سکتی کہ اس کا شوہر اسے بے وقعت اور کم تر سمجھ کر کسی دوسری کے پاس جائے۔ آج جو کچھ ہوا اس کے بعد میں اپنے شوہر کو کبھی معاف نہیں کروں گی لیکن آپ لوگوں سے التجا کرتی ہوں اس لڑکی کو معاف کر دیجئے۔"

میں نے پٹ سے آنکھیں کھول کر اس عورت کو دیکھا جس کا گھر برباد کرنے آئی تھی۔ وہ میرے لئے معافی کی درخواست کر رہی تھی۔ ایک عورت نے کہا۔ "اے

صائمہ! کیا تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے' یہ عورت تیرے گھر میں آگ لگا رہی تھی اور تو اسے معاف کر رہی ہے۔"

دوسری عورت نے کہا۔ "اگر اسے معافی مل جائے گی تو پھر ہمارے مرد بھی حاتم کی طرح عورتوں کے معاملے میں حاتم طائی ہو جائیں گے۔"

اس عورت کے شوہر نے کہا۔ "اپنی زبان پر قابو رکھ ایک بدمعاش کے لئے ہم شریف آدمیوں پر کیچڑ کیوں اچھال رہی ہے۔"

دوسرے آدمی نے کہا۔ "ایسا تو ہوتا ہی ہے' جب ایک غلطی کرتا ہے تو دوسروں کو بھی باتیں سننا پڑتی ہیں۔"

صائمہ نے کہا۔ "آپ لوگ آپس میں بات نہ بڑھائیں میری التجا قبول کر لیں۔"

ایک شخص نے پوچھا۔ "تم اسے کیوں معاف کرنا چاہتی ہو؟"

صائمہ نے مجھے دیکھا۔ میری نظریں جھک گئیں۔ پھر اس نے کہا۔ "یہ آوارہ لڑکی نہیں ہے۔ یہ بہکی نہیں ہے' بہکائی گئی ہے۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟"

"یہ بہت ذہین لڑکی ہے۔ اس نے پورے صوبے میں ٹاپ کیا ہے۔ ایسی ذہین لڑکیاں جان بوجھ کر غلطی نہیں کرتیں۔ ان سے غلطی ہو جاتی ہے۔ اس لئے انہیں معاف کر کے سنبھلنے کا موقع دینا چاہئے۔"

ایک بزرگ نے صائمہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "بیٹی تم پر اللہ کی رحمت ہو' تم نے بہت اچھی بات کہی ہے۔ اگر کسی سے غلطی ہو اور اسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا جائے بلکہ سزا دی جائے تو اس کا ذہن باغیانہ ہو جاتا ہے۔ میں بوڑھا ہوں۔ میں نے دنیا دیکھی ہے۔ میں تم لوگوں سے درخواست کرتا ہوں' اسے معاف کر دو۔ اسے چپ چاپ چلے جانے دو۔"

بوڑھے شخص کے جواب میں کسی نے حجت نہیں کی۔ سب خاموش رہے۔ دروازے کے پاس دو آدمی کھڑے ہوئے تھے۔ وہ وہاں سے ہٹ گئے۔ دوسری عورتیں بھی پیچھے چلی گئیں۔ بزرگ نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "جاؤ یہاں سے۔"

میں نے سر پر آنچل رکھا۔ آنچل کا گھونگھٹ بنایا۔ پھر اپنا منہ چھپاتی ہوئی اس گھر سے نکل گئی۔ اس مکان کے ایک طرف میدان تھا اور دوسری طرف بہت سے مکانات

بنے ہوئے تھے۔ ان سب کی کھڑکیاں اور دروازے کھلے ہوئے تھے جو عورتیں نہیں آسکی تھیں' وہ کھڑکیوں سے جھانک رہی تھیں۔ میں نے ایک ہی بار سر اٹھا کر دیکھا پھر دوسری بار گردن نہ اٹھا سکی۔ میرے پاؤں کانپ رہے تھے۔ میں چلتے وقت کپکپا رہی تھی۔ پتا نہیں کس طرح اپنے وجود کو گھسیٹ رہی تھی۔ میں بس اسٹاپ کی طرف نہیں گئی تھی بلکہ ایسے راستے پر بھی نہیں گئی۔ جہاں لیمپ پوسٹ تھے اور روشنی تھی مجھے روشنی سے ڈر لگ رہا تھا۔ میں نیم تاریک گلیوں سے گزرتی رہی پھر ایک میدان آیا میں اس میدان کو پار کر کے اسی اسکول کی طرف جانے لگی۔ رات کا وقت تھا۔ اکیلی لڑکی کو دیکھ کر کوئی بھی چھیڑ سکتا تھا لیکن اب کسی کی چھیڑ چھاڑ سے ڈرنے کی بات ہی کیا رہ گئی تھی۔ کوئی اٹھا کر لے جاتا تو میری کون سی عزت باقی تھی جس کا میں ماتم کرتی۔

میں تقریباً ڈیڑھ میل تک چلتے رہنے کے بعد اپنے محلے میں پہنچی۔ پھر ایک جگہ رک گئی۔ مجھے معلوم تھا' جس راستے سے گزرتی ہوں وہاں میرا باپ موجود رہتا ہے' اندھیرے میں بیٹھا ہوا انتظار کرتا ہے۔ میں نے راستہ بدل دیا۔ پچھلی گلی سے گھوم کر اپنے گھر میں داخل ہوئی۔ میری بہن اور بھائی فرش پر بیٹھے روٹی کھا رہے تھے۔ ماں نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے پچاس کا نوٹ دیکھ رہی ہو۔ میں منہ پھیر کر جانے لگی تو وہ مایوس ہو گئی۔ میں اپنے کمرے میں آ کر بستر پر گر پڑی۔

مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میں پہلے سے آدھی ہو گئی ہوں۔ مجھ میں جان نہیں رہی ہے۔ عورت کے پاس جینے کے لئے کچھ ہونا چاہئے' میرے پاس تو کچھ نہیں رہا تھا۔ حاتم علی نے جانے کس بات کا بدلہ لیا تھا۔ مجھے معلوم ہوتا کہ وہ اس کے دوست کا نہیں خود اس کا اپنا گھر ہے تو میں کبھی نہ جاتی۔ میں تو محبت میں آگئی تھی۔ دنیا والوں نے اچھی طرح ذلیل کر کے سمجھا دیا۔ یہ محبت نہیں گناہ تھا۔

شاید حاتم علی نے کبھی اخبار میں چھپی ہوئی میری تصویر صائمہ کو دکھائی ہو گی تب ہی اسے معلوم تھا۔ ویسے کوئی عورت ایسی عورت کو ذہین نہیں کہتی جو اس کے مرد کو چھین رہی ہو لیکن وہ بھی تعلیم یافتہ تھی ذہانت کو سمجھتی تھی۔ اس نے اس بات کا تجزیہ کیا تھا کہ ذہین لڑکیاں جان بوجھ کر غلطی نہیں کرتیں۔ گمراہ نہیں ہوتیں۔ ایسا ہو جاتا ہے اور اگر ایسا ہو جائے تو انہیں راہِ راست پر آنے کا موقع دینا ہی چاہئے۔

میں صائمہ کو اپنی کھال کے جوتے بنا کر دوں تب بھی میں اس کے احسان کا بدلہ

نہیں چکا سکوں گی۔ اس نے مجھے گھر کی چار دیواری کے باہر ذلیل نہیں ہونے دیا۔ اگر وہ مہربان نہ ہوتی تو آج میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتی میں منہ سے کچھ نہ کہتی لیکن میرا منڈا ہوا سر میری آوارگی کا اشتہار بن جاتا۔

☆======☆======☆

اس دن کے بعد میں باقاعدہ برقع پہننے لگی۔ پہلے بھی پہنا کرتی تھی۔ ایک بار کسی نے آواز کسی تھی کہ حسین عورت نظرِبد سے بچنے کے لئے برقع پہنتی ہے اور میں کالا رنگ چھپانے کے لئے پہنتی ہوں۔ تب سے میں نے برقع اتار دیا تھا۔ دنیا دیکھنا ہی چاہتی ہے تو میں بھی اپنا رنگ دکھاتی رہوں گی۔

اس رات حاتم علی کے گھر میں محلے کے بہت سے لوگوں نے مجھے دیکھا تھا۔ شہر کی کسی بھی بس میں، بازار میں یا کسی بھی راستے پر ان سے سامنا ہو سکتا تھا۔ میں ان میں سے کسی کو منہ دکھانا نہیں چاہتی تھی اس لئے برقع میں پناہ لینے لگی۔

اس رات ذلتیں اٹھانے کے بعد میں کئی دنوں تک نیم مُردہ حالت میں رہی۔ بڑی مشکلوں سے دماغ کو حاضر کرکے لڑکیوں کو پڑھایا کرتی تھی۔ اس کے بعد مجھے ہوش نہیں رہتا تھا۔ میں کس دنیا میں ہوں، اگر ہوں تو زندہ کیوں ہوں۔ میں جو کچھ سوچتی تھی، تھوڑی دیر بعد مجھے یاد نہیں رہتا تھا کہ میں ابھی کیا سوچ رہی تھی۔ بار بار وہی منظر آنکھوں کے سامنے پھر جاتا تھا۔ کوئی عورت میرے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر میرا چہرہ اوپر اٹھاتی تھی اور دنیا والوں کو میرا کالا منہ دکھاتی تھی۔ میرا خیال تھا، میں یہ بات کبھی نہیں بھولوں گی۔ یہ ذلت کا زخم اتنا گہرا تھا کہ اس کا بھرنا مشکل ہو گا لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو چکنا گھڑا بنایا ہے خواہ وہ کیسی ہی ذلتیں اٹھالے، رفتہ رفتہ وقت کے ساتھ اس کی شرمندگی کمزور پڑ جاتی ہے۔ ایسی بات نہیں ہے کہ وہ بے حس ہوتا ہے۔ اس کے اندر ندامت کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں۔ اوپر سے وہ دنیاوی مصروفیات میں گم ہو جاتا ہے۔

چھ ماہ گزر گئے میں نے خود کو گھر کی چار دیواری میں اور باہر نکل کر برقع کی چار دیواری میں محدود کردیا تھا۔ کوچنگ سنٹر میں لڑکیوں سے بولتی تھی گھر میں بہت ضروری ہو تو منہ کھولتی تھی ورنہ گونگی بنی رہتی تھی۔ میں نے گلشن اقبال کے ایک

اسکول میں درخواست دی تھی مجھے انٹرویو کے لئے بلایا گیا۔ وہاں میں کامیاب ہوگئی ماہانہ تنخواہ پندرہ سو روپے تھی۔ اسکول کی گاڑی مجھے لینے آتی۔ پھر چھوڑ جاتی تھی۔ میں نے گھر والوں کو پوری تنخواہ نہیں بتائی۔ ان سے کہہ دیا آٹھ سو ملیں گے کیوں کہ آنے جانے کی سہولت ہے۔ اسکول بڑا ہے ترقی کے مواقع ہیں، اس لئے میں نوکری کر رہی ہوں۔

آٹھ سو ملنے لگے تو گھر والے خوش ہوگئے۔ تین ماہ بعد ہیڈ مسٹریس نے کہا۔ "ایک صاحب کو اپنے بچے کے لئے ٹیوٹر کی ضرورت ہے میں تمہیں ایڈریس دے رہی ہوں، وہاں جاکر کوشش کرو۔ ان کے دو بچے ہیں۔ ایک ایک بچے کے کم از کم پانچ سو روپے ضرور ملیں گے۔"

میں شام کو اس پتے پر گئی۔ ایک بہت بڑی کوٹھی تھی صاحب تھے، بیگم صاحبہ تھیں۔ دو بچے ملازم بھی تھے۔ بیگم صاحبہ نے کہا۔ "بچے آپ کی تعریفیں کرتے ہیں۔ ہیڈ مسٹریس بھی کہہ رہی تھی، آپ میرے بچوں پر توجہ دے سکیں گی۔ پھر یہ پوزیشن لاسکتے ہیں۔"

انہوں نے دو بچوں کے لئے ہزار روپے ماہانہ طے کردیئے۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ پھر روز شام کو پڑھانے کے لئے جانے لگی۔ ایک ہفتے بعد ہی پتا چلا، صاحب مجھ میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ مجھے بڑا غصہ آیا۔ آخر بات کیا ہے۔ دنیا میرے رنگ سے نفرت کرتی ہے اور مجھ پر مرتی بھی ہے۔ وہ بیگم صاحبہ اچھی خوب صورت تھیں ہر اعتبار سے اپنے میاں کے شایانِ شان تھیں۔ اب سمجھ میں آرہا تھا کہ گورا رنگ کوئی چیز نہیں ہے مرد گوری عورت پر اس وقت تک مرتا ہے جب تک اسے کالی عورت نہیں ملتی ہے اور جب گوری گوری، گلابی گلابی سی گھر والی دن رات اس کی نگاہوں کے سامنے رہتی ہے تو وہ کالی کے پیچھے دوڑنے لگتا ہے۔

کافی عرصے کے بعد ایک شخص نے مجھ میں دلچسپی لی تو اچانک احساس ہوا کہ میں نے حاتم علی کو نہیں بھلایا ہے۔ اسے اپنے بہت اندر چھپا کر رکھا ہے۔ ایک دوسرا شخص جب مجھ میں دلچسپی لینے لگا تو مجھے خوشی نہیں ہوئی۔ مجھے یہ احساسِ برتری نہیں ہوا کہ صاحب اپنی گوری چٹی بیگم صاحبہ کے مقابلے میں مجھے پسند کررہے ہیں۔ ایک شام میں بچوں کو پڑھا رہی تھی۔ بیگم صاحبہ باہر لان میں اپنی پڑوسن سے باتیں کررہی

تھیں۔ صاحب میرے قریب صوفے پر آکر بیٹھ گئے۔ ہمارے سامنے ان کی ایک پانچ برس کی بیٹی تھی اور آٹھ برس کا بیٹا۔ بچے ابھی انگریزی اچھی طرح نہیں سمجھتے تھے اسی لئے صاحب نے انگریزی میں کہا۔ "تمہارے لئے ترقی کا بہترین موقع ہے۔ تمہیں ماہانہ دو ہزار روپے کی آمدنی ہو سکتی ہے۔"

میں نے خوش ہو کر پوچھا "میرے لئے کوئی جاب ہے؟"

"ہاں اس معاملے میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں لیکن تنہائی میں۔"

"تنہائی میں؟"

"ہاں' میں نہیں چاہتا' تمہاری بیگم صاحبہ کو اس سلسلے میں کچھ معلوم ہو۔"

میں نے کہا۔ "اگر یہ بات ہے تو کھل کر بات کریں۔ آپ بیگم صاحب کو میکے کب بھیج رہے ہیں؟"

"میکے؟" انہوں نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

میں نے کہا۔ "ہاں' ایسے وقت مرد حضرات اپنی بیویوں کو میکے بھیج کر گھر خالی رکھتے ہیں۔"

"اوہ! مجھے معلوم نہیں تھا تم اس سلسلے میں کافی تجربہ رکھتی ہو۔ چلو' یہ اچھی بات ہے۔ مجھے زیادہ باتیں نہیں بنانا پڑیں گی۔ میں سیدھی اور صاف بات بتا رہا ہوں۔ پرسوں میری وائف بچوں کے ساتھ میکے جا رہی ہے۔ وہ تمہیں چھٹی دیں گی لیکن تم اسی وقت یہاں چلی آنا۔"

یہ کہہ کر صاحب نے اپنے ایک بچے کی کتاب اٹھائی اسے اپنے سامنے رکھا پھر جیب سے پانچ پانچ سو کے دو نوٹ نکال کر اس کتاب میں رکھ کر میری طرف بڑھا دیئے تاکہ بچے نہ دیکھ سکیں پھر کہا۔ "تمہیں ضرورت ہوگی رکھ لو۔"

وہ میرا کوئی جواب سنے بغیر چلے گئے۔ میں نے ان نوٹوں کو اسی طرح کتاب میں بند کر کے اپنے پاس رکھ لیا۔ تھوڑی دیر بعد بیگم صاحب آگئیں۔ میں بچوں کو پڑھانے میں مصروف ہو گئی تھی۔ اس دوران میں نے کئی بار صاحب کا تصور کیا تو مجھے گھن آنے لگی۔ میں کوئی بازاری عورت تو نہیں تھی کہ ایک کے بعد دوسرے کو قبول کر لیتی۔

میں اس رات بستر پر کروٹیں بدلتی رہی مجھے حاتم علی کی قربت یاد آ رہی تھی۔

اس کی ایک ایک بات' اس کا ایک ایک انداز مجھے تڑپا رہا تھا۔ میں نہیں چاہتی تھی' اب وہ میری زندگی میں آئے لیکن کوئی دوسرا آئے' یہ بھی منظور نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ابھی تک حاتم علی کے لئے میرے دل میں گنجائش تھی مگر مجھے اس پر غصہ آتا تھا۔ اپنے گھر وہ مجھے کیوں لے گیا تھا؟ اگر وہ مجھے جہنم میں لے جاتا تو کیا میں نہ جاتی؟ ضرور جاتی لیکن اس نے میری زندگی کو جہنم بنا دیا تھا اور اپنے گھر کو جہنم بنا چکا ہوگا۔ صائمہ ان عورتوں میں سے نہیں تھی جو شوہر کی اتنی بڑی غلطی معاف کر دیتی ہیں۔ ان کی ازدواجی زندگی میں زہر بھر چکا ہوگا۔

یہ عجیب اتفاق ہے ایک عرصے بعد پچھلی رات میں اسے یاد کرتی رہی۔ اس سے نفرت بھی کرتی رہی۔ اس کے لئے تڑپتی بھی رہی۔ دوسری صبح وہ نظر آگیا۔ وہ ایک بس سے اتر رہا تھا۔ اس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ لباس پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔ اس کی گود میں ببلو تھا۔ بس کے زنانہ حصے سے ایک برقع پوش عورت اس کے پاس آگئی۔ میں نے ببلو کی موجودگی سے سمجھ لیا کہ وہ برقع والی صائمہ ہے۔ وہ دونوں فٹ پاتھ کے دوسری طرف ایک کلینک میں جا رہے تھے۔ میں اپنے اندر بے چینی سی محسوس کرنے لگی۔ حاتم علی کا حلیہ دیکھ کر مجھے دکھ ہو رہا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ ابھی تک نہ اسے کوئی معقول ملازمت ملی ہے نہ ٹیکسی چلانے کے لئے مل رہی ہے۔

ٹریفک کی بھیڑ کم ہو گئی۔ ہماری گاڑی کو آگے جانے کا راستہ مل گیا تھا۔ میں نے سکول بس کے ڈرائیور سے کہا۔ "گاڑی روکو' میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے آج میں اسکول نہیں جاؤں گی۔"

ڈرائیور نے سڑک کے کنارے گاڑی روک دی میں اتر کر تیزی سے چلتی ہوئی کلینک کے پاس آئی وہ ایک لیڈی ڈاکٹر کا کلینک تھا' وہاں صرف عورتیں علاج کے لئے آتی تھیں۔ ان کے ساتھ آنے والے باہر برآمدے میں بیٹھا کرتے تھے۔ ساتھ ہی ایک امیٹیشن جیولری کی دکان تھی۔ میں وہاں رک کر شوکیس کے پیچھے ہار' کان کے بندے اور انگوٹھیاں وغیرہ دیکھنے لگی۔ کن انکھیوں سے حاتم علی کو بھی دیکھتی جاتی تھی۔ وہ مجھے دیکھ بھی لیتا تو پہچان نہ پاتا۔

میں نے سوچا۔ اس کے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ یہ اپنے لباس پر استری کرا سکتا یا پچاس پیسے کا ایک بلیڈ خرید کر شیو کر سکتا۔ پھر یہ صائمہ کا علاج کس طرح

کرارہا ہوگا یا صائمہ کس طرح پیسہ پیسہ جوڑ کر یہاں دوا کے لئے آئی ہوگی۔ میں تھوڑی دیر تک تذبذب میں رہی پھر آگے بڑھتی ہوئی کلینک کے دروازے میں داخل ہوگئی۔ اندر اچھا خاصا چھوٹا سا اسپتال تھا۔ وہ ایک چھوٹا سا میٹرنٹی ہوم بھی تھا۔ ایک طرف لیڈی ڈاکٹر کا چیمبر تھا۔ اس کے ساتھ ہی بڑا سا ویٹنگ روم تھا جہاں عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہاں پہنچ کر صائمہ نے نقاب الٹ دی تھی۔ اس نے مجھے دروازے میں داخل ہوتے دیکھا لیکن پہچان نہ سکی۔ میں ان عورتوں کے درمیان آگئی۔ چیمبر کے ٹھیک دروازے کے قریب ہی جگہ خالی تھی۔ وہاں بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد میں نے محسوس کیا۔ عورتیں مجھے دیکھ رہی ہیں' دیکھنے کی بات ہی تھی۔ وہاں صرف عورتیں ہی عورتیں تھیں۔ پردے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کے باوجود میں نقاب ڈالے بیٹھی ہوئی تھی۔ آخر میرے پاس بیٹھی ہوئی عورت سے رہا نہ گیا۔ اس نے کہا۔ "بہن اچھی خاصی گرمی پڑ رہی ہے نقاب اٹھادو۔"

میں نے آہستگی سے کہا۔ "میں نے چھپنے کے لئے برقع پہنا ہے۔"

اس عورت نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا مطلب!"

"میرا چہرہ بری طرح بگڑا ہوا ہے۔ میں ہروقت نقاب ڈالے رہتی ہوں۔"

اس نے حیرانی سے مجھے دیکھا۔ پھر میرے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے بولی۔ "کوئی بات نہیں اپنا نمبر تو لے لو۔"

میں اٹھ کر کاؤنٹر پر گئی۔ میرے حصے میں سات نمبر آیا یعنی میں چھٹی عورت کے بعد تھی۔ مجھ سے پہلے صائمہ آئی تھی' اس کا نمبر یقیناً چھ ہوگا۔ دوسری عورتیں باری باری چیمبر میں جارہی تھیں۔ میرا حساب درست نکلا۔ چھ نمبر صائمہ کا تھا۔ وہ اپنی باری میں چیمبر کے اندر گئی۔ میں کان لگا کر سننے لگی دروازہ کھلا ہوا تھا لیکن پردہ پڑا ہوا تھا۔ چیمبر کے اندر ڈاکٹر مریض کا کس طرح معائنہ کرتا ہے' یہ نظر نہیں آتا لیکن میں دروازے کے قریب بیٹھی کر ان کی باتیں سن سکتی تھی۔

اندر کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ پھر لیڈی ڈاکٹر کی آواز سنائی دی۔ "میں پہلے بھی تمہارا معائنہ کرچکی ہوں تم بہت کمزور ہو۔ تمہاری جیسی پڑھی لکھی عورتیں ایسی حماقتیں کرتی ہیں۔ اپنی صحت کا خیال نہیں رکھتیں اور ہر سال بچے پیدا کرنے کا اعزاز حاصل کرنا چاہتی ہیں' ذرا اپنی حالت دیکھو۔"

صائمہ کی تھکی تھکی سی آواز سنائی دی۔ "میں آئینے سے ڈرنے لگی ہوں۔ میری بیماری اور کمزوری کے باعث دو بچے ضائع ہوچکے ہیں مگر کیا کروں۔ ہم غریبوں کے ہاں تفریح کا کوئی سامان نہیں ہے۔ اس لئے ہمارے گھر والے ہمارے ہی آس پاس منڈلاتے رہتے ہیں۔ میں آپ کو بتاچکی ہوں۔ میرے شوہر کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔ کبھی کوئی گاڑی چلانے کو مل جاتی ہے ورنہ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔ میں اپنا دکھڑا سنا کر آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی۔ صرف یہ پوچھنے آئی ہوں کہ یہ بچہ جو آنے والا ہے اس کا انجام کیا ہوگا۔ کیا پہلے کی طرح یہ بھی ضائع ہوجائے گا؟"

"آثار یہی ہیں۔ اگر تم معقول علاج کراؤ اور ڈرپ چڑھاؤ آئرن کا انجکشن لو تو تمہاری حالت سنبھل سکتی ہے۔ میں تمہیں کچھ دوائیں لکھ دیتی ہوں' انہیں استعمال کرتی رہو۔"

صائمہ نے پوچھا۔ "ڈرپ کے لئے کتنی رقم لگے گی؟"

"ایک سو پچیس روپے۔ یہ لو نسخہ' میں نے مہنگی دوائیں لکھی ہیں لیکن یہ تمہاری اور تمہارے ہونے والے بچے کی زندگی کے لئے ہیں۔ مہنگائی کو نہ دیکھنا۔"

پھر خاموشی چھاگئی۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی پردہ ہٹا۔ صائمہ باہر آگئی۔ میں فوراً ہی اندر گئی۔ لیڈی ڈاکٹر کو سلام کیا۔ پھر جلدی سے قریب ہی کرسی پر بیٹھ کر بولی۔ "میں مریضہ نہیں ہوں۔ یہ جو صائمہ بی بی گئی ہیں' ان کی کچھ مدد کرنا چاہتی ہوں۔ ڈرپ کے لئے اور دواؤں کے لئے جتنی رقم کی ضرورت ہوگی میں دوں گی۔ فی الحال یہ پانچ سو روپے رکھیں اور انہیں واپس بلوالیں۔"

لیڈی ڈاکٹر نے حیرانی سے پانچ سو روپے دیکھے پھر پوچھا۔ "یہ رقم مجھے کیوں دے رہی ہو! میرے پاس کیوں آئی ہو کیا صائمہ کو براہ راست نہیں دے سکتیں؟"

"ڈاکٹر کچھ مجبوری ہے میں چاہتی ہوں' آپ میرا ذکر نہ کریں یہ رقم صائمہ بی بی کو اپنی طرف سے دیں یا ان کی دوائیں خرید کردیں۔"

لیڈی ڈاکٹر سوچتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے کہا۔ "آپ سوچتی رہیں گی تو صائمہ بی بی چلی جائیں گی۔ پلیز انہیں بلوالیں۔ میں جاتی ہوں۔"

میں اٹھنے لگی۔ لیڈی ڈاکٹر نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "بیٹھی رہو' میں تمہارے بارے میں کچھ نہیں کہوں گی۔"

ڈاکٹر نے گھنٹی بجائی۔ ایک لڑکا اندر آیا۔ ڈاکٹر نے کہا۔ "ابھی صائمہ بی بی گئی ہیں۔ انہیں یہاں لاؤ۔"

لڑکا چلا گیا۔ لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔ "رقم دینا مناسب نہیں ہے میں دوائیں منگوادیتی ہوں۔ ڈرپ بھی چڑھائی جائے گی۔ جو رقم بچے گی، تمہیں واپس کردوں گی۔ کیا تم نے اپنے آپ کو چھپانے کے لئے نقاب ڈال رکھی ہے۔"

"جی ہاں' ابھی ایک خاتون مجھ سے پوچھ رہی تھیں۔ میں نے بات بتادی کہ میرا چہرہ بگڑا ہوا ہے۔ میں اسے چھپانے کے لئے نقاب پہنتی ہوں۔"

میں نے چیمبر کے دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر کہا۔ "میرا یہاں بیٹھنا مناسب نہیں ہے آپ میری موجودگی میں صائمہ بی بی کو خیراتی دوائیں دینا چاہیں گی تو شاید وہ سبکی محسوس کرے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو' باہر جاکر بیٹھو میں تمہیں بلالوں گی۔"

میں پردہ ہٹاکر باہر نکلی۔ صائمہ پردہ ہٹاکر اندر گئی۔ پھر پانچ منٹ بعد ویٹنگ روم میں آکر میرے قریب ہی ایک جگہ بیٹھ گئی۔ میرے بعد آٹھ نمبر والی مریضہ چیمبر میں گئی تھی۔ ادھر صائمہ بار بار مجھے دیکھ رہی تھی۔ اسے بھی یہی تجسس تھا کہ عورتوں میں بیٹھ کر نقاب کیوں ڈالے ہوئے ہوں۔

لیڈی ڈاکٹر نے آٹھ نمبر کی مریضہ کو فارغ کرنے کے بعد صائمہ کو بلایا۔ صائمہ اندر گئی۔ تھوڑی دیر بعد دوائیں لے کر باہر آئی۔ چہرے پر نقاب ڈالتے ہوئے ویٹنگ روم سے باہر چلی گئی۔ اس کے بعد مجھے بلایا گیا۔ میں وہاں جاکر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ ڈاکٹر نے کچھ رقم میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں نے ایک سو پچیس روپے ڈرپ کے لئے رکھ لئے ہیں۔ کچھ دوا آنے کے بعد یہ رقم بچی ہے اور یہ دواؤں کی رسید ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "آپ نے صائمہ بی بی کو کیا کہا ہے؟"

"میں نے بھی بات بنائی ہے تم نے بیگم طاہرہ ولی بھائی کا نام سنا ہوگا۔ وہ مختلف اسپتالوں میں عطیات دیتی رہتی ہیں میں نے صائمہ سے کہا ہے' ہمارے پاس بیگم طاہرہ ولی بھائی کی کچھ عطیاتی رقم موجود ہے میں اس سے دوائیں خرید کردے رہی ہوں اور اسی سے ڈرپ بھی چڑھائی جائے گی۔ بہرحال تم اپنے متعلق بتاؤ۔ تم کون ہو کیوں اس

کی مدد کر رہی ہو؟"

میں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "پلیز ڈاکٹر! آپ ایسے سوالات کبھی نہ کریں۔ میں صائمہ بی بی کے کام آنا چاہتی ہوں' میں ہر دوسرے تیسرے دن آیا کروں گی۔ علاج کے سلسلے میں جتنی رقم کی ضرورت ہوگی' وہ دیتی رہوں گی۔ آپ کسی طرح صائمہ کو صحت مند بنا دیجئے۔ اس بار جو بچہ ہونے والا ہے اسے بھی صحت مند ہی ہونا چاہئے۔"

میں جانے لگی۔ ڈاکٹر نے کہا۔ "کم از کم اپنا نام تو بتادو۔"

میں جاتے جاتے رک گئی۔ پلٹ کر ڈاکٹر کو دیکھا پھر کہا۔ "میرا نام بیگم طاہرہ ولی بھائی ہے۔"

یہ کہتے ہی میں باہر آگئی۔ باہر برآمدے میں کتنے ہی مرد اپنی عورتوں کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے حاتم علی نہیں تھا۔ وہ صائمہ کے ساتھ جاچکا تھا۔ میں نے صائمہ کے ساتھ جو کیا وہ کچھ بھی نہیں تھا مجھے اس وقت خوشی ہوتی جب وہ پوری طرح صحت یاب ہو جاتی اور ایک صحت مند بچے کو جنم دیتی۔

اسکول اور ٹیوشن سے ڈھائی ہزار روپے ماہانہ کی آمدنی ہوتی تھی جس میں سے ایک ہزار روپے گھر میں دیا کرتی تھی پندرہ سو روپے بچاتی تھی۔ ابّے کہتا تھا۔ "بیٹی! میں نہیں جانتا کیا کماتی ہے اور کیا خرچ کرتی ہے مگر میں اتنا چاہتا ہوں کچھ بچالیا کر۔ میں تیرے کسی کام نہیں آسکتا۔ تیری بچت کچھ کام آجایا کرے گی۔"

میں ابّے کو پہلے کی طرح نظرانداز کرتی تھی لیکن اب میری بہن اور بھائی اس کی کچھ نہ کچھ خدمت کرنے لگے تھے۔ جب بھی وہ گھر آتا تو اس کے لئے ناشتے یا کھانے کی کوئی چیز اس کے سامنے لاکر رکھ دیتے تھے۔ میرے لئے ہمیشہ کمرہ صاف رہتا تھا۔ بستر پر صاف چادر بچھی رہتی تھی۔ میرے نہانے دھونے کے لئے صابن تولیہ اور پانی ہر وقت غسل خانے میں موجود رہتا تھا۔ میں صبح گھر سے نکلتی تو ماں پوچھتی تھی۔ "بیٹی، آج تم کیا کھاؤ گی؟"

میں برآمدے میں آتی تو باپ نظر نہیں آتا تھا وہ صبح سویرے ہی اٹھ کر چلا جاتا تھا کہتا تھا۔ "میری فکر نہ کرو۔ جب تک ہاتھ پاؤں میں جان ہے کچھ نہ کچھ کرتا رہوں گا۔ میں صدر جاکر کمیشن پر کھلونے بیچا کرتا ہوں۔"

میں شام کو ٹیوشن پڑھانے اس کوٹھی میں گئی۔ صاحب دور سے دیکھ کر مسکرانے لگے۔ میں سرجھکا کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ بچے سے کہا۔ "کتاب کھولو۔"

بیگم صاحبہ کمرے میں آئیں تو صاحب یوں چلے گئے جیسے ہوا کے آنے سے مکھی اُڑ جاتی ہے۔ مجھے گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ میں نے بیگم صاحبہ سے پوچھا۔ "کیا صاحب باہر گئے ہیں؟"

"ہاں' کیا تمہیں کوئی کام ہے؟"

"جی' آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

"ہاں ہاں ضرور کہو۔ کوئی ضرورت ہے تو بتاؤ؟"

"آپ دوسرے کمرے میں چلیں گی۔"

وہ اٹھ گئیں۔ میں ان کے پیچھے چلتی ہوئی دوسرے کمرے میں آئی۔ پھر وہ کتاب ان کی طرف بڑھادی جو کل یہاں سے لے کر گئی تھی۔ انہوں نے پوچھا۔ "یہ کیا ہے؟"

میں نے ان کے ہاتھوں سے کتاب لی۔ پھر اسے کھول کر دکھایا' اس میں پانچ سو کے دو نوٹ تھے۔ "کل شام جب آپ لان میں تھیں تو صاحب نے مجھے یہ رقم دی کہ آپ کل میکے جانے والی ہیں' یقیناً مجھے چھٹی دیں گی یہاں آنے سے منع کریں گی لیکن انہوں نے مجھے بلایا ہے۔"

بیگم صاحب ایک ٹک مجھے دیکھ رہی تھیں۔ میں نے کہا۔ "کیا اب بھی آپ نہیں سمجھیں؟"

انہوں نے اثبات میں سرہلایا۔ پھر کہا۔ "کسی اور کی بات ہوتی تو شاید نہ سمجھتی۔ اپنے میاں کی بات ہر بیوی سمجھ لیتی ہے۔ میں ان کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ اس کے باوجود یہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ان کی نیت تم پر بھی خراب ہو سکتی ہے۔"

اس بات سے مجھے ٹھیس پہنچی۔ یعنی میں اتنی گئی گزری ہوں کہ میری تمنا کوئی نہیں کرسکتا۔ میں نے اس بات کو خاموشی سے پی لیا۔ انہوں نے وہ کتاب بند کی۔ بستر پر پھینکی پھر کہا۔ "انہیں آنے دو۔ میں سمجھ لوں گی۔"

پھر وہ تیزی سے چلتی ہوئی آئرن سیف کے پاس گئیں۔ اسے کھولا اس میں سے نوٹوں کی ایک چھوٹی سی گڈی نکال کر میری طرف آتے ہوئے کہا۔ "تم چاہتیں تو

میرے میاں کے اس ایک ہزار کے بعد اور کئی ہزار کما سکتی تھیں۔ مجھے دھوکا دے سکتی تھیں۔ تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ آئندہ میں بچوں کو پڑھانے کے لئے کوئی مرد ٹیوٹر رکھوں گی۔ یہ پانچ ہزار لو اور یہاں سے چلی جاؤ پھر کبھی نہ آنا۔"

میں ہکا بکا سی بیگم صاحبہ کو دیکھنے لگی۔ انہوں نے کہا۔ "میں مانتی ہوں' تم ایک شریف لڑکی ہو۔ میرے میاں کے بہکانے کے باوجود بہک نہ سکیں لیکن جوان ہو۔ کل سے کشمکش میں مبتلا رہی ہو کہ ایک ہزار قبول کرکے میرے میاں کی بات مان لینا چاہئے یا رقم لوٹا دینا چاہئے۔ بہرحال تمہاری شرافت غالب آگئی لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوگا۔ میں ہمیشہ اپنے بچوں کے ساتھ نہیں رہتی۔ کبھی نہ کبھی تم جوانی کی ٹھوکر کھا سکتی ہو۔ میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔ تم سے کوئی شکایت نہیں ہے لیکن میں یہاں تمہاری موجودگی برداشت نہیں کروں گی۔"

"بیگم صاحبہ! آپ مجھے ایک شریف زادی سمجھ رہی ہیں' اس کا شکریہ لیکن شرافت کی کوئی قیمت ادا نہیں کرسکتا۔ آپ یہ رقم اپنے پاس رکھ لیں۔"

انہوں نے انکار میں سرہلاتے ہوئے کہا۔ "میں کسی کا احسان اپنے سر نہیں رکھتی۔ پھر یہ کہ اچانک ہی تمہیں ٹیوشن سے الگ کررہی ہوں۔ میرا فرض ہے' تمہیں چند ماہ کی رقم ادا کروں لہٰذا اسے پانچ ماہ کی تنخواہ سمجھ کر رکھ لو۔ اگر نہیں رکھو گی تو شاید تم نہیں جانتی' میری پہنچ بہت دور تک ہے' تم اسکول میں بھی ملازمت نہیں کرسکو گی۔"

میں پریشان ہوگئی۔ ٹیوشن کی آمدنی ختم ہو رہی تھی۔ اسکول کی ملازمت بھی چلی جاتی تو میں گھر والوں کی نظروں میں گر جاتی۔ دوسری طرف صائمہ کے لئے کچھ نہ کرپاتی۔ میں نے بے بسی سے کہا۔ "آپ یہ رقم ضرور دینا چاہتی ہیں کیا؟ کیا آپ میری ایک بات مانیں گی؟"

"تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ ضرور مانوں گی۔"

"میں اپنے ایک عزیز کی مدد کرنا چاہتی ہوں۔ وہ قسطوں پر ٹیکسی خریدنا چاہتا ہے پہلی قسط کے طور پر بیس ہزار دینا پڑیں گے' جب میں پندرہ ہزار جمع کرلوں گی تو یہ پانچ ہزار آپ سے لے جاؤں گی جب تک اسے میری امانت سمجھ کر اپنے پاس رکھ لیجئے۔"

انہوں نے مجھے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا سچ کہہ رہی

ہو؟"

"جی ہاں' میں آپ سے جھوٹ نہیں کہوں گی۔"

"اس کا مطلب ہے' وہ عزیز تمہارے لئے کچھ زیادہ ہی عزیز ہے۔ اچھی بات ہے' یہ رقم میرے پاس رہے گی لیکن جب بھی اس کی ضرورت ہوگی تو تم یہاں نہیں آؤ گی۔ نہ ہی فون پر رابطہ قائم کرو گی اسکول کی ہیڈ مسٹریس سے کہہ دو گی تو اس کے ذریعے تمہارے پاس رقم پہنچا دوں گی اب یہاں سے جاؤ۔"

میں وہاں سے چلی آئی۔ شاید اسی لئے لوگ نیکی نہیں کرتے۔ لگی لگائی روزی سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے' میں ایک ہزار روپے ماہانہ کی آمدنی سے ہاتھ دھو بیٹھی تھی۔ میں منفی انداز میں ایسا کہہ رہی ہوں' اس کے باوجود صائمہ جیسی عورتوں کی نیکیوں پر ایمان رکھتی ہوں۔

☆------☆------☆

میں نے گھر والوں سے کہہ دیا' جہاں ٹیوشن پڑھاتی تھی' وہ لوگ شہر چھوڑ کر جا رہے ہیں' آمدنی کم ہوگئی ہے۔ لہٰذا ماہانہ چھ سو روپے گھر میں دیا کروں گی۔

اس بات پر ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ وہ ماہانہ چار سو روپے کی کمی برداشت نہیں کر رہے تھے۔ مجھے باتیں سنانے لگے' میں نے کہا۔ "میں زیادہ نہیں بولتی۔ بولوں گی تو پتھر مارنا شروع کردوں گی۔ یہ چھ سو روپے مل رہے ہیں انہیں اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے لے لیا کرو۔ ورنہ میں ابّے کو لے کر کہیں چلی جاؤں گی تو اس گھر میں فاقے ہوں گے۔"

میری اس دھمکی کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ امی اور برکت چاچا ہڑبڑا کر رہ گئے۔ اس رات میرے بہن اور بھائیوں نے ابّے کے پاس کھانا نہیں پہنچایا مجھے ہی دستور کے مطابق روٹیاں لے جاکر ان کے ساتھ کھانا پڑیں۔ میں دوسرے دن لیڈی ڈاکٹر کے پاس گئی ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔ "صائمہ بی بی کو ڈرپ چڑھائی جا رہی ہے۔ وہ دو بجے یہاں سے فارغ ہوگی۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا وہ دوائیں باقاعدگی سے کھا رہی ہیں؟"

اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ویسے تم بہت فکر مند ہو؟"

"مجھے اس سے بہت زیادہ محبت ہے۔ میں اسے زندہ سلامت اور صحت مند دیکھنا

چاہتی ہوں۔"

ڈاکٹر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میں سمجھتی ہوں' یہ عورت اچھی خاصی تعلیم یافتہ ہے اتنی اچھی ہے کہ سب اسے پسند کرتے ہیں۔ شاید اسی لئے تم بھی پسند کرتی ہو۔"

میں نے کہا۔ "اس کے میاں کی مستقل آمدنی نہیں ہے۔ آپ نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ عورتیں تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنی روزی آپ کما سکتی ہیں۔"

"میں نے یہ سوال کیا تھا۔ اس کا شوہر اسے اجازت نہیں دیتا۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیوں اجازت نہیں دیتا؟"

"صائمہ خوبصورت ہے اس کا شوہر شکی مزاج ہے کہتا ہے' ٹیوشن سینٹر اور کوچنگ سینٹر میں مرد حضرات بھی ہوتے ہیں۔ وہاں عورتیں بہک جاتی ہیں۔ وہ اپنی خوبصورت بیوی کی اس حد تک نگرانی کرتا ہے کہ اسے تنہا گھر سے باہر نہیں جانے دیتا۔ اگر وہ میکے جانا چاہتی ہے تو خود اسے لے جاکر پہنچاتا ہے اور وہاں سے لے کر آتا ہے۔"

یہ باتیں سن کر میرے دل کو ٹھیس پہنچ رہی تھی۔ میں نے ایک دن حاتم علی کو یہ خوشخبری سنائی تھی کہ ٹیوشن سینٹر میں ملازمت مل گئی ہے تو وہ بہت خوش ہوا تھا۔ اس نے مبارک باد دی تھی اور ایسے ہی کسی ٹیوشن سینٹر میں اپنی بیوی کی ملازمت پر اعتراض کرتا تھا تاکہ اس کی حسین بیوی پر کسی کی نیت خراب نہ ہو۔ کوئی اسے بھگا کر نہ لے جائے۔ مجھے کوئی بھگا کر لے جاتا تو اس کا کچھ نہ جاتا۔ کیوں کہ میں اس کی بیوی نہیں تھی۔ پھر میں نے سوچا۔ اگر میں بیوی ہوتی تب بھی وہ میری نگرانی نہ کرتا۔ میرے ساتھ نہ آتا' نہ جاتا۔ اسے پورا یقین ہوتا کہ کوئی میری طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھے گا۔ دیکھے گا بھی تو منہ پھیر لے گا۔

جب میں ایسا سوچتی تو میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ میرا دیوانہ کیوں ہوگیا تھا صرف وہی نہیں' ایک بڑی کوٹھی کے صاحب بھی دیوانے ہوگئے تھے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے' کیا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ عورت صرف اندھیرے کی ہم سفر ہے۔ رات کی تاریکی میں گوری کالی کا پتا نہیں چلتا۔ صرف دن کی روشنی میں حسین عورت کی قدر ہوتی ہے ورنہ رات کے اندھیرے میں سب برابر ہو جاتی ہیں۔ عورت کی اس سے زیادہ توہین

اور کیا ہوگی کہ وہ عورت نہ رہے حمام کا صابن بن جائے۔

میں نے لیڈی ڈاکٹر سے پوچھا۔ "کیا آپ کے پاس واقعی کسی بیگم طاہرہ ولی بھائی کی عطیاتی رقم آتی ہے؟"

"کبھی کبھی آتی ہے جو میں ضرورت مندوں کو دے دیا کرتی ہوں۔"

"کیا آپ میری طرف سے کوئی عطیاتی رقم قبول کریں گی جو صرف صائمہ بی بی کے علاج پر خرچ ہوا کرے گی؟"

"تم کہتی ہو تو تمہارے نام سے بھی ایک فنڈ کھول دوں گی۔"

"میں اپنا نام کبھی نہیں بتاؤں گی۔"

"پھر بات کیسے بنے گی۔ میں کس نام سے فنڈ قائم کروں گی۔"

"میرا نام ضروری نہیں ہے۔ آپ بیگم طاہرہ ولی بھائی کے نام سے بھی یہ رقم جمع کر سکتی ہیں۔"

"بی بی! تم کون ہو۔ میں نہیں جانتی لیکن مجھے تمہاری ذات سے دلچسپی ہو گئی ہے۔ دیکھو' میں تمہارے کتنے کام آ رہی ہوں۔ تم اپنی کوئی بات مجھ سے نہ چھپاؤ' مجھے سچ سچ بتا دو تم اس عورت کی مدد کیوں کرنا چاہتی ہو؟"

وہ مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دینے پر مجبور کر رہی تھی اور میں بتانا نہیں چاہتی تھی' میں اسی پس و پیش میں رہی۔ سوچتی رہی' آخر کیا کروں۔ پھر میں نے پوچھا۔ "ڈاکٹر آپ ایک مسلمان خاتون ہیں؟"

اس نے کہا۔ "الحمدللہ میں مسلمان ہوں۔"

"پھر آپ حضرت محمد ﷺ کے اس فرمان پر عمل کریں گی کہ کسی کی مدد ایک ہاتھ سے کرو تو دوسرے ہاتھ کو اس کی خبر نہ ہو۔"

میں اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر بولی۔ "میں وہ ایک ہاتھ ہوں جو مدد کر رہا ہے۔ دوسرا ہاتھ آپ ہیں جسے خبر نہیں ہونا چاہئے۔"

میں یہ کہہ کر چیمبر سے باہر آئی۔ پھر کلینک سے باہر آئی وہاں حاتم علی نظر آیا۔ اس کی گود میں بلو تھا۔ ابھی دن کے گیارہ بجے تھے اور صائمہ کی ڈرپ دو بجے تک ختم ہونے والی تھی۔ میں نے حاتم علی اور بلو کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ کلینک کے ایک طرف امیٹیشن جیولری کی دکان تھی۔ دوسری طرف کی دکان میں زنانہ ریڈی

میڈ ملبوسات نظر آ رہے تھے۔ میں دکان میں چلی گئی۔ مجھے کوئی لباس خریدنا نہیں تھا لیکن مجبوری تھی۔ میں نے ایک لباس پسند کیا۔ پھر اسے پہننے کے لئے ایک کیبن میں چلی گئی جب وہاں سے باہر آئی تو میرا برقع اتر چکا تھا جو لباس میں نے پسند کیا تھا اس کے ساتھ برقع کو بھی پیک کرا دیا۔ پھر بل ادا کر کے دکان سے باہر آ گئی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ صائمہ اور حاتم علی مجھے کبھی برقع سے پہچان لیں۔ میرے دکان سے باہر آتے ہی اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ میں نے ناراضگی ظاہر کی۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا میرے قریب آیا۔ پھر بولا۔ "خور بانو تم یہاں؟ اوہ خدایا! میں تمہیں کہاں کہاں تلاش کرتا رہا ہوں۔ کتنی بار تمہارے محلے کی طرف گیا لیکن تمہارے گھر کے سامنے جانے کی جرأت نہ ہوئی۔"

میں نے ناگواری سے کہا۔ "زیادہ باتیں نہ بناؤ' یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"صائمہ کو ڈرپ چڑھائی گئی ہے۔ وہ دو بجے تک فارغ ہو گی۔ کیا تم میرے ساتھ اس سامنے والے پارک میں چل کر بیٹھ سکتی ہو' میں تم سے بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میں تمہارا مجرم ہوں مجھے ایک بار اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع دو۔"

میں نے اسے گھور کر دیکھا مگر اس کے بچے کو گود میں لے لیا۔ نفرت کا اظہار کرتے ہوئے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ پھر بلو کو پیار کرتی ہوئی پارک کی طرف جانے لگی۔ میں نے پیچھے گھوم کر نہیں دیکھا۔ مجھے پتا تھا وہ آ رہا ہے میں ایک درخت کے سائے میں ایک بینچ پر جا کر بیٹھ گئی۔ وہ پاس آ کر بولا۔ "مجھ سے بس ایک غلطی ہوئی کہ میں تمہیں اپنے گھر لے گیا تھا مگر میں کیا کروں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ میں تمہیں چھونا چاہتا تھا۔ تمہیں پکڑنا چاہتا تھا........... تمہیں حاصل کرنا چاہتا تھا مگر تنہائی نصیب نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے اپنے ایک دوست سے کہا بھی کہ ایک دن کے لئے اپنا ایک کمرہ مجھے دے مگر وہ محلے والوں سے ڈرتا تھا۔ میں نے سوچا کسی ہوٹل کا کمرہ کرائے پر لینا چاہئے معلومات حاصل کیں تو پتا چلا ڈبل بیڈ کا کم سے کم ڈیڑھ سو روپے کرایہ ہے جب کہ میرے پاس اتنی رقم نہیں تھی۔"

میں نے غصے سے کہا۔ "تمہیں شرم نہیں آتی مجھ سے ایسی باتیں کرتے ہوئے؟"

"میں اپنی صفائی پیش کر رہا ہوں۔ میں بیان نہیں کر سکتا تمہارے لئے کس قدر دیوانہ تھا' دیوانہ ہوں اور رہوں گا۔ میرا جی چاہتا تھا تمہیں بھگا کر کسی ویرانے میں

لے جاؤں مگر یہ ممکن نہیں تھا۔ کراچی شہر بہت دور تک پھیلا ہوا ہے اور تم دور تک میرے ساتھ نہیں جاسکتی تھیں۔ تمہارے پاؤں میں چھالے پڑ جاتے تم اسے میری ہوس کہو گی مگر میں اپنی محبت سے مجبور تھا۔ تمہیں ہر حال میں حاصل کرنا چاہتا تھا۔ آخر میں نے مجبور ہو کر صائمہ کو اس کے میکے بھیج دیا۔"

میں نے بپھر کر کہا۔ "مجھے معلوم ہوتا تو میں اس گھر میں کبھی نہ جاتی۔"

"اسی لئے تو میں نے تمہیں نہیں بتایا تھا۔"

"اور نہ بتا کر مجھے ذلت کی پستیوں میں گرا دیا۔"

"ایسا نہ کہو صائمہ بہت سمجھ دار عورت ہے۔ اس نے تمہیں بچا لیا تھا۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا تم لوگ یہی چاہتے ہو کہ صرف عورت اپنی سمجھ داری سے کام لے' اور مرد کو عقل سے کوئی واسطہ نہ رہے۔ وہ جب چاہے جہاں چاہے' ایک شریف زادی کو ذلیل کرنے کے لئے لے جائے۔"

"تم ساری زندگی جلی کٹی سناتی رہو۔ میں سنتا رہوں گا مگر ابھی تو موضوع بدلو۔"

میں نے ببلو کو چومتے ہوئے کہا۔ "تمہارے ساتھ باتیں کرنے کے لئے کوئی موضوع نہیں ہے۔"

"ہم ببلو کے بارے میں باتیں کرسکتے ہیں۔"

میرے جی میں آیا۔ میں فوراً ببلو کو اس کے حوالے کردوں۔ آخر میرا اس سے کیا رشتہ ہے لیکن احساس ہوا کہ وہ بہت بڑا سہارا ہے زنجیر کی ایک مضبوط کڑی ہے۔ وہ کڑی نکل جائے گی تو میں صرف غصے اور نفرت کا اظہار کرسکوں گی۔ فوراً منہ پھیر کر چلی جاؤں گی۔ میں نے غصے سے پوچھا۔ "تم کام کیوں نہیں کرتے؟"

"میں اپنی مجبوریاں بتا چکا ہوں۔"

"کیا تمام ٹیکسی ڈرائیور تمہاری طرح بے روزگار رہتے ہیں؟"

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔ کچھ لوگ قسمت کے دھنی ہوتے ہیں انہیں دن رات ٹیکسیاں چلانے کو مل جاتی ہیں یا پھر ان کی اپنی ٹیکسی ہوتی ہے۔ دراصل تم نے ایسے ٹیکسی ڈرائیوروں کو دیکھا ہے جو ٹیکسی چلاتے رہتے ہیں۔ جب وہ چلتی ہے تو آمدنی بھی ہوتی رہتی ہے' وہ خوش رہتے ہیں۔ خوش مزاج بھی نظر آتے ہیں' انہیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے یہ لوگ بہت خوشحال ہیں لیکن جب یہ ٹیکسی نہیں چلاتے۔ ان کے

ساتھ کوئی مجبوری ہوتی ہے۔ شہر میں کوئی ہنگامہ ہوتا ہے یا مالک انہیں گاڑیاں نہیں دیتے تب یہ اپنے گھروں میں چولہا کیسے جلاتے ہیں۔ یہ تم میرے حالات سے سمجھ سکتی ہو۔"

"تم کوئی دوسرا کام کرو' میری طرح ٹیوشن پڑھاؤ کسی اسکول میں ٹیچر ہو جاؤ۔"

"میں بچوں کو نہیں پڑھا سکتا۔ مجھے بی اے آنرز کئے آٹھ برس ہو چکے ہیں۔ میں نے ان آٹھ برسوں میں ٹیکسی کے میٹر کو ایسے گھمایا ہے جیسے دشمن تلوار گھماتا ہے۔ ٹیکسی کا میٹر دو دھاری تلوار ہے جو قانون کو مطمئن کرتا ہے اور غیر قانونی طور پر اپنے پیچھے بیٹھنے والی سواریوں کی جیبیں کاٹتا ہے۔ میں ٹیکسی میں بیٹھنے والی سواریوں کے ساتھ کبھی نرم رہا ہوں ورنہ گرم رہا ہوں اور یہ گرمی معصوم طالب علموں کے ساتھ مناسب نہیں ہوسکتی۔ میں کبھی ایک کامیاب ٹیچر نہیں بن سکتا۔"

میں نے کہا۔ "چلو تم نہ سہی صائمہ تو پڑھا سکتی ہے چار پیسے کما سکتی ہے۔"

"تم نہیں جانتیں وہ بیمار رہا کرتی ہے۔"

"یہ محض بہانہ ہے۔ عورت خواہ کتنی ہی بیمار ہو' گھر کی چار دیواری سے نکل کر آدھی صحت مند ہو جاتی ہے۔ اگر تم اسے کسی اسکول میں بچوں کو پڑھانے کی اجازت دو تو اس میں تبدیلی آئے گی۔ اس میں خود اعتمادی پیدا ہوگی' جب اس میں خود اعتمادی پیدا ہوگی تو وہ خود بخود صحت مند ہوتی جائے گی۔"

وہ پریشانی سے سوچتا رہا۔ وہ اپنی کمزوری ظاہر نہیں کرسکتا تھا کہ ایک حسین بیوی کو باہر جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ وہ دنیا والوں پر شک کرتا ہے خود مجھ جیسی کالی پر مرتا ہے اور اپنی گوری پر کسی کو مرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

اس نے کہا۔ "تم نہیں جانتیں' صائمہ بری طرح بیمار ہے' وہ کوئی اسکول اٹینڈ نہیں کرسکتی۔"

"آخر میں بھی تو سنوں وہ کیا بیمار ہے؟"

"پتا نہیں' کتنے ہی ڈاکٹروں کو دکھایا ہے کوئی صحیح تشخیص نہ کرسکا۔ اب اس لیڈی ڈاکٹر کے پاس لایا ہوں۔"

وہ مجھ سے چھپا رہا تھا کہ صائمہ کا پاؤں بھاری ہے۔ وہ ماں بننے والی ہے.......... اگر وہ ایسا کہتا تو یہ اعتراف کرنا پڑتا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی اور

عورت ہے............ خواہ وہ اس کی بیوی کیوں نہ ہو۔ میں نے اسے ناگواری سے دیکھا ہم لڑکیاں بھی پاگل ہوتی ہیں جو گوارا ہوتا ہے اسے ناگواری سے دیکھتی ہیں مگر عداوت سے نہیں دیکھتیں' شاید ہمارے اندر چھپی ہوئی شرم کہتی ہے' جو ہماری زندگی میں پہلے آگیا' وہی آخری ہے' چاہے وہ کتنا ہی فراڈ کیوں نہ ہو۔

میں نے غصہ دکھاتے ہوئے کہا۔ "تمہاری بیوی اس کلینک میں آئی ہے اور یہ میٹرنٹی ہوم ہے۔"

وہ ذرا سا چونکا۔ پھر بات بنا کر بولا۔ "یہاں ہر عورت ماں بننے کے لئے نہیں آتی ہے۔"

"اچھی بات ہے تم بیٹھو میں ابھی لیڈی ڈاکٹر سے پوچھ کر آتی ہوں۔"

میں اٹھ کر کھڑی ہوئی' وہ جلدی سے ہاتھ پکڑ کر بولا۔ "ارے' کیا غضب کرتی ہو۔ صائمہ نے تمہیں دیکھ لیا تو مصیبت ہو جائے گی۔ اس رات ہماری عزت رہ گئی۔ اب اس نے دیکھ لیا تو معاف نہیں کرے گی۔"

میری کلائی اس کی مضبوط گرفت میں تھی۔ وہ کہہ رہا تھا اور میں اپنی کلائی کو دیکھ رہی تھی۔ ایسے میں رونے کو جی چاہتا تھا۔ میں اس سے اپنا ہاتھ چھڑا بھی لیتی تو کیا ہوتا۔ کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ یہ موٹی کلائی تو خیالوں میں گرفتار رہتی۔

میں نے پھر غصہ دکھاتے ہوئے کہا۔ "اس رات میں چھپ کر نکل گئی۔ کیا دن کے اجالے میں چاہتے ہو' منہ چھپانے کے بھی قابل نہ رہوں۔"

اس نے کلائی چھوڑ دی۔ میں وہاں سے جانے لگی۔ وہ ببلو کو اٹھا کر میرے پیچھے پیچھے آتے ہوئے بولا۔ "میں جانتا ہوں تم مجھے دل و جان سے چاہتی ہو۔ مجھے کبھی بھلا نہیں سکو گی اور یہی میرا حال ہے۔ میں تمہیں دن رات یاد کرتا ہوں مگر کوئی ملنے کی صورت نظر نہیں آتی آج اتفاق سے مل گئی ہو تو بتا دو پھر کب ملو گی؟؟"

میں چلتے چلتے رک گئی۔ وہ بھی رک گیا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا پھر پوچھا۔ "کیا تم مجھ سے پھر ملنا چاہتے ہو؟"

"ہاں' مجھے موقع دو۔ میں تمہاری تمام شکایتیں دور کردوں گا جو غلطی مجھ سے ہوئی ہے' اس کی تلافی کروں گا۔ تمہیں خوش کردوں گا۔ پلیز مجھے بتاؤ کب ملو گی؟ کس وقت ملو گی؟"

میں نے اسے گھور کر دیکھا پھر کہا۔ "صائمہ سے پوچھ لوں پھر تمہیں وقت دوں گی۔"

اسے چپ سی لگ گئی۔ میں منہ پھیر کر چلی آئی حالانکہ میرا دل کھنچا جا رہا تھا۔ وہ مجھے مانگ رہا تھا۔ ہاں وہ مجھے مانگ رہا تھا۔ کتنی خوشی ہوتی ہے جب کوئی ہماری تمنا کرتا ہے۔ ہمیں طلب کرتا ہے۔ یورپ میں لڑکیاں اپنے بوائے فرینڈز کو ڈیٹ دیتی ہیں اور اپنی سہیلیوں میں بیٹھ کر بڑے فخر سے کہتی ہیں کہ ان کے بوائے فرینڈ نے ان سے ڈیٹ لی ہے۔ مجھے تو صائمہ کے اخلاق نے سمجھایا تھا کہ مشرقی لڑکیوں کو ڈیٹ نہیں دینا چاہئے۔ ڈیٹ مانگنے والوں کو ڈیٹ ازاودر کہہ دینا چاہئے۔

☆======☆======☆

ایک روز میں نے اسکول کے احاطے کے سامنے دیکھا۔ میرا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ جانے کیسے پہنچ گیا تھا۔ میں گاڑی سے اتر کر گیٹ پر جانے لگی تو اس نے کہا۔ "میں دو بجے سندھی ہوٹل کے اسٹاپ پر رہوں گا۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چپ چاپ سر جھکا کر اسکول کے احاطے میں داخل ہوگئی۔ ایک بجے اسکول کی کلاسیں ختم ہو جاتی تھیں۔ میں دو یا ڈھائی بجے گھر پہنچا کرتی تھی۔ ان ساری باتوں کا علم اسے ہوگیا تھا۔ وہ مجھ تک پہنچنے کے لئے بڑے پاپڑ بیل رہا تھا۔ طرح طرح سے معلومات حاصل کر رہا تھا۔ میں نے واپسی پر اسکول کے ڈرائیور سے کہا۔ "مجھے بازار سے کچھ سامان خریدنا ہے۔ سندھی ہوٹل کے اسٹاپ پر چھوڑ دو۔"

وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا میں برقع میں تھی لیکن حاتم علی سکول کی گاڑی دیکھ کر پہچان گیا تھا۔ سیدھا میری طرف آیا۔ میں نے نقاب کے پیچھے سے پوچھا۔ "یہ کیا حرکت ہے۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا میں اس اسکول میں پڑھاتی ہوں اور اس گاڑی سے آتی ہوں؟"

"میں کئی دنوں سے تمہارے گھر کے چکر لگا رہا تھا کل میں نے تمہیں برقع پہن کر گھر سے نکلتے دیکھا۔ تب پتا چلا تم برقع میں چھپنے لگی ہو۔ پھر اسکول کی گاڑی دیکھ کر میں نے گاڑی پر لکھا ہوا پتا نوٹ کرلیا۔ جب ایک بجے تلاش کرتا ہوا پہنچا تو تم اسکول سے نکل رہی تھیں اور گاڑی میں بیٹھ رہی تھیں۔ میرے قریب پہنچنے سے پہلے گاڑی مجھ

سے دور ہو گئی۔ لیکن اتنا معلوم ہو گیا کہ ایک بجے تم اسکول سے واپس آتی ہو۔ اس لئے میں نے دو بجے یہاں ملنے کے لئے کہا تھا۔ تم نے میری بات مان لی میں کتنا خوش ہوں بیان نہیں کر سکتا۔ ایسا لگتا ہے جیسے مجھے رات بھر جاگنے کا انعام مل رہا ہو۔"

میں کچھ نہ بولی۔ چپ چاپ سنتی رہی۔ اس کی باتیں اچھی لگ رہی تھیں۔ آج صبح اسکول جاتے وقت ماں مجھ سے جھگڑا کر رہی تھی۔ برکت چاچا پچھلی رات صاف صاف کہہ گیا تھا کہ اب وہ ہمارے گھر کا خرچ برداشت نہیں کرے گا۔ میں جو ماہانہ چھ سو روپے دیتی ہوں اس میں گزارا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے رقم بڑھانا ہو گی۔

ان باتوں سے دل دکھا ہوا تھا۔ میں سوچتی تھی کیا میرے لئے کہیں بھی کسی کے دل میں بھی محبت نہیں لکھی ہے۔ کیا میں ماہانہ چھ سات سو روپے دے کر بھی کسی کی محبت حاصل نہیں کر سکتی۔ ان حالات میں حاتم علی دل لوٹ لینے والی باتیں کر رہا تھا۔ مجھے اچھا لگ رہا تھا۔ زندگی کی تلخیوں کو بھلانے کے لئے کچھ نشہ کچھ مدہوشی چاہئے' حاتم علی ایک نشہ تھا۔ میں تھوڑی دیر کے لئے مدہوش ہو جانا چاہتی تھی۔

میں نے کہا۔ "جو کہنا ہے میرا محلّہ آنے تک کہہ دو۔ اس کے بعد پھر کبھی اسکول تک پیچھا نہ کرنا۔"

"تم کب تک ناراض رہو گی؟"

"میں ناراض نہیں ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے' مجھ سے محبت کرتی ہو؟"

"دنیا میں بے شمار لوگ ایسے ہیں جن سے میں ناراض نہیں ہوں۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ میں ان سب سے محبت کرتی ہوں۔"

"مجھے ایک موقع دو۔ میں تمہیں اتنی محبت دوں گا اتنا پیار دوں گا کہ تم پچھلی تمام باتیں بھول جاؤ گی۔"

"پھر کہیں لے جا کر پھنسانا چاہتے ہو؟"

"اس بار جہاں لے جاؤں گا' وہاں کوئی ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکے گا۔ کوئی ہم پر انگلی نہیں اٹھا سکے گا۔ کوئی یہ نہیں پوچھے گا کہ ہم کون ہیں؟ وہاں کیوں آئے ہیں؟ اور کیا کر رہے ہیں؟"

یک بیک میرا بدن گرم ہونے لگا۔ دل تیزی سے دھڑکنے لگا دماغ میں سنسناہٹ

سی ہو رہی تھی۔ گناہ کی ترغیب میں کتنی کشش ہوتی ہے۔ میرا جی چاہتا تھا۔ ابھی اس کے ساتھ چلی جاؤں۔ میں نے ذرا سخت لہجے میں پوچھا۔ "کیا تمہیں میری عزت کا ذرا خیال نہیں ہے؟"

"خیال ہے۔ اسی لئے ایسا انتظام کیا ہے کہ تم پر ذرا آنچ نہیں آئے گی۔"

"ذرا میں بھی تو سنوں' تم مجھے کہاں لے جانا چاہتے ہو؟"

"صدر میں بہت سے ہوٹل ہیں ہم کسی بھی ہوٹل میں ایک کمرہ حاصل کر لیں گے۔"

میں نے غصے سے پوچھا۔ "کیا اب صدر لے جا کر بدنام کرنا چاہتے ہو؟"

"کیسی باتیں کر رہی ہو' کون ہمیں بدنام کرے گا۔ ہم میاں بیوی بن کر جائیں گے۔"

"اگر پولیس نے چھاپا مارا اور ہم سے میاں بیوی ہونے کا ثبوت مانگا تو کیا کرو گے؟"

اس نے جیب سے صائمہ کا شناختی کارڈ نکال کر مجھے دکھاتے ہوئے کہا۔ "اس شناختی کارڈ میں صائمہ کی تصویر نہیں ہے' یہ پردہ نشین خاتون ہے۔ اس نے صرف دستخط کئے ہیں تم میرے ساتھ خور بانو نہیں' صائمہ بیگم بن کر جاؤ گی۔"

وہ مجھے صائمہ کا مقام دے چکا تھا۔ اب نام دے رہا تھا۔ مجھے اس کے حصے کی محبت' اس کے حصے کی قربت مل رہی تھی۔ میرا کیا جاتا تھا۔ میں وہاں جا سکتی تھی۔ وہاں نہ صائمہ روک سکتی تھی نہ قانون کے ہاتھ ہم تک پہنچ سکتے تھے۔ صائمہ کا ایک شناختی کارڈ ہی ہمارے تحفظ کے لئے کافی تھا۔ اس نے کہا۔ "بانو! میں نے سب سوچ لیا ہے آج ہم شام سات بجے کسی ہوٹل میں جائیں گے۔ وہاں رجسٹر میں یہ لکھوائیں گے کہ ہم لاہور سے آ رہے ہیں لالوکھیت کے رہنے والے ہیں چوں کہ وہاں کرفیو لگا ہوا ہے اس لئے ہم اپنے گھر نہیں جا سکتے۔ اس لئے آج ہوٹل میں رہنا ضروری ہے۔"

میں نے سوچا۔ "جانتے ہو' ہوٹل میں کتنا خرچ ہو گا؟"

"میں معلوم کر چکا ہوں۔ ڈبل بیڈ کا کرایہ ایک سو اسی روپے ہے ہم رات کا کھانا تیس روپے میں کھا لیں گے۔ صبح دس بجے کا ناشتا ہو گا کچھ اور بھی پیسے جوڑ لو۔ زیادہ سے زیادہ ڈھائی سو روپے خرچ ہوں گے۔ اس وقت میری جیب میں تین سو روپے

موجود ہیں۔"

"آج کل ٹیکسی چلا رہے ہو؟"

"میں ٹیکسی چلاتا تو چھ دن میں تین سو روپے ملتے میں نے تو صرف دو دن میں اتنے کمائے ہیں۔"

"آخر معلوم تو ہو کہاں سے کما رہے ہو۔ کیا کر رہے ہو؟"

"زیادہ سے زیادہ کمانے کے لئے کچھ الٹا سیدھا دھندا کرنا پڑتا ہے۔ تمہیں اس سے کیا مطلب ہے کہ میں کیا کر رہا ہوں تم یہ دیکھو کہ جس مرد سے محبت کرتی ہو اس پر بھروسا کرکے اس کے ساتھ جاتی ہو' اس کے ہاتھ پیر کمائی کے لئے مضبوط ہیں یا نہیں؟"

میں ایک بار اس پر بھروسا کرکے دھوکا کھا چکی تھی دوسری بار یہ غلطی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ پتا نہیں وہ کس قسم کا دھندا کر رہا تھا۔ ہو سکتا تھا' اس دھندے کی وجہ سے میں بھی اس کے ساتھ پکڑی جاؤں۔ میں نے کہا۔ "میں تم سے کچھ نہیں کہوں گی۔ تم مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ۔ اگر مجھے چاہتے ہو اور آج اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہو تو سچ سچ بتاؤ۔ کیا کرتے پھر رہے ہو؟"

وہ میرا دیوانہ تھا۔ ہر حال میں مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔ "تم برا مان جاؤ گی۔"

"میں برا نہیں مانوں گی۔"

تب اس نے کہا۔ "مجھے سیف اللہ کے اڈے سے ہیروئن ملنے لگی ہے۔ اگر میں گھوم پھر کر ایک کلو ہیروئن فروخت کروں تو پانچ سو روپے ملا کریں گے۔ میں نے دو دن میں ایک کلو فروخت کی اور مختلف سپاہیوں کو پندرہ بیس روپے دیتا رہا۔ اس طرح دو سو روپے کا نقصان ہوا مگر تین سو روپے کما لئے۔"

میرے اندر آگ لگ گئی جی چاہتا تھا بیچ بازار میں چیخ چیخ کر اسے برا بھلا کہنے لگوں لیکن میں نے خود پر قابو پایا۔ دانت پیس کر بولی۔ "تم بی اے آنرز ہو آج یقین ہو گیا کہ امتحانات میں نقل کرتے کرتے بی اے تک پہنچے ہو گے۔ ورنہ تمہارے جیسے تعلیم یافتہ نوجوان کچھ نہیں کر پاتے تو دو چار بچوں کو ٹیوشن ضرور پڑھا لیتے ہیں۔ میں نے تمہیں ایک بار مشورہ بھی دیا تھا۔ اچھا ہوا تم نے اس پر عمل نہیں کیا ورنہ تم سے پڑھنے

والے بچے بھی گمراہ ہو جاتے۔"

"نصیحت کرنا اور طعنے دینا بہت آسان ہے لیکن زندگی کے آٹھ برس بے روزگار رہ کر گزارنا ایک عذاب سے کم نہیں ہے۔ جب مجھے میرے مزاج اور میری تعلیمی صلاحیت کے مطابق روزگار نہیں ملے گا تو میں اور کیا کروں گا۔ ٹیکسی چلاؤں گا' جھنجلاہٹ میں مبتلا ہوں گا۔ سواریوں سے بدمزاجی کا مظاہرہ کرتا رہوں گا۔ پولیس والوں سے جھگڑا کرتا رہوں گا۔ چالان ہوتا رہے گا۔ تم کیا سمجھتی ہو یہ جو ہیروئن بیچتے ہیں یا کلاشنکوف ہاتھوں میں لئے دہشت گردی کرتے ہیں تو کیا یہ جاہل ہوتے ہیں۔ نہیں' مجھ جیسے ہی بی اے' ایم اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد یہ بے روزگاری' نامرادی اور مایوسی کی دلدل میں دھنسے رہتے ہیں تو بیرونی ممالک کے ایجنٹ انہیں مناسب قیمتوں پر خرید لیتے ہیں۔ آج میں سیف اللہ کے اڈے تک پہنچا ہوں۔ کل کسی بیرونی ملک کے ایجنٹ تک پہنچ جاؤں گا۔ میری آمدنی تین سو روپے سے لے کر تین ہزار روپے یومیہ تک پہنچ سکتی ہے۔"

"تین سو میں تمہاری عیاشی کا یہ عالم ہے۔ تین ہزار میں تم ایک نیا ہوٹل کھول لو گے پھر وہاں کتنی ہی حور بانو آیا کریں گی۔"

"تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔"

"تم صحیح کب تھے جو میں غلط سمجھ رہی ہوں۔ کیا تمہارے گھر میں چولہا جل رہا ہے۔ کیا تمہاری بیوی صحت مند ہے' کیا تمہارے ببلو کو اچھی غذا اور اچھا لباس مل رہا ہے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ تمہارے ان حرام کے پیسوں سے گھر کا خرچ چلنا چاہئے۔ منشیات کے پیسوں سے وہ خیراتی فنڈ بہتر ہے جس سے تمہاری بیوی کا علاج ہو رہا ہے۔"

اس نے چونک کر پوچھا۔ "کیا تم جانتی ہو صائمہ کا علاج کیسے ہو رہا ہے!"

"میں کیا جانتی ہوں اور کیا نہیں جانتی' اس بحث میں نہ پڑو فی الحال میرا پیچھا چھوڑ دو۔ اس بات کو یاد رکھو کہ میں صرف اس حاتم علی کو پسند کرتی ہوں جو اخبارات میں سیاسی نوعیت کے خطوط لکھا کرتا تھا اور ٹیکسی چلاتا تھا اور اس بات کا عزم رکھتا تھا کہ ایک معقول زندگی گزارنے کے لئے قسطوں میں ٹیکسی حاصل کرے گا۔"

اس نے کہا۔ "بیس ہزار کی رقم معمولی نہیں ہوتی سنا ہے' اب تو بائیس ہزار یا

پچیس ہزار دینے سے ٹیکسی قسطوں پر ملتی ہے۔"

"کچھ بھی ہے' انسان حوصلہ کرے تو یہ بیس پچیس ہزار کچھ بھی نہیں ہیں تم صرف حوصلہ کرو۔ اس بات کا وعدہ کرو کہ غلط کاموں میں نہیں پڑو گے' میں تمہارے لئے پچیس ہزار جمع کروں گی۔"

وہ نادم سا ہو گیا۔ نظریں چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اسی وقت بس آکر رکی۔ میں نے کہا۔ "میں جا رہی ہوں۔ آئندہ اس خیال سے کبھی نہ ملنا کہ میں ان گری پڑی لڑکیوں میں سے ہوں جو ہوٹلوں میں راتیں گزارتی ہیں۔"

میں بس میں سوار ہو گئی۔ وہ سڑک کے کنارے کھڑا مجھے دیکھتا رہا۔ میں نقاب ڈال کر عورتوں کے درمیان بیٹھ گئی۔ جب بس حرکت میں آئی تو وہ بھی ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ بار بار مجھے دیکھ رہا تھا' جیسے کچھ کہنا چاہتا ہو لیکن میں بس کے زنانہ حصے میں تھی وہ مجھے کسی بھی رشتے سے مخاطب نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اس کی بیوی کے شناختی کارڈ والے رشتے کو ٹھکرا دیا تھا۔ بہرحال بس تیز رفتاری سے آگے بڑھ گئی۔ وہ پیچھے رہ گیا۔

میں دوسرے دن لیڈی ڈاکٹر کے پاس گئی۔ صائمہ کو پھر ڈرپ چڑھانے کی ضرورت پڑ گئی تھی۔ میں نے پھر اس کے لئے رقم ادا کی اپنے گھر میں چھ سو روپے دینے کے بعد پورے نو سو روپے بچایا کرتی تھی۔ پیسوں کی کمی نہیں تھی۔ جب تک اس کی زچگی کا وقت نہیں آیا' میں برابر اس کا علاج کراتی رہی۔ لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔

"صائمہ بار بار پوچھتی ہے۔ بیگم طاہرہ ولی بھائی کون ہیں۔ مجھے پتا بتایا جائے۔ میں ان کے پاس جا کر شکریہ ادا کروں گی لیکن میں صائمہ کو ٹالتی رہتی ہوں۔"

"آپ بہت اچھا کرتی ہیں خدا کے لئے کبھی اسے یہ نہ بتائیں کہ میں خود یہاں آتی ہوں۔"

"میں تمہارا راز رکھ رہی ہوں لیکن تم نے اپنا نام بھی نہیں بتایا۔ میں تم سے عمر میں بڑی ہوں۔ تم سے زیادہ تجربہ رکھتی ہوں۔ ایک بات سمجھاتی ہوں' نیکی ایسا عمل ہے جسے پھلنا پھولنا بھی چاہئے اور دور تک پھیلنا بھی چاہئے۔ میں مسلمان عورت ہوں.......... اور اس حدیث کو مانتی ہوں کہ کسی.......... کو دائیں ہاتھ سے دو تو بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔ میں وعدہ کرتی ہوں کسی کو خبر نہیں ہو گی لیکن تمہاری نیکی کا ذریعہ میں ہوں مجھے تو معلوم ہونا چاہئے۔"

وہ بہت مجبور کر رہی تھیں۔ میں نے کہا۔ "میں آپ کو ضرور بتاؤں گی لیکن صائمہ کو فارغ ہو جانے دیجئے۔"

"نہیں' میں انتظار نہیں کروں گی۔ تم نے مجھے بھی تجسس میں مبتلا کر دیا ہے۔ میں انجان بن کر تم سے نام پوچھ رہی تھی۔ میں اتنی نادان نہیں ہوں کہ تمہارے نام اور پتے تک نہ پہنچ سکوں۔ میں جانتی ہوں' تم حُور بانو ہو' ایک اسکول میں پڑھاتی ہو۔ تمہیں پندرہ سو روپے ملتے ہیں۔ تم کوئی رئیس زادی نہیں ہو تمہارے گھر کے اخراجات بھی ہیں۔ تمہارے ذاتی اخراجات بھی ہوں گے' اس کے باوجود تم نے چھ ماہ میں تقریباً ساڑھے تین ہزار روپے اس عورت پہ خرچ کر دیئے' آخر کیوں؟ تمہارا اس سے کیا رشتہ ہے؟"

میں نے حیرانی سے پوچھا۔ "آپ کو میرا نام اور پتا کیسے معلوم ہوا؟"

"یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ میں نے کلینک میں کام کرنے والے لڑکے کو تمہارے پیچھے لگا دیا تھا۔ وہ تمہارے گھر تک گیا تھا وہاں اس نے تمہارے محلے والوں سے معلوم کیا تمہارا نام بھی معلوم ہو گیا اور تمہارے اسکول کا پتا بھی چل گیا۔ پھر میں نے اسکول کا پتا معلوم ہونے پر فون کے ذریعے ہیڈ مسٹریس سے رابطہ قائم کیا۔ ہیڈ مسٹریس نے تفصیل سے پوچھا۔ "آخر میں تمہارے متعلق کیوں معلوم کرنا چاہتی ہوں؟ تب میں نے سمجھایا۔ تشویش کی کوئی بات نہیں ہے حُور بانو بہت اچھے کردار کی لڑکی ہے۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ اس کی ماہانہ آمدنی کیا ہے کیوں کہ یہ محتاجوں کی مدد کرتی رہتی ہے۔ اس پر ہیڈ مسٹریس نے خوش ہو کر تمہاری تنخواہ بتا دی۔"

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "آپ نے میرے بارے میں سب کچھ معلوم کر لیا۔ اب بتانے کے لئے کیا رہ گیا ہے؟"

"تم ایک خاص عورت کی مدد کرتی ہو اس کی کوئی خاص وجہ تو ہو گی؟"

میں بتانا نہیں چاہتی تھی۔ پس و پیش کرنے لگی۔ اس نے کہا۔ "اگر میں صائمہ سے تمہارا ذکر کروں۔ اس کے سامنے تمہارا نام لوں تو شاید مجھے بہت کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

میں نے گھبرا کر اسے دیکھا پھر کہا۔ "نہیں' پلیز خدا کے لئے آپ ایسا نہ کریں۔"

"تو پھر تم ہی بتا دو۔"

میں نے سر جھکا لیا۔ اب مجبوری ہو گئی تھی۔ اپنی ذلت کی داستان کون کسی کو سناتا ہے۔ میرے ساتھ مجبوری تھی۔ میں نہ سناتی تو شاید صائمہ سنا دیتی۔ میں آہستہ آہستہ بتانے لگی۔ کس طرح حاتم علی سے ملاقات ہوئی۔ کس طرح ہمارے تعلقات بڑھتے رہے پھر وہ کس طرح اپنے مکان میں یہ کہہ کر لے گیا کہ وہ ایک دوست کا مکان ہے ایسا کہتے وقت میں نے نقاب سے منہ چھپا لیا۔ پھر کہا۔ "دوسرے دن صائمہ وہاں پہنچ گئی محلے والے بھی تھے۔ وہ سب مجھ پر تھوک رہے تھے۔ مجھے بازاری عورت کہہ رہے تھے۔ میرے سر کے بال مونڈ کر وہاں سے بے عزت کر کے نکالنا چاہتے تھے لیکن صائمہ نے مہربانی کی مجھے ذلیل ہونے سے بچا لیا۔ تب سے میں سوچتی ہوں' اگر صائمہ مہربان نہ ہوتی اور میرے سر کے بال مونڈ دیئے جاتے تو میں دنیا والوں کو کیسے منہ دکھا سکتی تھی۔ گناہ چھپ جاتا ہے لیکن مونڈا ہوا سر چھپ نہیں سکتا۔ وہ گناہ کا اشتہار بن جاتا ہے۔"

ایسا کہتے ہوئے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں نے کہا۔ "ڈاکٹر صاحبہ! میں وہ رات یاد کرتی ہوں تو سر سے پاؤں تک لرز جاتی ہوں۔ اس رات میری ذہانت' میری تعلیمی صلاحیتیں' میری عزت' میرا عورت پن سب کچھ ایک پل میں تباہ ہونے والا تھا اور اس ایک پل میں صائمہ نے مجھے تباہ ہونے سے بچا لیا۔ میں سوچتی ہوں' اس عورت کے لئے کیا کروں۔ اگر اپنی کمائی کا کچھ حصہ دیتی ہوں تو یہ کچھ بھی نہیں ہے اسے کبھی میرے خون کی ضرورت پڑی تب بھی میں اس کے احسان کا بدلہ نہیں چکا سکوں گی۔"

میں چپ ہو گئی۔ لیڈی ڈاکٹر بھی تھوڑی دیر تک چپ رہی پھر بولی۔ "تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ غلطیاں کس سے نہیں ہوتیں۔ تم سے بھی ہوئیں مگر تم سنبھل گئیں۔ یہ اتنی بڑی بات ہے کہ یہ بڑی بات ہر انسان میں ہونا چاہئے۔ اچھا یہ بتاؤ' اب بھی حاتم علی ملتا ہے؟"

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "میں آپ سے کچھ نہیں چھپاؤں گی۔ وہ مجھ سے ملتا ہے لیکن میں اس سے کتراتی ہوں۔"

"سچ سچ بتاؤ۔ تمہارا دل کیا کہتا ہے؟"

"میں جھوٹ نہیں کہوں گی۔ وہ میری زندگی کا پہلا مرد ہے اور وہی آخری ہو گا لیکن میں صائمہ کی زندگی برباد نہیں کروں گی۔"

لیڈی ڈاکٹر نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھتے ہوئے پھر اسے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "پہلی غلطی کو آخری غلطی بنا دینا اچھی بات ہے لیکن اس غلطی کو اپنی زندگی سے چپکا لینا' بری بات ہے۔ ابھی تم نے کہا صائمہ کے کام آنا چاہتی ہو۔ میں کہتی ہوں اگر تم ایک کام کرو تو بڑی آسانی سے صائمہ کے سارے احسانوں کا بدلہ چکا دو گی۔"

میں نے خوش ہو کر اسے دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "آپ مجھے بتائیں میں وہ کام خواہ کتنا ہی مشکل ہو ضرور کروں گی۔"

"جتنی جلدی ہو سکے' شادی کر لو۔ جب شادی ہو جائے گی تو حاتم علی پیچھے نہیں آئے گا۔ صائمہ جیسی سہاگنوں کے لئے یہ بات بہت بڑی ہے کہ حاتم علی اپنی کسی محبوبہ کا پیچھا نہ کرے اور اپنی ہی عورت کا ہو کر رہے۔"

میں گم صم سی ہو کر لیڈی ڈاکٹر کا منہ تک رہی تھی۔ انہوں نے بہت اچھا مشورہ دیا تھا۔ میرے ذہن میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ میں صائمہ کی ازدواجی زندگی میں ایک کانٹا ہوں۔ اس کانٹے کو نکالنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ شادی کر لوں۔ میں نے احسان مندی سے کہا۔ "آپ نے بہت اچھا مشورہ دیا ہے۔ میں آپ کی شکر گزار ہوں میں ضرور شادی کروں گی لیکن اس کے گھر میں خوشیاں لانے کے بعد۔"

"تم کیسی خوشیاں لانا چاہتی ہو؟"

"حاتم علی کا ایک خواب ہے کہ وہ ایک ٹیکسی قسطوں میں حاصل کرے گا۔ اس کا خود مالک ہو گا۔ اس کی آمدنی اپنی ہو گی۔ اس کے گھر میں کبھی فاقے نہیں ہوں گے۔ اس کی بیوی اور بچے اچھا لباس پہنیں گے۔"

"تم اس سلسلے میں کیا کرنا چاہتی ہو؟"

"ٹیکسی کی پہلی قسط بیس یا پچیس ہزار روپے ہوتی ہے میں یہ رقم جمع کر رہی ہوں۔"

لیڈی ڈاکٹر نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا تم اتنی رقم جمع کر لو گی؟"

"جی ہاں۔ ابھی میری کچھ رقم صائمہ کے علاج پر خرچ ہو رہی ہے جب اس کی فراغت ہو جائے گی تو میں ہر ماہ پانچ سو روپے بچایا کروں گی۔ اس طرح میں نے حساب

لگایا ہے تین سال میں اٹھارہ ہزار روپے ہو جائیں گے۔"

"تین برس بہت ہوتے ہیں۔ کیا اس وقت تک شادی نہیں کرو گی؟"

"شادی کروں گی تو شوہر میری کمائی کا حساب مانگے گا۔ نہیں ڈاکٹر صاحبہ! پہلے میں صائمہ کی ازدواجی اور گھریلو زندگی کو خوشگوار بناؤں گی۔ یہ میرا عزم ہے۔"

"چلو' بچت کی عادت ڈالنا اچھی بات ہے۔ تین سال دیکھتے ہی دیکھتے گزر جائیں گے لیکن اٹھارہ ہزار سے کام نہیں بنے گا باقی رقم کا کیا ہوگا' کیا مزید ایک برس کا انتظار کرو گی؟"

میں نے ان بیگم صاحبہ کا قصہ سنایا جنہوں نے پانچ ہزار روپے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ یہ قصہ سن کر لیڈی ڈاکٹر نے پھر محبت اور عقیدت سے میرے ہاتھ پر تھپتھپاتے ہوئے کہا "بے شک' تم بہت ہی اچھی ہو اور تمہاری اچھائی میں صائمہ کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔"

میں اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ "میں جا رہی ہوں۔ آپ کو میرا نام اور پتا معلوم ہو گیا ہے۔ جب بھی صائمہ کے لئے رقم کی یا دوائیوں کی ضرورت ہو تو مجھے فوراً اطلاع دیجئے۔"

"خور بانو! میں نے تمہیں اچھی طرح پہچان لیا ہے' تم فکر نہ کرو۔ تم سے ملاقات نہیں ہو گی تب بھی میں صائمہ کا علاج پوری توجہ سے کروں گی۔ تمہیں یہ سن کر خوشی ہو گی کہ وہ خطرے سے باہر ہے وہ صحت مند ہو رہی ہے۔ جسم میں خون بھی ہے میرے معائنے کے مطابق بچہ بھی صحت مند ہو گا۔"

میں خوش ہو کر ان کا شکریہ ادا کر کے جانے لگی جب دروازے کے پاس پہنچی تو انہوں نے مخاطب کیا۔ "سنو۔"

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھیں۔ پھر انہوں نے کہا تمہیں تین برس نہیں لگیں گے۔ دو برس میں بارہ ہزار جمع کر لو۔ پانچ ہزار بیگم صاحبہ سے ملیں گے تو سترہ ہزار ہو جائیں گے۔ میں باقی رقم کی ضمانت بنک کے ذریعے دے دوں گی۔"

میری آنکھیں خوشی سے بھیگنے لگیں۔ انہوں نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کے انداز میں کہا۔ "خبردار آنکھیں پونچھ لو۔"

میں نے مسکراتے ہوئے آنکھیں پونچھ لیں۔ پھر انہیں سلام کر کے چلی آئی۔

ایک ہفتے بعد اطلاع ملی کہ زچگی ہو گئی ہے۔ زچہ اور بچہ دونوں ہی صحت مند ہیں۔ اس روز میں بہت خوش تھی' مانا کہ میری رقم سے صائمہ اور بچے کو ایک نئی زندگی ملی تھی پھر بھی صائمہ کا احسان بھاری تھا۔ زندگی تو ڈاکٹر بھی دیتے ہیں۔ پیسہ زیادہ سے زیادہ ہو تو مہنگی سے مہنگی دوائیں خرید کر نئے سرے سے زندگی حاصل کی جا سکتی ہے لیکن نئے سرے سے عزت نہیں ملتی اور یہ صرف صائمہ جیسی چند عورتیں ہی کسی کو دیتی ہیں۔

صائمہ' ڈاکٹر صاحبہ کے میٹرنٹی ہوم کے ایک کمرے میں تھی۔ میرا خیال تھا' حاتم علی ضرور آئے گا۔ میں نے دور ہی سے دیکھا۔ وہ نظر نہیں آیا۔ میں نے ڈاکٹر سے پوچھا۔ "کچھ اور رقم کی ضرورت ہو تو مجھے بتائیں۔"

"نہیں' تم نے تو سارے بل ادا کر دیئے ہیں۔"

میں نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔ "کیا حاتم علی اپنے بچے کو دیکھنے نہیں آیا؟"

"کہاں سے آئے گا؟ وہ تو جیل میں ہے۔"

میرے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ میں لیڈی ڈاکٹر کو بے یقینی سے دیکھنے لگی۔ اس نے پوچھا۔ "تم کس کے لئے پچیس ہزار جمع کرنا چاہتی ہو' ایسے شخص کے لئے جو ہیروئن فروخت کرتے ہوئے پکڑا جاتا ہے۔ سنا ہے' جب وہ پکڑا گیا تو اس کے پاس ایک چھوٹا سا تھیلا تھا جس میں ہیروئن کی پڑیاں تھیں۔ ذرا سوچو' اگر اس نے زیادہ سے زیادہ ہیروئن خریدنے کے لئے اور اسے فروخت کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کے لئے تمہاری خریدی ہوئی ٹیکسی بیچ دی تو کیا ہو گا؟"

یہ سن کر ہی میرا سر چکرا رہا تھا کہ حاتم علی جیل تک پہنچ چکا ہے۔ ایسا شخص قابلِ اعتماد نہیں ہوتا۔ میں بھلا لیڈی ڈاکٹر کو کیا جواب دیتی۔ اس نے خود ہی کہا۔ "دیکھو' برا نہ ماننا۔ میں ایسے کسی شخص کے لئے بنک گارنٹی نہیں دوں گی۔ میں نے تمہارے عزم اور حوصلے سے متاثر ہو کر جو وعدہ کیا تھا اسے ختم سمجھو۔"

میں شرمندہ سی ہو کر چلی آئی۔ حالانکہ میرا حاتم سے کوئی رشتہ نہیں تھا۔ اگر وہ جرم کرتا ہے اور جیل جاتا ہے تو میرا کیا جاتا ہے۔ میں اس کی کوئی نہیں تھی۔ اس کے باوجود مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میرے آدمی کو جیل ہوئی ہو اور اس کی وجہ سے میں بدنامی اٹھا رہی ہوں۔

میں نے اسی دن ایک وکیل سے رابطہ قائم کیا۔ حاتم علی کے متعلق بتایا۔ اس نے معلومات حاصل کیں۔ پھر اس سے ملاقات کرنے کی اجازت حاصل کرلی' میں جیل میں اس سے ملی تو اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا۔ "کیا شرمندہ ہو؟"

"اپنی ناکامی پر سر جھکتا ہے ورنہ کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ آخر مرد ہی جیل آیا کرتے ہیں۔ کوئی بزدل یہاں نہیں آتا۔"

میں نے حقارت سے کہا۔ "واہ! کیا مردانگی ہے۔ بیوی بچوں کو بے سہارا چھوڑ کر چلے آئے۔ یہ بزدلی نہیں تو کیا دلیری ہے تمہاری اس بزدلی کے باعث تمہاری بیوی بچوں کو کیسے دن دیکھنے پڑیں گے کیا تم اس کا اندازہ کرسکتے ہو؟ بیوی میٹرنٹی ہوم میں پڑی ہے کیا اسے اچھی خوراک ملتی ہوگی؟ کیا اسے تین وقت پیٹ بھر کر کھانا ملتا ہوگا؟ تمہارا ببلو اپنے ننھے ہاتھ پھیلا کر سڑک کے کنارے بھیک مانگے تو شاید اسے کھانے کی روٹی مل جائے جو لوگ انتہائی بزدل ہوتے ہیں' وہ اپنی بیوی اور بچوں کے فرائض سے منہ موڑ کر جیل میں آکر پناہ لیتے ہیں۔ پھر ڈینگیں مارتے ہیں کہ یہ مردانگی ہے۔"

"کیا تم مجھے باتیں سنانے آئی ہو؟"

"کیا میں تمہیں ہوٹل کے کسی کمرے میں لے جانے آئی ہوں؟ میں تو سڑکوں پر چلتے پھرتے مل جاتی ہوں۔ تم اپنی بیوی کی بڑی نگرانی کیا کرتے تھے اسے گھر کی چار دیواری میں قید رکھتے تھے تمہیں اندیشہ تھا کوئی تمہاری حسین بیوی کو اٹھا کر نہ لے جائے۔ تم خود اسے میکے چھوڑنے جایا کرتے تھے اور میکے سے لایا کرتے تھے تم اسے ٹیوشن سینٹر جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ تم محنت مزدوری چھوڑ کر اسے اسپتال لے جایا کرتے تھے تاکہ کوئی اس پر میلی نظر نہ ڈالے۔ اب بتاؤ' وہ میٹرنٹی ہوم میں تنہا پڑی ہوئی ہے۔ وہاں سے اپنے گھر جائے گی پھر گھر جاکر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی تو نہیں رہے گی۔ کسی نہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے گی۔ پڑوسیوں سے ادھار مانگے گی اور ادھار دینے والے پڑوسی کی نیت کیا ہوگی؟ کیا تم اس جیل کی چار دیواری کے اندر یقین سے کہہ سکتے ہو؟"

وہ میری باتیں سن رہا تھا اور بے چینی سے اِدھر اُدھر دیکھتا جارہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "یقین کرو جس روز تم نے میرے تین سو روپوں کو حرام کی کمائی کہا اسی دن میں نے فیصلہ کرلیا تھا اب ایسا دھندا نہیں کروں گا۔ محنت مزدوری کروں گا۔ میں نے

سیف اللہ کے دست راست سے کہہ دیا کہ میں ہیروئن کی دوسری کھیپ فروخت نہیں کروں گا۔"

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اس دھندے میں آنے کے بعد واپس جانا مشکل ہوتا ہے جانا چاہتے ہو تو جاؤ۔"

میں وہاں سے آگیا لیکن دوسرے ہی دن پولیس والوں نے مجھے پکڑ لیا۔ میں گھر کے لئے کچھ سودا لے جارہا تھا' انہوں نے کہا۔ میری تھیلی میں ہیروئن ہے میں نے کہا۔ میں بازار سے گوشت اور سبزیاں خرید کر لارہا ہوں۔ انہوں نے تھیلی میں ہاتھ ڈالا اور جب ہاتھ باہر نکالا تو اس میں ہیروئن کی پڑیاں تھیں۔ پولیس والوں کا کمال ہے۔ جب میرے تھیلے میں پڑیاں بھری رہتی تھیں تو وہ ایک بھی پڑی برآمد نہ کرسکے۔ مجھ سے بھتا لے کر جاتے رہے اور جب میرے تھیلے میں گھر کا سامان تھا تو اس میں سے پڑیاں نکال لیں۔ مجھے حوالات میں بند کیا۔ خوب پٹائی کی' مجھے یہ بیان دینے پر مجبور کردیا کہ میں ہیروئن فروخت کرتا ہوں۔ جب مجھے سینٹرل جیل میں منتقل کیا گیا تو سیف اللہ کے دست راست نے کہا "میں پہلے ہی کہہ چکا تھا' اس دھندے میں آنے والا واپس نہیں جاسکتا۔ جب تم واپس جاؤ گے تو میں اچھی طرح جانتا ہوں' سیدھے میرے پاس آؤ گے۔"

میں نے اس روز قسم کھائی' جب میرے حالات مجبور کررہے ہیں اور جب قانون کے محافظ بھی غنڈے بدمعاشوں کا ساتھ دے رہے ہیں تو مجھے یہی کرنا چاہئے اور یہاں سے نکلنے کے بعد یہی کروں گا لیکن تم درمیان میں آجاتی ہو۔ جب بھی غلط دھندا کرنا چاہتا ہوں تم نصیحتیں کرنے لگتی ہو۔"

"میری نصیحت کیوں مانتے ہو؟"

"اس لئے کہ تمہیں مانتا ہوں۔ تمہیں اپنا بنانا چاہتا ہوں۔ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔"

"اگر نہیں رہ سکتے تو جیل سے آنے کے بعد ٹیکسی چلاؤ' رکشہ چلاؤ' بس چلاؤ' ٹرک چلاؤ' محنت مزدوری کرو مگر اس دھندے کی طرف واپس نہ جاؤ۔ میں تمہیں آخری بار سمجھانے آئی ہوں۔ اگر نہیں سمجھو گے تو مجھے کبھی نہیں پاؤ گے۔"

میں وہاں سے آگئی۔ اسے پندرہ ہزار روپے جرمانہ اور تین ماہ قید کاٹنے کی سزا

دی گئی تھی۔

☆------☆------☆

صائمہ دو روز بعد میٹرنٹی ہوم سے رخصت ہوئی تو زار و قطار رو رہی تھی۔ شوہر جیل میں تھا اب ایک کی جگہ دو بچے تھے گھر میں فاقے کی نوبت آگئی تھی۔ لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔ "تم فکر نہ کرو اللہ دکھ دیتا ہے آزمانے کے لئے سکھ دیتا ہے دکھوں کو یاد رکھنے کے لئے۔ میں بیگم طاہرہ ولی بھائی کے فنڈ سے پانچ سو روپے دے رہی ہوں۔ اس میں گزارا کرو' جب کوئی پریشانی ہو تو میرے پاس چلی آنا۔"

اس نے روتے ہوئے پوچھا۔ "آخر یہ بیگم صاحبہ کون ہیں جو میرے اتنے کام آرہی ہیں۔ میرا کوئی سگا بھی ایسے وقت میں پوچھنے نہیں آیا۔ دنیا والوں نے جو قانون بنا رکھا ہے کہ مرد کمائے گا عورت کا تحفظ کرے گا اسے تین وقت کھلائے گا اور اس کی عزت ڈھانپے گا تو وہی مرد جیل چلا گیا۔ کیا اس سے وہ عورت لاکھ درجے بہتر نہیں ہے جس کا میں آٹھ ماہ سے نمک کھا رہی ہوں۔ جس کی دواؤں سے میں نے ایک صحت مند بچے کو جنم دیا ہے اور جس کی مہربانیوں سے اب اگلے ایک ماہ تک بے فکری سے گزارا کرسکوں گی۔ آپ کا بڑا احسان ہوگا' مجھے ان بیگم صاحبہ کا پتہ بتا دیجئے۔"

"میں ان کا پتا نہیں جانتی مگر اتنا جانتی ہوں' انسان اگر کسی کے ساتھ نیکی کرے تو اسے نیکی کا بھرپور صلہ ملتا ہے۔ تم نے بھی کسی کے ساتھ کوئی ایسی نیکی کی ہے۔ یاد کرو تو شاید تمہاری سمجھ میں آجائے۔"

"اگر کبھی جان بُوجھ کر کسی کے ساتھ برائی کرتی تو نیکیوں کو تلاش کرنے کی ضرورت پڑتی لیکن میں نے کسی کے ساتھ کبھی برائی نہیں کی۔ برائی کرنے کا موقع آیا تب بھی اس کے ساتھ نیکی کی۔ آپ درست کہہ رہی ہیں۔ شاید میری یہی عادت اللہ کو پسند آگئی ہو۔ وہی صحت دینے والا ہے' وہی رزق دینے والا ہے۔ اس نے کسی بندی کے دل میں میرے لئے ہمدردی پیدا کردی ہے۔"

ایسے وقت میں برقع پہنے کلینک میں داخل ہوئی تھی عادت کے مطابق میں نے نقاب ڈال رکھا تھا۔ کہیں صائمہ سے سامنا نہ ہوجائے۔ میں نے ویٹنگ روم سے گزرتے ہوئے دیکھا۔ وہاں صائمہ نہیں تھی۔ میٹرنٹی ہوم کی آیا سے پوچھا تو اس نے بتایا۔ وہ ابھی رخصت ہوگئی ہیں۔ تب مجھے اطمینان ہوا۔ میں نے چیمبر میں داخل

ہوتے ہوئے اپنے نقاب کو الٹ دیا۔ پھر جیسے ہی اندر گئی' صائمہ سے سامنا ہوگیا وہ دروازے کے رخ پر بیٹھی ہوئی تھی میں نے ایک دم سے گھبرا کر دوبارہ نقاب ڈال لی۔ پھر غلطی کا احساس ہوا۔ وہاں کوئی مرد نہیں تھا۔ بھلا نقاب ڈالنے کی کیا ضرورت تھی۔ صائمہ مجھے دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑی ہوگئی' حیرانی سے بولی۔ "تم!"

میں وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔ لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔ "آؤ خور بانو! یہاں بیٹھو۔"

صائمہ نے کہا۔ "اب سمجھی تم عورتوں کے درمیان بیٹھ کر بھی نقاب کیوں ڈالے رکھتی تھیں۔ آٹھ ماہ پہلے میں نے تمہیں اسی کلینک میں دیکھا تھا۔ پھر کوئی دو ماہ پہلے بھی دیکھا تھا۔"

لیڈی ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔ "جب سے تم یہاں آرہی ہو' تب سے یہ بھی آرہی ہے۔ کیا تمہیں اس سے کوئی شکایت ہے؟"

صائمہ نے انکار میں سرہلا کر کہا۔ "مجھے کوئی شکایت نہیں ہے. بلکہ افسوس ہے کہ اسے منہ چھپا کر رہنا پڑتا ہے۔"

میں نے نظریں جھکا کر کہا۔ "میں تم سے نہیں' دنیا والوں سے منہ چھپاتی ہوں۔ میں نے جو کیا ہے' اس کی کچھ تو سزا ملنا چاہئے۔"

لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔ "تم نے کچھ نہیں کیا۔ ایک وقت زندگی میں ایسا آتا ہے جب انسان سے بے اختیار کوئی نہ کوئی غلطی ہو جاتی ہے۔ تم سے بھی ہو گئی۔ اس پر مٹی ڈالو مگر اس غلطی کی وجہ سے تم دونوں نے ایک دوسرے کے لئے جو نیکیاں کی ہیں انہیں چھپا کر رکھنا نادانی ہے۔ نیکی کو آواز کی رفتار کی طرح دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچانا چاہئے تاکہ دوسرے کو بھی حوصلہ ہو اور یہ بات سمجھ میں آئے کہ اچھے عمل میں کتنی قوت ہوتی ہے۔ اتنی قوت کہ کسی لڑکی کی عزت جارہی ہو تو اسے واپس مل جاتی ہے۔ وہ نئے سرے سے عزت کی زندگی گزارنے لگتی ہے نیکی میں اتنی قوت ہے کہ ایک لاغر عورت جو اپنے پیٹ کے بچے کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتی وہ مہربان ہاتھوں سے ملنے والی دوا اور علاج کے ذریعے خود صحت مند ہوتی ہے اور صحت مند بچے کو جنم دیتی ہے۔ یہ نیکی سب کی سمجھ میں آنا چاہئے کہ ایک کے ذریعے ہاتھ سے جانے والی عزت واپس آسکتی ہے تو دوسرے کے ذریعے دم توڑنے والی زندگی واپس مل جاتی ہے۔"

صائمہ حیران و پریشان لیڈی ڈاکٹر کا منہ تک رہی تھی۔ اس کی باتیں سمجھنے کی کوشش کررہی تھی۔ لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔ "میں اب نہیں چھپاؤں گی۔ نیکی عام کردوں گی۔ وہ بیگم طاہرہ ولی بھائی یہی خور بانو ہے۔"

صائمہ شدید حیرانی سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے سر کو جھکالیا لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔ "صائمہ بی بی! اس بات میں ذرا بھی شبہ نہ کرنا کہ خور بانو نے تمہارے لئے جو بھی کیا' اس میں کوئی کھوٹ ہے یا تمہارے شوہر سے یہ ابھی تک رابطہ رکھتی ہے۔ میں اپنی بات کی گواہ ہوں' حاتم علی تمہارا شناختی کارڈ لے کر اس کے پاس آیا تھا۔ اس شناختی کارڈ کے ذریعے یہ کسی بھی ہوٹل میں اس کے ساتھ وقت گزار سکتی تھی لیکن اس نے صاف انکار کردیا۔ وہ کوئی غلط دھندا کرتا ہے تو یہ اسے لعن طعن کرتی ہے۔ تمہارا اور بچوں کا حوالہ دے کر اس میں محنت مزدوری کی تحریک پیدا کرتی ہے۔ صائمہ بی بی' تمہاری ایک نیکی نے خور بانو کو صحیح معنوں میں ایک ذہین لڑکی بنا دیا ہے۔"

صائمہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ وہ مجھے دیکھتے ہوئے میری طرف آرہی تھی۔ میں جلدی سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھی پھر اس کے پاؤں میں گرنا چاہتی تھی کہ اس نے پکڑ لیا مجھے گلے سے لگالیا۔ اس کی گود میں نوزائیدہ بچہ تھا جو رو رہا تھا۔ میں نے جلدی سے پیچھے ہوکر اسے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اسے سینے سے لگایا پھر خوب پیار کرنے لگی۔ یوں لگ رہا تھا' جیسے وہ میرا اپنا بچہ ہو۔

میں یہ بات حاتم کے حوالے سے نہیں کہہ رہی ہوں کہ میں اسے دل ہی دل میں چاہتی ہوں تو اس کے بچے کو اپنا بچہ سمجھ کر چوم رہی ہوں۔ نہیں' یہ بات ہرگز نہیں تھی۔ میں محبت کی پیاسی ہوں۔ مجھے محبت کہیں سے بھی ملے مرد سے ملے یا عورت سے ملے تو میں خوشی سے پاگل ہوجاتی ہوں۔ مجھے یاد نہیں ہے کہ بچپن سے اب تک کسی عورت نے مجھے گلے لگایا ہو۔ صائمہ سے گلے لگنے والی محبت ملی تو میں بے اختیار اس کے بچے کو اپنا بچہ سمجھنے لگی۔

اس نے پوچھا۔ "خور بانو! مجھے گھر تک چھوڑنے چلو گی؟"

میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "ضرور چلوں گی لیکن مجھے نقاب اٹھانے کے لئے نہ کہنا۔ میں تمہارے محلے کے لوگوں کو اپنا منہ نہیں دکھانا چاہتی۔"

"کیا حاتم نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ ہم نے وہ محلہ چھوڑ دیا ہے۔ اب ہم بفرزون

میں رہتے ہیں؟"

ہم نے لیڈی ڈاکٹر کے بھرپور تعاون کا شکریہ ادا کیا۔ اسے سلام کرکے بفرزون والے گھر میں آگئیں۔ میں شام تک اس کے ساتھ رہی۔ وہ ابھی اٹھنے اور گھر کا کام کرنے کے قابل نہیں تھی۔ میں گھر کا سارا کام کرتی رہی۔ وہ مجھے منع کرتی رہی لیکن میں نے کہا۔ "تم مجھے بہن سمجھتی ہو تو کسی کام سے نہ روکنا۔"

وہ خاموش رہی۔ بڑی محبت سے باتیں کرتی رہی۔ ہم نے دوپہر کا کھانا ساتھ کھایا۔ وہ کہنے لگی۔ "تم مجھے بتاؤ' آئندہ کیا کرنا چاہتی ہو؟"

میں سوچنے لگی۔ کیا جواب دوں۔ وہ بولی۔ "میرے سامنے ذرا نہ جھجکنا' میں تمہاری کسی بات کا برا نہیں مانوں گی۔ اگر تم شادی کرنے کے بارے میں سوچ رہی ہو تو میں تمہیں اپنی سوکن بنانے کو بھی تیار ہوں۔"

میں نے ایک دم سے چونک کر دیکھا۔ پھر کہا۔ "نہیں بہن! پھر ایسی بات کبھی نہ کہنا۔ میں تمہاری زندگی میں خود کو تو کیا' کسی اور کو بھی سوکن بننے نہیں دوں گی۔ لیڈی ڈاکٹر نے مجھے بہت اچھا مشورہ دیا تھا کہ اگر میں تمہارے کسی کام آنا چاہتی ہوں تو کسی سے شادی کرلوں تاکہ حاتم علی کی زندگی میں میرا نام نہ رہے اور میرا نام تمہارے لئے کانٹا نہ بنے۔"

"میں تمہیں کانٹا سمجھوں' اب یہ کبھی نہیں ہوگا۔ مجھے بھی نیکی کی قوتوں پر یقین آگیا ہے۔"

"تم میری بہن ہو تو ایک نیکی اور کرو۔"

"وہ کیا؟"

"مجھے چھوٹی بہن سمجھ کر کوئی رشتہ تلاش کرو تم جہاں کہو گی' وہاں شادی کرلوں گی لیکن ایک بات جو میں نے لیڈی ڈاکٹر سے کہی' وہ تم سے بھی کہنا چاہتی ہوں۔"

"ہاں ہاں' ضرور کہو۔"

"میں پہلے بیس پچیس ہزار روپے جمع کرنا چاہتی ہوں۔"

وہ مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے اسے تمام باتیں بتائیں۔ بیگم صاحبہ کے متعلق بھی بتایا جہاں میرے پانچ ہزار روپے امانت کے طور پر رکھے ہوئے تھے صائمہ میری باتیں سن رہی تھی اور احساس مندی سے کبھی کبھی نظریں جھکالیتی

تھی۔ پھر اس نے کہا۔ "بانو! تم بہت عظیم ہو۔ تم ہمارے لئے کتنی دور تک سوچ رہی ہو۔ ہمارا پورا مستقبل خوشحال بنا دینا چاہتی ہو میں اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے اس نے میرے دل میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔ وہ ہمدردی تمہارے کام آئی اور تم میرے کام آ رہی ہو۔"

میں نے ببلو کو نہلا دھلا کر لباس تبدیل کیا۔ شام تک گھر کو صاف ستھرا کر دیا۔ پھر دوسرے دن آنے کا وعدہ کر کے چلی آئی۔ اس روز میں بہت خوش تھی۔ زندگی میں پہلی بار مجھے کسی سے بھرپور محبت مل رہی تھی۔ میں نے شام کو ابّے کا انتظار کیا۔ وہ نہیں آیا۔ میں رات کا کھانا اس کے ساتھ کھانا چاہتی تھی۔ وہ رات کو بھی نہیں آیا تقریباً آٹھ بجے سے اُڑی اُڑی سی خبریں مل رہی تھیں کہ صدر میں بم کے دھماکے ہوئے ہیں۔ رات دس بجے برکت چاچا نے آکر تصدیق کر دی۔ اس نے کہا۔ "آج شام کو وقفے وقفے سے تین زبردست دھماکے ہوئے ہیں کتنے ہی لوگ ہلاک ہو چکے ہیں اور زخمیوں کا تو کوئی شمار نہیں ہے۔"

میں نے گھبرا کر پوچھا۔ "کیا ابّے کا کچھ پتا چلا؟"

وہ ناگواری سے بولا۔ "تمہارا باپ بہت بڑا آدمی ہے صبح کے اخبار میں اس کی تصویر چھپے گی تو دیکھ لینا۔"

میں نے عاجزی سے کہا۔ "ایسا کیوں کہتے ہو' چاچا! میرا باپ تم لوگوں کا کوئی نہیں لگتا لیکن انسانی ہمدردی سے کچھ تو معلوم کیا جا سکتا ہے۔"

"وہاں مرنے کے لئے کون جائے گا۔ تین بار دھماکے ہو چکے ہیں' اس کے بعد بھی ہو سکتے ہیں۔ ہماری جان مفت میں نہیں آئی ہے۔ جس گیدڑ کی موت آئے گی' وہی صدر کی طرف جائے گا۔"

وہ اپنی اس بات پر ہنسنے لگا۔ ماں نے کہا۔ "اری گھبراتی کیوں ہے'، تیرا باپ بہت ڈھیٹ ہے۔ اتنی جلدی نہیں مرے گا۔ صبح تک آجائے گا۔"

میرا دل بری طرح گھبرا رہا تھا۔ میں بار بار دروازے کے پاس آتی تھی ٹاٹ کا پردہ ہٹا کر دور دور تک دیکھتی تھی۔ پھر میں نے گھر میں رکھے ہوئے پرانے ریڈیو کو آن کر دیا۔ شاید خبروں میں کچھ بتایا جائے یا اسپیشل نیوز بلیٹن میں زخمی ہونے والوں کے نام بتائے جائیں اور ان اسپتالوں کی نشاندہی کی جائے جہاں انہیں پہنچایا گیا ہو گا۔ رات

گیارہ بجے کی خبروں میں ان دھماکوں سے متعلق مختصر سی خبر سنائی گئی۔ پھر دوسری خبروں کا تسلسل یوں جاری رہا جیسے صدر میں ہونے والے تین زبردست دھماکے کوئی اہمیت نہ رکھتے ہوں۔ سرکاری ذرائع ابلاغ کو اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی کہ مرنے والوں اور زخمی ہونے والوں کے عزیز و اقارب کس ذہنی کرب میں مبتلا ہوں گے۔ الیکشن کے نتائج دن رات سنائے جاتے ہیں۔ تمام رات رنگا رنگ پروگرام کے ساتھ جیتنے اور ہارنے والوں کے نام سنائے جاتے ہیں۔ چاروں صوبوں کے ایک ایک شہر' ایک ایک بستی' ایک ایک علاقے کے الیکشن آفس سے ان کے نام حاصل کئے جاتے ہیں۔ یہ نام فوری طور پر ٹی وی اور ریڈیو کے ذریعے نشر کئے جاتے ہیں۔ کراچی میں صرف چند اسپتال ایسے تھے جہاں سے زخمی ہونے والوں کے نام نشر کئے جا سکتے تھے لیکن اس رات بارہ بجے ٹی وی اور ریڈیو خاموش ہو گئے۔

آدھی رات کے بعد میرا دل ڈوبنے لگا۔ آنکھوں کے سامنے ابّے کی صورت پھرنے لگی۔ میں اس سے اتنی محبت تو نہیں کرتی تھی' پھر کیوں پریشان ہو رہی تھی' یہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ میں کمرے سے نکل کر برآمدے میں آئی۔ پھر ابّے کے بستر پر آکر بیٹھ گئی۔ میرا دل بے اختیار کھنچا جا رہا تھا۔ میں بستر پر اوندھے منہ ہو کر تکیے سے لپٹ گئی۔ ہاں' اتنا ضرور تھا کہ آنکھ سے آنسو نہیں نکل رہے تھے۔ شاید مجھے اس کے زندہ سلامت رہنے کا یقین تھا یا شاید میں اس سے اتنی محبت نہیں کرتی تھی کہ آنکھ سے آنسو نکل آتے۔

وہاں لیٹنے کے بعد یاد آیا کہ کتنے دنوں سے میں نے وہ بستر دھوپ میں نہیں ڈالا ہے چادر نہیں دھوئی ہے۔ میں اس چادر کو اٹھا کر جھٹکنے لگی۔ تکیے کے نیچے ایک پرانی ڈائری رکھی ہوئی تھی۔ اس ڈائری کو میں نے بارہا ابّے کے پاس دیکھا تھا۔ وہ اسے سرہانے رکھا کرتے تھے۔ میں نے باپ کی ذات سے کبھی دلچسپی نہیں لی۔ پھر بھلا ڈائری سے کیا دلچسپی ہوتی لیکن اس رات نیند نہیں آ رہی تھی میں نے وقت گزارنے کے لئے اسے کھولا۔ اس کے اندر ایک تہہ کیا ہوا کورٹ کا اسٹامپ پیپر تھا۔ میں نے اسے کھول کر دیکھا اسے پڑھنا شروع کیا۔ وہ طلاق نامہ میری ماں کی طرف سے لکھا گیا تھا حالانکہ وہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتی تھی کسی اور نے لکھا ہو گا لیکن اس کے انگوٹھے کا نشان تھا اور برکت چاچا کے تصدیقی دستخط تھے۔ اس میں لکھا ہوا تھا۔ "مسکین میاں نے مجھے

باقاعدہ طلاق دی ہے اور میں راضی خوشی اس سے علیحدگی اختیار کر رہی ہوں' مسکین میاں نے مہر کی رقم دو ہزار روپے ادا کردیئے ہیں۔ اب میں ان پر کسی طرح سے دعویٰ کرنے کی حق دار نہیں ہوں۔ یہ کاغذ اسی لئے لکھ دیا ہے کہ آئندہ میں ان کی زوجہ ہونے کا دعویٰ نہ کروں اور نہ مہر کی رقم طلب کروں۔"

میں نے اس طلاق نامہ کی تاریخ پڑھی اور اپنی عمر کا حساب کیا۔ میرے حساب سے طلاق اس وقت ہوئی تھی' جب میں چھ ماہ کی تھی۔ اس طلاق نامے میں میری ماں کی طرف سے لکھا گیا تھا کہ وہ خور بانو سے اپنا دودھ چھڑا کر اوپری دودھ پلانے کی کوشش کرے گی۔ ورنہ دو ڈھائی برس تک دودھ پلائے گی۔ اس کے بعد خور بانو پر اپنا دعویٰ نہیں کرے گی۔ اس کی تعلیم و تربیت اور اس کی پرورش کے ذمے دار مسکین میاں ہوں گے۔

اگر میں کبھی باپ کی ذات سے دلچسپی رکھتی اور ابتدا میں ہی وہ طلاق نامہ پڑھ لیتی تو شاید کبھی اپنے ابے سے نفرت نہ کرتی لیکن بچپن سے ہی میں نے ماں کو اپنے باپ سے نفرت کرتے دیکھا تھا' میں نادان تھی۔ اپنی ماں سے متاثر تھی۔ لہٰذا ابتدا میں باپ سے لگاؤ نہ رہا۔ بعد میں رفتہ رفتہ ماں کی حقیقت کھلنے لگی تو اس سے بھی نفرت ہونے لگی۔ میں اب تک یہی سمجھ رہی تھی کہ ماں باپ کے درمیان ایک دوسرے سے نفرت اور بیزاری ہے۔ اسی لئے وہ الگ رہتے ہیں۔ صرف اولاد کی خاطر ایک گھر میں ہیں۔ ایک برآمدے میں ہے.......... دوسری گھر کے اندر رہتی ہے' ہوش سنبھالنے کے بعد سوال ابھرا' اندر برکت چاچا کیوں آتا ہے۔ جواب میں بے غیرتی کا احساس ہوا تو میں نے آگے کچھ نہیں سوچا۔ اپنے گھر والوں کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں۔ کان کی بہری اور زبان کی کڑوی ہوگئی۔ اب وہ طلاق نامہ مجھے سمجھا رہا تھا کہ گھر کے سارے لوگ بے غیرت تھے' صرف میرا باپ غیرت مند تھا۔ اس نے ایک بار میری ماں کی بے غیرتی کو سمجھ لیا ہوگا اور تب ہی اس نے طلاق دے دی ہوگی۔

آخر وہ بیٹی کا باپ تھا۔ مجھ سے محبت کرتا تھا۔ جانتا تھا' ایک دن میں جوان ہوں گی تو مجھے ماں کی نہ سہی' باپ کی سرپرستی کی ضرورت ہوگی۔ وہ میری خاطر زندہ تھا اور میری خاطر بیس برس سے برآمدے میں رہتا آیا تھا۔

ایک خاموش اور گم صم رہنے والے باپ کی محبت کا انکشاف جیسے جیسے ہو رہا تھا

ویسے ویسے میرا دل اس کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ میں ڈائری کھول کر اس کا ایک ایک ورق پڑھنے لگی۔ اس کی زندگی کا ایک اہم گوشہ نمایاں ہونے لگا ڈائری کے ایک صفحے پر لکھا ہوا تھا۔ میں وہ رات کبھی نہیں بھولوں گا جب میں نے اپنی بیوی کو ایک بے غیرت عورت کے روپ میں دیکھا۔ مجھ سے غصہ برداشت نہ ہوسکا میں اسے گالیاں دینے لگا تو برکت نے میرے منہ پر ایک الٹا ہاتھ رسید کردیا۔ پھر میری پٹائی کرنے لگا۔ میں ڈیڑھ پسلی کا آدمی ہوں اور وہ پہلوان ہے۔ میں اس سے مار کھاتا رہا لیکن یہ کہتا رہا۔ "اس عورت کے ساتھ نہیں رہوں گا۔ میں اسے طلاق دیتا ہوں۔ میں اسے طلاق دیتا ہوں۔ میں اسے طلاق دیتا ہوں۔"

بانو کی ماں نے کہا۔ "ارے جا! بڑا آیا طلاق دینے والا۔ پہلے اس گھر کا فیصلہ ہوگا۔ تو یہ گھر میرے نام لکھے گا' تب میں طلاق لوں گی۔ زبردستی دینا چاہے گا تو برکت تیرا ٹینٹوا دبا دے گا۔"

میں مار کھا کر لہو لہان ہوگیا تھا میں نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "میں مرجاؤں گا لیکن یہ گھر تیرے نام نہیں لکھوں گا۔ اس پر میری بیٹی کا حق ہے۔"

وہ بولی۔ "بیٹی میری بھی ہے۔ یہ گھر میرے نام ہوگا تو کیا میں اپنی بیٹی کو یہاں سے نکال دوں گی۔"

میں نے کہا۔ "تیری آوارگی نے مجھے تیری زندگی سے نکال دیا۔ بیٹی کو گھر سے نکلتے کتنی دیر لگے گی؟"

برکت نے کہا۔ "مسکین! زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تجھے یہ گھر بانو کی ماں کے نام لکھنا ہوگا ورنہ تو طلاق نہیں دے سکے گا۔ اگر زبردستی دینا چاہے گا تو ہم تیرے ساتھ تیری بیٹی کو بھی ختم کردیں گے۔"

ہمارے درمیان جھگڑا بڑھتا گیا۔ برکت نے محسوس کرلیا تھا' میں ڈھیٹ ہوں۔ مار کھاتے کھاتے مرجاؤں گا لیکن مکان اس آوارہ عورت کے نام نہیں لکھوں گا۔ تب انہوں نے سمجھوتا کیا۔ اس سمجھوتے کے مطابق آدھا مکان بانو کی ماں کے نام اور آدھا مکان میرے نام لکھوایا گیا۔ مکان کے کاغذات آج بھی بانو کی ماں کے پاس ہیں برکت نے اس کی نقل میرے پاس رہنے نہیں دی۔ میں نے بھی زیادہ حجت نہیں کی کیونکہ سرکار کی طرف سے یہ مکان مجھے ملا تھا اور سرکاری دفتر میں آج بھی میرا نام

اس مکان کے مالک کی حیثیت سے درج ہے۔

ویسے میں نے مکان کا کاغذ لکھنے سے پہلے یہ شرط رکھی کہ بانو کی ماں کی طرف سے طلاق قبول کرنے کے سلسلے میں ایک کاغذ لکھا جائے۔ اس کاغذ کا مضمون میں نے بتایا۔ مضمون میں خاص باتیں یہ تھی کہ وہ میری بیٹی بانو کو دو ڈھائی سال تک دودھ پلائے گی۔ اگر بانو نے اوپری دودھ پینا شروع کیا تو پھر اس کا ماں سے کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ اس کی تعلیم و تربیت اور پرورش کا ذمے دار میں رہوں گا۔

بانو کی ماں کی طرف سے یہ کاغذ لکھ دیا گیا' اس میں یہ بھی لکھا گیا کہ میں نے مہر کی رقم دو ہزار روپے ادا کردیئے ہیں اور اس نے بخوشی طلاق منظور کرلی ہے۔

میں نے ڈائری بند کردی۔ بہت سے اہم انکشافات ہوئے تھے میں دیر تک اس ڈائری کو سینے سے لگائے تصور میں باپ کی صورت دیکھتی رہی۔ پھر وہاں سے اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازے کے پاس آئی اسے کھول کر اندر گئی۔ ایک چارپائی پر میرا بڑا بھائی جمشید اور چھوٹا بھائی راشد سو رہا تھا۔ دوسری چارپائی پر میری ماں نور بانو کے ساتھ سو رہی تھی لیکن اب کون میری چھوٹی بہن تھی؟ بھائیوں سے میرا کیا رشتہ تھا؟ کوئی رشتہ نہیں تھا۔ جب میں چھ ماہ کی تھی تب ہی ماں نے طلاق لے لی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ میرے بہن بھائی نہیں تھے۔ ماں بھی اپنی نہیں تھی۔ اس سے بس اتنا ہی لگاؤ تھا کہ اس نے مجھے جنم دیا تھا۔

جنم دینے سے کیا ہوتا ہے؟ کیا وہ ماں کہلانے کی حقدار ہے؟ اس نے تو مہر کی رقم لے کر مجھے باپ کے حوالے کردیا تھا۔ اسے دو ہزار کی ضرورت تھی' میری ضرورت نہیں تھی میں نے جب سے ہوش سنبھالا تھا' یہی دیکھا تھا کہ اسے کبھی میری ضرورت نہیں رہی۔

میں باپ کے بستر پر آئی۔ پھر اس ڈائری کو اسی طرح دھڑکتے ہوئے دل سے لگا کر سوگئی۔ مشکل سے کوئی دو گھنٹے نیند کی ہوگی کہ پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دماغ میں فکر سمائی ہوئی تھی۔ پتا نہیں' ابے کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟ صبح ہونے والی تھی۔ میں نے غسل کیا۔ لباس تبدیل کیا۔ برقع پہنا پھر اپنا پرس اور ڈائری لے کر گھر سے نکل پڑی۔

بسوں میں بڑی بھیڑ تھی۔ لوگ صدر کی طرف جا رہے تھے اور اونچی آواز میں وہاں ہونے والے دھماکوں کے متعلق باتیں کر رہے تھے.......... اسٹاپ پر ہاکر چیخ چیخ

کر اخبارات فروخت کر رہے تھے' کئی کئی صفحات کے اخبارات شائع ہوئے تھے۔ صدر میں ہونے والے دھماکوں کی خبریں جلی حروف میں شائع کی گئی تھیں۔ تصاویر بھی نظر آ رہی تھیں کتنے ہی لوگ اخبار خرید رہے تھے۔ میں نے بھی ایک اخبار خریدا۔ پھر وہ صفحہ تلاش کرنے لگی' جہاں زخمیوں کے نام نظر آ سکتے تھے۔ پچھلی رات میں کتنے ہی زخمی مختلف اسپتالوں میں پہنچائے گئے تھے ان کے نام اور ان اسپتالوں کے نام بھی شائع کئے گئے تھے ایک جگہ میں نے ابے کا نام پڑھ لیا۔ وہ سول اسپتال میں تھے۔

میں نے وہاں پہنچ کر اپنے والد کا نام بتایا۔ مجھے وارڈ نمبر چھ اور بیڈ نمبر چار پر جانے کے لئے کہا گیا۔ میں وہاں پہنچی۔ وہ زخموں سے چُور تھے۔ جگہ جگہ پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ آنکھیں بند تھیں لیکن وہ عادت کے مطابق مسکرا رہے تھے۔ ان کے دانت دکھائی دے رہے تھے اور باچھیں پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ ان کی پیدائشی عادت تھی دکھ ہو یا سکھ ان کے چہرے پر ایسی ہی مسکراہٹ رہا کرتی تھی۔ اس وقت وہ زخموں سے چُور تھے۔ نہ جانے کیسی تکلیف میں مبتلا ہوں گے لیکن چہرہ تھا کہ مسکرا رہا تھا۔

میں نے قریب پہنچ کر ہولے سے آواز دی۔ "ابا' میرے ابا!"

وہ ذرا کسمسایا مگر آنکھیں بند رہیں اس کے چہرے پر کرب کے آثار نمایاں ہوئے مجھے اس بات کا خیال نہیں تھا کہ میں نے زندگی میں پہلی بار اسے ابا کہہ کر مخاطب کیا ہے میں نے دوسری بار اپنی عادت کے مطابق اسے مخاطب کیا۔ "ابے!"

اس نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ وہ مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرانی تھی۔ میں نے پوچھا۔ "کیا بہت تکلیف ہو رہی ہے؟"

اس نے آنکھ بند کی پھر آنکھ کھول کر بڑی نقاہت سے پوچھا۔ "ابھی تُو نے ابا کہا تھا؟"

میں نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ اس نے ایک گہری سانس لی پھر کہا۔ "میں سمجھا کوئی بیٹی اپنے باپ کے دھوکے میں مجھے پکار رہی ہے۔ نہ بیٹی نہ' مجھے ابے کہا کر تیری زبان سے یہی اچھا لگتا ہے۔"

میں نے اس کے ہاتھ کو تھام کر کہا۔ "نہیں ابا! نہیں' کل رات جب میں نے تیری ڈائری پڑھی تو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ میں آج تک تجھے ابے کہہ کر خود کو جہنمی بناتی رہی تیرے جیسا محبت کرنے والا باپ بہت کم بیٹیوں کو نصیب ہوتا ہے۔ ابا میں

بہت خوش نصیب ہوں۔"

اس کی آنکھوں میں مسرت کی چمک پیدا ہوئی۔ پھر بجھ گئی۔ اس کے دیدے ساکت ہو گئے۔ میں نے گھبرا کر اسے آواز دی۔ اس کی نبض ٹٹولی۔ سینے پر کان رکھ کر دھڑکنوں کو محسوس کرنے کی کوشش کی کچھ محسوس نہیں ہوا۔ پھر میں نے آواز دی۔

"ابا' کیا ہوا۔ ابا!"

میں نے گھبرا کر نرس کو آواز دی۔ نرس نے آکر اس کی نبض دیکھی۔ کانوں میں اسٹیتھسکوپ لگا کر سینے کی دھڑکن کو محسوس کرنے کی ناکام کوشش کی۔ اس کے بعد اس کی کھلی ہوئی آنکھوں کو بند کر دیا۔

میں چند لمحوں تک ساکت رہ گئی۔ اسے بس میرا انتظار تھا۔ اس نے مجھے دیکھا تھا' اس کے بعد ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا تھا۔ میں نے آہستہ آہستہ فرش پر گھٹنے ٹیک دیئے پھر باپ کے ہاتھ پر پیشانی ٹیک دی۔ اس کے بعد پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆======☆======☆

آہ' ایسے وقت جی چاہتا ہے کوئی اپنے سینے سے لگا کر ہمیں تھپکے' تسلیاں دے تسلیاں دینے سے سچ مچ تسلی نہیں ہوتی۔ صدمہ برقرار رہتا ہے لیکن یہ احساس رہتا ہے کہ مرنے والے کے بعد بھی ہمیں کوئی گلے سے لگانے والا ہم سے محبت کرنے والا ہمیں تھپکنے والا ابھی موجود ہے لیکن میرے آس پاس کوئی نہیں تھا۔ اسپتال میں ہمارے محلے کا ایک آدمی موجود تھا۔ وہ اپنے کسی عزیز سے ملنے آیا تھا۔ میں نے کہا۔ "بھائی! میرے گھر جا کر بھائیوں کو اطلاع دو' ابا اب اس دنیا میں نہیں رہے' ان کی لاش یہاں سے لے جانا ہے میں انتظار کر رہی ہوں۔"

اس شخص نے کہا۔ "میں ابھی جا رہا ہوں اور تمہارے بھائیوں کو لے کر آرہا ہوں۔"

میں انتظار کرنے لگی۔ میں نے اسپتال کی ایمبولنس کے لئے ڈاکٹر سے درخواست کی پتہ چلا' ابھی تک زخمی آرہے ہیں' کوئی ایمبولنس فارغ نہیں ہے۔ میں دو گھنٹے تک ایک ایک کی منت و سماجت کرتی رہی وہاں زخمیوں کو دیکھنے والوں کی بھیڑ تھی۔ سب ہی اپنے اپنے عزیزوں کے لئے پریشان تھے۔ کوئی میری نہیں سن رہا تھا۔ تین گھنٹے گزر گئے۔ میرے گھر سے کوئی نہیں آیا۔ میں نے ایدھی ٹرسٹ والوں سے جا کر کہا۔ وہ فوراً راضی ہو گئے۔ انہوں نے میرے باپ کی لاش کو گھر تک پہنچا دیا۔ گلی میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی جس کے ذریعے میں نے اطلاع بھیجی تھی۔ اس نے کہا۔ "بہن' میں نے تمہارے دونوں بھائیوں کو اطلاع دی تھی کیا وہ نہیں پہنچے؟"

میں نے آکر دیکھا صرف ماں اور نور بانو موجود تھیں۔ میں نے پوچھا۔ "جمشید اور راشد کہاں ہیں؟"

"وہ توحید آباد گئے ہوئے ہیں۔"

میں نے غصے سے تلملا کر گالی دی۔ پھر کہا۔ "تجھے شرم نہیں آتی' جھوٹ بولتے.

ہوئے۔ وہ تھوڑی دیر پہلے یہاں موجود تھے۔ انہیں معلوم تھا' میرے باپ کی لاش آنے والی ہے۔ کون اسے کاندھا دے گا؟ اگر وہ اس کے کچھ ہوتے تو ضرور کاندھا دیتے۔ تو کیا سمجھتی ہے' میرے باپ کے جنازے کو کاندھا دینے والوں کی کمی ہوگی؟ میں اسے قبرستان تک پہنچاؤں گی۔"

میں نے مسجد کے پیش امام صاحب سے درخواست.......... کی کہ وہ میرے باپ کے متعلق اعلان کریں تھوڑی دیر بعد ہی مسجد سے اعلان ہونے لگا۔ یوں تو کسی کی میت میں بہت کم لوگ شریک ہوتے ہیں لیکن صدر میں ہونے والے پے در پے تین دھماکوں نے تمام شہریوں کو متاثر کیا تھا۔ سبھی کو زخمیوں سے اور مرنے والوں سے ہمدردی تھی۔ صرف ایک گھنٹے کے اندر میری گلی اور سامنے کا چھوٹا میدان لوگوں سے بھر گیا۔ میری ماں اور بھائی کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ میرے باپ کے جنازے کو کاندھا دینے والے اتنے لوگ آئیں گے اور وہ بے حس' بے غیرت لوگ انہیں گنتے گنتے تھک جائیں گے۔ محلے کی بہت سی عورتیں بھی آئی ہوئی تھیں۔ میری ماں سر پر آنچل رکھے سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ چہرے کو بہت زیادہ غم زدہ بنانے کی کوشش کر رہی تھی اور ناکام ہو رہی تھی۔ ان عورتوں کی موجودگی نے اسے سر جھکا کر بیٹھنے پر مجبور کر دیا تھا ورنہ وہ بھی برکت چاچا اور اپنے بیٹوں کی طرح کہیں چلی جاتی۔ شام کو جنازہ چلا گیا تو محلے کی عورتیں بھی چلی گئیں۔ مجھے گھر ویران لگنے لگا۔ ایک باپ کے نہ رہنے سے گھر میں اتنی ویرانی ہو سکتی ہے' یہ میں نے کبھی سوچا نہ تھا۔ میں برقع پہن کر باہر آگئی۔ بس میں بیٹھ کر بفرزون پہنچی۔ صائمہ صبح سے میرا انتظار کر رہی تھی دروازے پر پہنچتے ہی مجھے رونا آگیا۔ اس نے تعجب سے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ کیوں رو رہی ہو؟"

"آج میں یتیم اور بے سہارا ہوگئی۔ میرے ابا صدر میں کھلونے بیچا کرتے تھے دھماکوں کی نذر ہوگئے۔ ابھی ان کا جنازہ اٹھا ہے تو میں تمہارے پاس آئی ہوں۔"

یہ کہتے ہی میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ صائمہ نے آگے بڑھ کے گلے سے لگالیا۔ میرا سر سہلانے لگی۔ پیٹھ تھپکنے لگی۔ تسلیاں دینے لگی۔ میں یہی چاہتی تھی۔ باپ کی موت پر اسپتال میں کچھ رونا آیا تھا۔ اس کے بعد میری آنکھیں خشک ہوگئی تھیں۔ میں شام تک گم صم سی تھی۔ اگر رونا چاہتی.......... تو کوئی میرے سر پر ہاتھ

رکھ کر تسلیاں دینے والی عورت نہیں تھی۔ صائمہ نے مجھے چارپائی پر بٹھایا۔ میں اس کے سینے پر سر رکھ کر بہت دیر تک روتی رہی۔

رات کے آٹھ بجے اس نے کہا۔ "میرا مشورہ ہے' تم میرے ساتھ رات گزارو۔ صبح چلی جانا۔"

"میرے گھر والے باتیں بنائیں گے محلے میں بدنام کریں گے کہ باپ کے مرتے ہی بیٹی آوارہ ہوگئی۔ راتوں کو غائب رہنے لگی ہے۔"

میں نے وہ ڈائری صائمہ کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "تم چاہو تو اسے پڑھ سکتی ہو۔ تمہیں ہمارے گھریلو حالات اور ابا کی زندگی کے متعلق خاص طور پر معلوم ہوگا۔ اس میں وہ طلاق نامہ بھی موجود ہے۔ آج صبح میں نے اسپتال سے ڈسچارج سرٹیفکیٹ اور ڈیتھ سرٹیفکیٹ حاصل کیا تھا۔ وہ بھی اسی میں ہے۔ ان چیزوں کو سنبھال کر رکھو۔ میں ضرورت کے وقت لے جاؤں گی۔"

میں رات کے وقت تقریباً نو بجے گھر پہنچی۔ برکت چاچا اور دونوں بھائی واپس آگئے تھے۔ ماں کے ساتھ ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان گرما گرم بحث ہو رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ چپ ہوگئے برکت چاچا نے گھور کر پوچھا۔ "باپ کے مرتے ہی بے لگام ہوگئی ہے۔ اتنی رات کو کہاں سے آرہی ہے؟"

میں نے اسے حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھ سے پوچھنے والا مر چکا ہے۔ باقی جتنے یہاں بیٹھے ہیں' سب میرا نمک کھاتے ہیں اور نمک کھانے والے سوال کرنے کا حق نہیں رکھتے۔"

برکت چاچا نے غصے سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "چھ سو روپے کیا دیتی ہے' اس گھر کی ملکہ عالیہ بن گئی ہے۔"

میں نے گھر کے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ "ارے او برکت! اگر میں چاچا کہتی ہوں تو تو بھی اپنی حد میں رہ اور اس گھر سے ابھی نکل جا ورنہ میں پتھر ماروں گی۔ محلے والوں کو جمع کرلوں گی۔ پولیس والوں کو بلاؤں گی اور ان سب سے پوچھوں گی کہ میرے باپ کے مرنے کے بعد میری ماں کے پاس کیوں آیا ہے؟ کس رشتے سے آیا ہے؟"

وہ ایک دم سے بوکھلا گیا۔ میری ماں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "بیٹی! یہ کیسی

باتیں کر رہی ہے۔ محلے والے سنیں گے تو کیا کہیں گے؟"

"اری تو محلے والوں کو اندھا' بہرہ سمجھتی ہے کیا وہ نہیں جانتے' یہاں بیس برسوں سے کیا کھچڑی پک رہی ہے یہ محلے والے روز کماتے ہیں روز کھاتے ہیں۔ پولیس اور عدالت کے چکر میں پڑنا نہیں چاہتے ورنہ اب تک تم دونوں کو قانون کے حوالے کر کے سنگسار کرا دیتے۔"

وہ نرم پڑتے ہوئے بولا۔ "دیکھو بیٹی! تم خواہ مخواہ ناراض ہو رہی ہو' گھر میں آجاؤ۔ ہم تمہیں سمجھاتے ہیں۔"

میں نے انگلی اٹھا کر کہا۔ "خبردار! مجھے بیٹی نہ کہنا۔ میں تجھے آخری بار کہہ رہی ہوں' اس گھر سے نکل جا اور دوبارہ اس دہلیز پر قدم نہ رکھنا۔ اگر رکھے گا تو پھر جو کام میرے باپ نے نہیں کیا' وہ میں کر کے دکھاؤں گی۔"

"اچھا اچھا' جاتا ہوں۔"

پھر اس نے میری ماں سے کہا۔ "میں جا رہا ہوں۔ اس لڑکی سے مکان کی بات پکی کرلینا۔ اس کے ساتھ رہنا اپنی جان کو عذاب میں مبتلا کرنا ہے۔"

اس نے گھر سے نکل کر مجھے گھورتے ہوئے دیکھا۔ پھر غصے سے بولا۔ "دیکھ لوں گا تجھے۔"

میں نے ہاتھ نچا کر کہا۔ "ارے جا یہاں سے' تو بیس برس پہلے غنڈہ موالی تھا۔ اب آئینہ جا کر دیکھ' بڑھاپا آگیا ہے' میں تھوکوں گی تو پیچھے جا کر گرے گا۔"

وہ پاؤں پٹختا ہوا چلا گیا۔ میں گھر کے اندر آئی۔ میری ماں نے جل بھن کر کہا۔ "وہ چلا گیا' تیرا کلیجا ٹھنڈا ہو گیا۔ اگر یہاں آرام سے بیٹھ کر باتیں کرلیتی تو تیرا کیا جاتا؟"

"وہ کمینہ ہوتا کون ہے؟ اس نے مجھ سے یہ کیوں پوچھا کہ میں کہاں سے آرہی ہوں۔ وہ پوچھنے کا کیا حق رکھتا ہے؟"

میں تو حق رکھتی ہوں۔ کہاں گئی تھی؟"

"کچھ اہم کاغذات کہیں چھپانے گئی تھی۔"

"کیسے کاغذات؟"

"پہلے میری بات کا جواب دے کیا تو نے میرے باپ کے پاس کوئی پرانی سی

ڈائری دیکھی تھی۔"

اس نے ناگواری سے کہا۔ "ہاں دیکھی تھی' کیا اسے چھپانے گئی تھی۔"

"ہاں' اس میں طلاق نامہ موجود تھا۔"

وہ ایک دم سے چونک گئی۔ پھر انجان بن کر بولی۔ "کیسا طلاق نامہ؟"

میں نے فخر سے کہا۔ "میرا باپ بے غیرت نہیں تھا۔ وہ کبھی تجھ جیسی آوارہ عورت کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا تھا۔ جب میں چھ ماہ کی تھی تو اس نے تجھے طلاق دے دی تھی۔ یہ سارے ثبوت میرے پاس موجود ہیں۔ اسی لئے میں نے تیرے برکت کو یہاں سے کھڑے کھڑے نکال دیا ہے۔ آئندہ وہ یہاں قدم رکھے گا تو میں تم دونوں کو تھانے پہنچا دوں گی۔ وہاں سے حوالات اور حوالات سے جیل۔ ہو سکے تو کسی مولوی کے پاس جا اور اس سے پوچھ کہ اسلامی قوانین کی رُو سے تم جیسوں کو کیسی عبرت ناک سزا دی جاتی ہے۔"

وہ سکتے میں آگئی تھی۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ میں نے ناگواری سے اس کے تینوں بچوں کو دیکھا۔ پھر اپنے کمرے میں آکر دروازے کو بند کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے ماں کی آواز سنی' وہ نور بانو سے کہہ رہی تھی۔ "دروازے کو اندر سے بند کرلینا۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

وہ کہیں گئی تھی۔ میں سمجھ رہی تھی' برکت چاچا سے مشورے کرنے گئی ہوگی۔ وہ دونوں کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ باپ کے مرتے ہی طلاق نامے کے کاغذات میرے ہاتھ لگ جائیں گے اور میں انہیں عبرت ناک سزاؤں تک پہنچانے کی دھمکی دوں گی۔

ایک گھنٹے بعد ہی ماں واپس آگئی۔ میرے کمرے کے دروازے پر دستک دیتے ہوئے بولی۔ "بیٹی نُور بانو! دروازہ کھول' میں ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

میں نے کہا۔ "تیری آواز آرہی ہے۔ اس موالی برکت نے جو مشورے دیئے ہیں' وہ سناتی جا۔ میں سن رہی ہوں۔"

اس نے التجا آمیز لہجے میں کہا۔ "بیٹی! غصہ نہ کر' عقل سے کام لے' جھگڑا بڑھانے سے بڑھتا ہی چلا جائے گا تو نہیں جانتی' تیرا برکت چاچا قصائی ہے قصائی۔ وہ تجھے قتل کردے گا۔"

میں نے کہا۔ "اری، تُو کسے دھمکی دے رہی ہے۔ میرا باپ کمزور تھا۔ وہ اَن پڑھ تھا۔ میں نے تعلیم حاصل کی ہے۔ میرے پاس عقل ہے، میں نے وہ کاغذات ایسی جگہ چھپائے ہیں کہ مجھے قتل کیا گیا تو میرے ایک تحریری بیان کے مطابق تم دونوں کو پولیس والے پکڑ کر لے جائیں گے اور میرے قتل کے جرم میں پھانسی تک پہنچا دیں گے۔"

اگرچہ میں نے ایسا کوئی تحریری بیان صائمہ کے پاس نہیں چھوڑا تھا لیکن ایسے جاہلوں کو دھمکی دینے کے لئے یہ بات زیادہ مناسب تھی اور اس بات نے اثر بھی دکھایا۔ وہ پھر گھر سے جاتے ہوئے بولی۔ "نور بانو! دروازہ بند نہ کرنا۔ تیرا چاچا گلی کے موڑ پر کھڑا ہے۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

وہ برکت سے کہنے گئی تھی کہ قتل کی دھمکی اثر نہیں کر رہی ہے۔ نور بانو نے پہلے ہی حفاظتی انتظامات کر لئے ہیں۔ وہ پندرہ منٹ کے بعد واپس آ گئی۔ پھر میرے دروازے پر دستک دیتے ہوئے بولی۔ "بیٹی! میں تو بس یونہی کہہ رہی تھی، بھلا تیرا برکت چاچا تجھے کیوں قتل کرے گا تجھے تو بیٹی کی طرح چاہتا ہے۔"

"میں نے پہلے ہی خبردار کیا ہے کہ وہ کمینہ مجھے بیٹی نہ کہے۔ تُو سمجھتی تھی کہ میرا باپ مرجائے گا تو تجھے اور آزادی ملے گی تُو اس گھر کی پوری مالکہ بن جائے گی لیکن تیرا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہو گا۔"

"دیکھ بیٹی! جھگڑے کی بات نہ کر۔ تجھے شاید نہیں معلوم ہے تیرے باپ نے سرکاری کاغذ پر لکھ کر دیا ہے میں اس آدھے مکان کی مالک ہوں۔"

"تو میں کیا کروں؟"

"سمجھوتا کر لے ہم یہ مکان بیچ دیتے ہیں۔ جتنی رقم ملے گی آدھی آدھی بانٹ لیں گے۔ برکت کہہ رہا ہے، کل ہی اس کے اسّی ہزار روپے مل سکتے ہیں۔"

میں نے حساب لگایا اگر چالیس ہزار میرے حصے میں آئیں گے تو حاتم علی کے لئے ایک نہیں دو ٹیکسیاں قسطوں پر آسکتی ہیں۔ میں اپنی تعریف نہیں کرتی، مگر کسی بھی معاملے میں میرا دماغ بڑی تیزی سے کام کرتا ہے دوسرے ہی لمحے دماغ نے سمجھایا۔ یہ مناسب نہیں ہے ان لوگوں نے میرے باپ سے جبراً مکان کے کاغذات لکھوائے تھے، آدھا مکان میری ماں کے نام کروایا تھا۔ اس ماں کے نام جس نے میرے باپ کے اعتماد

کو دھوکا دیا اور ایک غنڈے سے میرے باپ کو بہت بری طرح پٹوایا بھی۔ میں ایسی ماں کو اور ایسے غنڈے کو کبھی اس مکان سے ایک پیسہ حاصل کرنے نہیں دوں گی۔

مجھے خاموش پا کر ماں نے پوچھا۔ "کیا تو ہماری بات مان رہی ہے؟"

"ہرگز نہیں۔ اس مکان کو فروخت ہونا ہوتا تو میرے باپ کی زندگی میں ہی ہو چکا ہوتا۔ اس نے کسی خاص مقصد کے تحت اپنے پاس رکھا تھا۔ میں بھی اس مکان کو بکنے نہیں دوں گی۔"

وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد پھر اس کے باہر جانے کی آواز سنائی دی۔ برکت گلی کے موڑ پر تھا۔ حالانکہ خود کو بہت بڑا غنڈہ، بدمعاش کہتا تھا لیکن اب گھر کے دروازے پر آنے کی ہمت نہیں تھی۔ ایک تو وہ میری بدمزاجی کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ دوسرے میں نے طلاق نامے کے حوالے سے ان دونوں کو عدالت تک پہنچانے کی دھمکی دی تھی اور وہ جانتے تھے، میں ضد کی پکی ہوں جو کہتی ہوں، وہ کر گزرتی ہوں، اسی لئے اس نے قتل کی دھمکی دی تھی اور یہ سن کر ٹھنڈا پڑ گیا تھا کہ میں نے کاغذات کے ساتھ اپنا کوئی تحریری بیان بھی کسی کے پاس چھوڑ دیا ہے۔ مجھے قتل کرنے کے بعد وہ دونوں پولیس والوں سے بچ نہیں سکیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ رات گئے تک ماں گھر سے نکل کر گلی کے موڑ تک بار بار جاتی رہی اور موڑ پر کھڑے رہنے والا برکت میرے گھر کی دہلیز پر قدم رکھنا بھول گیا تھا۔

☆======☆======☆

میں نے دوسرے دن اسکول میں تین دن کی چھٹی کی درخواست دی جو منظور کر لی گئی۔ اس کے بعد میں صائمہ کے ہاں پہنچ گئی۔ وہاں حاتم علی موجود تھا۔ میں اسے دیکھتے ہی ٹھٹک گئی۔ اس کی موجودگی میں صائمہ کے سامنے شرم آ رہی تھی۔ میں چہرے پر نقاب ڈال کر واپس جانے لگی۔ صائمہ نے آگے بڑھ کر پکڑ لیا۔ "کہاں جاتی ہو تم نے مجھے بہن کہا ہے۔ یہ تمہاری بہن کا گھر ہے۔"

حاتم علی نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔ "میں تندور سے روٹیاں لاتا ہوں تم سالن گرم کرو۔"

وہ باہر چلا گیا۔ صائمہ کا دوسرا بیٹا رو رہا تھا۔ میں نے اسے گود میں اٹھا کر کہا۔ "تم اسے سنبھال لو۔ میں سالن گرم کرتی ہوں۔"

وہ بچے کو لے کر میرے ساتھ کچن میں آئی۔ میں نے پوچھا۔ "حاتم علی کو تین ماہ کی قید ہوئی تھی۔ انہیں اتنی جلدی رہائی کیسے مل گئی؟"

صائمہ نے کہا۔ "تمہیں شاید وکیل نے بتایا ہوگا انہیں تین ماہ کی قید اور پندرہ ہزار روپے جرمانہ ہو سکتا ہے لیکن یہ عدالت کا فیصلہ نہیں تھا۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا۔ "تو پھر جیل کس بات کی ہوئی تھی؟"

"جب تک عدالت اپنا کوئی حتمی فیصلہ نہ سنائے اس وقت تک ملزم کو جیل ہی میں رکھا جاتا ہے خواہ وہ مجرم ثابت ہو یا نہ ہو۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا عدالت نے فیصلہ سنا دیا؟"

"ابھی تو یہ ضمانت پر رہا ہو کر آئے ہیں' کہہ رہے تھے سیف اللہ کے دستِ راست نے ضمانت لی ہے۔ اس کے لئے پندرہ ہزار روپے خرچ ہوئے ہیں۔ اب یہ پندرہ ہزار روپے اسی صورت میں وصول ہو سکتے ہیں کہ حاتم علی ان کے دھندے میں شامل رہے۔"

میں نے کہا "یہ تو انتہائی غلط بات ہے اس سے تو بہتر ہے' حاتم علی سزا بھگت لے۔"

"میرا بھی ضمیر یہی کہتا ہے لیکن انہیں رہائی پاتے دیکھ کر دل نہیں مانتا کہ انہیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے جانا چاہئے۔"

"کیا تم چاہتی ہو' تمہارا شوہر پھر ہیروئن فروخت کرنا شروع کر دے؟"

"میں کیا چاہوں گی۔ یہ تو انہیں کرنا ہی پڑے گا۔ ورنہ وہ سیف اللہ کے پندرہ ہزار کیسے ادا کریں گے؟"

میں نے صائمہ کو غور سے دیکھا۔ اس نے شرمندگی سے نظریں جھکالیں حالانکہ وہ شوہر کو پاکر بہت خوش تھی۔ یہ سمجھ رہی تھی کہ دھندا غلط ہے لیکن مجبوری بھی تھی۔ اس کے سوا کوئی اور راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے اب تک اس کی ٹیکسی کے لئے بیس ہزار روپے جمع نہیں کئے تھے' ادھر سیف اللہ کے پندرہ ہزار سر پر چڑھ گئے تھے۔ کوئی پریشانی سی پریشانی تھی۔ ہم دلدل میں دھنستے جا رہے تھے۔

حاتم علی روٹیاں لے آیا۔ صائمہ نے اسے دوسرے کمرے میں سالن لے جاکر دیا۔ وہ ہم دونوں کو کھانے کے لئے بلا رہا تھا۔ میں انکار کرنے لگی۔ ایک تو گھر کے

مسائل نے پریشان کیا ہوا تھا دوسرے حاتم علی میرے عزائم کو خاک میں ملا رہا تھا۔ ایک سیدھی سادی اور سچی زندگی گزارنے کے بجائے غلط دھندوں میں پڑ چکا تھا۔ میں وہاں سے جانے لگی۔ صائمہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "کیا میرے گھر سے بھوکی جاؤ گی ناراض ہو گئی ہو؟"

میں نے اسے دیکھا پھر اس کے دو بچوں پر نظر ڈالی۔ بلو فرش پر کھیل رہا تھا۔ اچانک میں نے سوال کیا۔ "تم حاتم علی کی ضمانت پر رہائی سے خوش ہو تم نہیں جانتیں اسے سزا ہوگی یا نہیں' لیکن ایک بات پوچھتی ہوں۔ اگر بلو بڑا ہو کر اپنے باپ کی طرح ہیروئن فروخت کرے تو تمہارے دل پر کیا گزرے گی؟"

صائمہ نے فوراً ہی گھبرا کر اپنا ہاتھ سینے پر رکھ لیا۔ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ پھر بولی۔ "یہ کیسی باتیں کر رہی ہو؟"

"اس بچے کا باپ جو مستقبل بنا رہا ہے' اس کے متعلق بات کر رہی ہو۔ میری بات بری لگے تو معاف کر دینا۔ میں کل پھر آؤں گی اچھی طرح سوچ لو' سمجھ لو۔ جب عورت کی عقل بیوی بن کر کام نہ آئے تو ماں بن کر سوچنا چاہئے۔ شاید کوئی بات سمجھ میں آجائے۔"

میں اسے سوچ و فکر میں مبتلا چھوڑ کر چلی آئی۔ لیڈی ڈاکٹر نے ٹھیک کہا تھا جو شخص غلط دھندے میں ملوث ہو' اس کے لئے کوئی بنک گارنٹی نہیں دے گا۔ اب تو میں بھی ڈگمگا رہی تھی۔ ایسے شخص کے لئے ٹیکسی قسطوں پر حاصل کرنے کا مطلب یہی ہوتا کہ اتنی بڑی رقم خواہ مخواہ چولہے میں جھونک دی جاتی اور کچھ حاصل نہ ہوتا۔

دوسرے دن میں صائمہ کے گھر پہنچی تو میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہو رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی حاتم علی نے غصے سے کہا۔ "تم یہاں آگ لگانے آتی ہو۔ میرے گھر کو برباد کر رہی ہو' میری بیوی کبھی اونچی آواز میں نہیں بولتی تھی۔ اب بولنے لگی ہے۔"

صائمہ نے کہا۔ "میں پہلے بھی بولتی تھی مگر تم بہرے بن جاتے تھے۔ میں صاف طور سے کہہ رہی ہوں' اگر یہاں حرام کا ایک پیسہ بھی آئے گا تو میں تمہیں گھر میں داخل نہیں ہونے دوں گی۔ اپنے بچوں پر تمہارا سایہ نہیں پڑنے دوں گی۔"

"یہ میرے بھی بچے ہیں' بیٹوں پر باپ کا حق ہوتا ہے۔ میں انہیں تم سے چھین کر لے جاؤں گا۔"

میں نے آگے بڑھ کر کہا۔ "ایسی دھمکیاں جاہل عورتوں کو دیتے تو بہتر ہوتا۔ ہم نے تعلیم حاصل کی ہے' میں یقین سے کہتی ہوں' ان بیٹوں کو تم کبھی حاصل نہیں کر سکو گے۔ تم ایک بار جیل جاچکے ہو تمہارے کردار پر داغ لگ چکا ہے۔ عدالت کبھی بچوں کو بد کردار باپ کے حوالے نہیں کرے گی۔"

اس نے غصے سے کہا۔ "مجھے سزا نہیں ہوئی ہے۔ ہیروئن کا بہت بڑا تاجر میری پشت پر ہے' مجھے باعزت بری کرادیا جائے گا۔ پھر کس کی مجال ہے کہ کوئی میرے کردار پر دھبا لگائے۔"

میں نے ببلو کو گود میں اٹھا کر کہا۔ "مجھے ان بچوں کی قسم ہے' مجھے اس عورت کی قسم ہے جس نے مجھے ذلیل ہونے سے بچایا۔ اگر انہیں تمہارے سائے سے بچا کر رکھنا پڑا تو میں انہیں صائمہ کے سائے میں رکھنے کے لئے بھری عدالت میں بیان دوں گی کہ تم نے مجھ جیسی لڑکی کو گمراہ کیا۔ تم مجھے اپنے مکان میں لے کر آئے۔ جس کی گواہی تمام محلے والے دیں گے۔ میں اپنے ساتھ تمہیں بھی زمانے بھر میں رسوا کروں گی۔ لیکن بچوں کو ایک ہیروئن فروش کے ہاتھ نہیں لگنے دوں گی۔"

میری بات سن کر حاتم علی کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ صائمہ سکتے کی حالت میں مجھے تک رہی تھی۔ پھر اس نے ببلو کو مجھ سے لے کر اپنے سینے سے لگالیا۔ میرا ہاتھ پکڑ کر بولی۔ "اللہ' تم میری ایک ذرا سی نیکی کا بدلہ کب تک چکاتی رہو گی۔ میرے لئے کیسی کیسی قربانیاں دو گی۔ خدا کی قسم' تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ میں تمہارے سامنے قسم کھاتی ہوں۔ بچہ میری گود میں ہے' جب تک میرا آدمی محنت مزدوری نہیں کرے گا' عزت سے روزی حاصل نہیں کرے گا' اس وقت تک میں اس کی کمائی کا ایک پیسہ قبول نہیں کروں گی۔ اگر اس نے زبردستی کی تو میں بچوں کو لے کر اس سے علیحدگی اختیار کرلوں گی۔"

حاتم علی حیرانی سے' پریشانی سے اور غصے سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اپنی عیاشی کے لئے مجھے پھانس کرلے جائے گا تو یہی پھانسنا [illegible] کے لئے پھانسی کا پھندا بن جائے گا میں اس کے کردار پر ایک بدنما داغ بن جاؤں گی۔ وہ بچوں کو حاصل کرنے کے لئے عدالت تک جانے کی کبھی جرأت نہیں کرے گا۔ اتنا تو جانتا ہی ہے کہ پاکستان میں بدکرداروں کو کیسی سزائیں دی جاتی ہیں۔ وہ مجھے غصے سے دیکھتا

ہی رہ گیا۔

میں تھکے ہوئے انداز میں بیٹھ گئی۔ صائمہ نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "ہم جو سوچتے ہیں' وہ کر نہیں سکتے۔ تم نے کیسے کیسے منصوبے بنائے تھے کہ بیس پچیس ہزار جمع کرو گی' ایک ٹیکسی قسطوں پر حاصل کرو گی۔ اب یہ منصوبہ خواب بن کر رہ جائے گا۔"

میں نے کہا۔ "میں ہمت ہارنے والی نہیں ہوں۔ زندگی گزارنے کے بے شمار راستے ہوتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان تمام راستوں پر چلنا ہمارے اختیار میں نہیں ہوتا۔ حالات اور اپنے ذرائع اور اپنی قابلیت کے لحاظ سے دو چار راستوں کا انتخاب کیا جاسکتا ہے۔ اب میں دوسرا راستہ اختیار کروں گی۔"

وہ میرے پاس بیٹھ کر بولی۔ "کیا تم نے کچھ اور سوچ رکھا ہے؟"

"ایسے وقت بزرگوں کی باتیں یاد آتی ہیں۔ وہ کہتے ہیں' سواری وہ کرو جس کی لگام اپنے ہاتھ میں ہو۔ اگر ہم ٹیکسی حاصل کرتے تو اس کی لگام حاتم علی کے ہاتھوں میں ہوگی اور اس کا ہاتھ اب ناقابلِ اعتبار ہوگیا ہے۔ مجھے بچوں کو پڑھانے کا کچھ تجربہ ہو چکا ہے۔ میں نے یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ ٹیوشن سینٹر کس طرح قائم کئے جاسکتے ہیں اور کس طرح چلائے جاسکتے ہیں۔ تم بھی تعلیم یافتہ ہو۔ ہم دونوں مل کر ایک چھوٹا سا اسکول قائم کریں گے۔"

"اس کے لئے بھی اچھی خاصی رقم کی ضرورت ہوگی۔"

"ہاں' میں سمجھتی ہوں۔ اسکول کھولنے کے لئے ایک ایسے مکان کی ضرورت ہوگی جہاں بچوں کی دو چار کلاسوں کے لئے دو چار کمرے موجود ہوں' اتنے بڑے مکان کا کرایہ ڈیڑھ دو ہزار روپے سے کم نہ ہوگا۔ پھر بچوں کے لئے بنچ اور ڈیسک وغیرہ اور دوسرے ضروری سامان کی خریداری لازمی ہوگی۔ اسی لئے تو ٹیوشن سینٹر والے بچوں کی زیادہ سے زیادہ فیس رکھتے ہیں تاکہ وہ اپنے اخراجات پورے کرسکیں۔ اس مقصد کے لئے میرے پاس رقم آسکتی ہے۔ میری ماں بضد ہے کہ ہمارا مکان بیچ دیا جائے۔ اسے فروخت کردینے سے کم از کم چالیس ہزار روپے میرے حصے میں آئیں گے' لیکن میرا دل نہیں مانتا۔"

"جس بات کو دل اور دماغ نہیں مانتا ہو اسے نہیں کرنا چاہئے۔ پھر تمہیں ایسی کیا

ضرورت آپڑی ہے۔ اسکول میں اچھی خاصی ملازمت ہے' اچھی خاصی آمدنی ہے تم میرے کام آنے کی ذہن میں کوئی جذباتی قدم اٹھاؤ گی تو مجھے دکھ ہوگا۔"

"میں تمہارے لئے جو کچھ کروں گی گویا اپنے لئے کروں گی تمہارا اور میرا دکھ الگ نہیں ہے تم بھی حلال کی کمائی پر زندہ رہنا چاہتی ہو' اب شوہر پر تکیہ کرنا دانشمندی نہیں ہے۔ ہمیں کچھ کرنا ہوگا۔"

کیا کرنا ہوگا۔ یہ ہماری سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ میں نے صائمہ کو تسلی دی "ہمیں فکر مند نہیں ہونا چاہئے ابھی تو میں کما رہی ہوں' اگر ہم اس مسئلے پر غور کرتے رہے' تو انشاء اللہ معقول آمدنی کے لئے کوئی نہ کوئی راستہ نکل آئے گا۔"

☆------☆------☆

ہم سوچتے رہے اور دن گزرتے رہے۔ میں صبح گھر سے نکل کر اسکول جاتی تھی۔ واپسی پر صائمہ کے پاس آتی تھی۔ پھر شام کو گھر واپس آتی تھی۔ ایک شام گھر آئی تو ماں بہت خوش تھی۔ اس نے کہا۔ "بیٹی! ایک سرکاری آدمی تمہارے باپ کا پتا پوچھتا ہوا آیا تھا۔ اس نے بتایا ہے' صدر کے دھماکوں میں جتنے لوگ ہلاک ہوئے ہیں' ان کے ورثا کو پچاس ہزار روپے دیئے جارہے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "اری تُو ایسے خوش ہو رہی ہے جیسے زندگی بھر میرے باپ کی کمائی ہنسی خوشی قبول کرتی رہی ہو۔"

میری ماں کو غلطی کا احساس ہوا۔ اس کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ وہ ذرا اداس ہو کر بولی۔ "بیٹی! میں نے تیرے باپ کی قدر نہیں کی مجھ سے جو غلطی ہوئی اسے بھول جا۔ آخر میں تیری ماں ہوں۔ تیری سرپرست ہوں۔ تیرے برے بھلے کی ذمے دار ہوں۔ یہ دیکھ' وہ شخص یہ پتا دے گیا ہے کہہ رہا تھا' یہ کمشنر صاحب کا ایڈریس ہے' یہاں پہنچ کر معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔"

میں نے ایڈریس لے لیا۔ اپنے کمرے میں آئی۔ ماں میرے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ "میں نے برکت کو صاف صاف سنادیا ہے۔ میں اپنی خور بانو کو ناراض نہیں کرسکتی۔ اس کے لئے ساری دنیا چھوڑ سکتی ہوں۔ لہٰذا میں نے برکت کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ اب وہ میرے گھر آئے گا نہ میں باہر نکل کے اس کا منہ دیکھوں گی۔"

میں نے چارپائی پر بیٹھے ہوئے کہا۔ "اگر تم ایسا کرو گی تو بہت برا کرو گی۔"

وہ میرے قدموں کے پاس فرش پر بیٹھ گئی' مجھے بہت برا لگا لیکن میں اس کی مکاریوں کو سمجھتی تھی۔ آخر اس کی ہی بیٹی تھی۔ وہ مجھے بہلانے' پھسلانے اور مجھ سے اپنا کام نکالنے کے لئے میرے قدموں تک پہنچ گئی تھی۔ میں نے کہا اگر تُو نے برکت سے رشتہ توڑا تو پھر تیرے ان بچوں کو کس باپ کا نام ملے گا؟"

وہ خوشامدانہ انداز میں بولی۔ "تُو اگر میرا ساتھ دے تو یہ تیرے اپنے ہی بہن بھائی ہیں۔ انہیں مسکین میاں کا نام ملے گا۔ اس طلاق کی بات بھول جا۔ اس کاغذ کو جلا دے۔"

"ابا کی ڈائری میں بہت کچھ لکھا ہوا ہے۔"

"اس ڈائری کو بھی جلا دے۔"

"ہاں' وہ ڈائری اور طلاق کا کاغذ جل جائے گا تو تم اس مکان کی حقدار ہو جاؤ گی۔ یہ جو پچاس ہزار روپے سرکار کی طرف سے ملنے والے ہیں' یہ بھی بیوی کے ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور تم میرے باپ کی بیوہ کہلاؤ گی۔ یہ سبق تمہیں برکت نے پڑھایا ہے اور اسے تم میرے پاس آکر سنا رہی ہو۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "آخر تُو کس مٹی کی بنی ہے۔ ہم پر شبہ کیوں کرتی ہے۔ کیا ہم تیرے دشمن ہیں۔ سیدھی بات تیری سمجھ میں کیوں نہیں آتی؟"

"تم لوگوں نے کوئی سیدھی بات کی ہو تو سمجھ میں آئے۔ اگر ایک جانور میرے سامنے آکر کہہ دے کہ اس کی دم سیدھی ہو گئی ہے تو میں کبھی نہیں مانوں گی۔"

وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ میرے قدموں سے دور ہو کر بولی۔ "تُو اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہے میں اپنا حق منوا کر رہوں گی۔"

"کیوں اس بڑھاپے میں بدمعاش برکت کے ساتھ جیل جانا چاہتی ہے۔ مجھے طیش نہ دلا ورنہ میں ابھی تھانے پہنچ جاؤں گی۔"

وہ پھر نرم پڑ کر بولی۔ "میں تجھ سے جھگڑا تو نہیں کر رہی ہوں ایک ماں ہونے کے ناتے اپنا حق سمجھا رہی ہوں۔ آخر تیرے باپ کے رشتے سے نہ سہی' تیرے رشتے سے تو بہت کچھ پانے کا حق رکھتی ہوں۔"

"جب تو اس گھر کو اپنے بچوں کے ساتھ چھوڑ کر جائے گی تو تمہیں کرائے کے

مکان میں رہنے کے لئے ماہانہ دو سو روپے دے دیا کروں گی۔ اس سے زیادہ مجھ سے، اس گھر اور ان سرکاری پچاس ہزار روپوں سے کوئی توقع نہ رکھنا۔"

میں دوسرے دن کمشنر صاحب کے دفتر پہنچی۔ وہاں اسپتال کا ڈسچارج سرٹیفکیٹ اور ڈیتھ سرٹیفکیٹ پیش کیا۔ مجھ سے کہا گیا کہ میں مسکین میاں کے دوسرے وارث کو حاضر کروں۔

میں نے کہا۔ "میرے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ ایک ماں تھی جو آج سے بیس برس پہلے طلاق لے چکی ہے۔"

میں نے ثبوت کے طور پر اس طلاق نامے کی ایک نقل پیش کر دی اور کہا۔ "ضرورت ہوگی تو اصل بھی پیش کردوں گی اور دوسرے دن اپنی ماں کو بھی یہاں لے آؤں گی۔"

میں نے گھر جا کر کہا۔ "اری! تجھے کمشنر صاحب کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور یہ کہنا پڑے گا کہ آج سے بیس برس پہلے طلاق لے چکی ہے۔"

وہ ناگواری سے بولی۔ "جب مجھے پچاس ہزار روپے میں سے ایک پیسہ بھی نہیں ملے گا تو میں وہاں کیوں جاؤں۔ میں نہ جاؤں گی۔ نہ کوئی بیان دوں گی۔"

"ٹھیک ہے، کل میں تحریری بیان دوں گی کہ میری ماں نے بیس برس پہلے طلاق لینے کے بعد دوسری شادی نہیں کی اور ایسی زندگی گزاری ہے جو نہایت ہی شرمناک ہے، لہٰذا اسے بدچلنی کے الزام میں فوراً گرفتار کیا جائے۔"

وہ پریشان ہوگئی، پھر چادر لپیٹ کر باہر جانے لگی۔ میں نے کہا۔ "تُو نے کل قسم کھائی تھی کہ برکت کا منہ نہیں دیکھے گی۔ پھر مشورہ لینے جا رہی ہے۔"

وہ چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد واپس آئی۔ پھر میرے ہاتھوں کو تھام کر گڑگڑانے کے انداز میں بولی۔ "بیٹی! جو کہے گی، وہی کروں گی لیکن ہمارا کچھ تو خیال کر، چل ہمیں کچھ نہ دے۔ مگر پچیس ہزار روپے دے دے۔ میں یہ مکان تیرے نام لکھ جاؤں گی۔"

"میں پچیس ہزار تو کیا پچیس روپے نہیں دوں گی۔ تُو نے برکت جیسے غنڈے کی مدد سے میرے باپ کو مجبور کیا۔ اس سے زبردستی مکان کے کاغذات لکھوائے۔ اب میری باری ہے تجھے بھی زبردستی میرے نام یہ مکان کرنا ہوگا۔ نہیں کرے گی تو ساری

دنیا میں بدنام ہوگی۔ سزا الگ پائے گی۔ تیرے تینوں بچے در در کی ٹھوکریں کھائیں گے۔ انہیں کبھی باپ کا نام نہیں ملے گا۔ البتہ جب تُو سنگسار کی جائے گی تو انہیں تیری لاش ملے گی۔"

وہ میرے قدموں میں گر گئی مجھے پھر ندامت سی محسوس ہوئی۔ میں نے پیچھے ہٹ کر کہا۔ "دیکھ ایسی حرکت نہ کر۔ میں موم ہونے والی نہیں ہوں۔ جب برکت میرے باپ کو پیٹ رہا تھا اور وہ لہولہان ہو رہا تھا تو کیا تیرا دل موم ہوا تھا؟"

وہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔ "مجھے پچیس ہزار نہ دے۔ پندرہ ہزار دے دے مگر خدا کے لئے کچھ رقم دے تاکہ میں یہاں سے نکل کر اپنے بچوں کے لئے روزگار کا سلسلہ کرسکوں۔"

میں دوسرے دن اسٹامپ پیپر لے کر آئی۔ اپنی ماں کی طرف سے اس پر لکھوایا کہ وہ مکان مسکین میاں کا ہے اور میری ماں کا اس مکان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ لکھوانے کے بعد میں نے ماں کے انگوٹھے کا نشان اس پر لیا۔ پھر وہ کاغذات واپس لئے، جو اس نے میرے باپ سے جبراً لکھوائے تھے۔ اس کے بعد کہا۔ "چونکہ تُو نے میری اس حد تک بات مان لی ہے، لہٰذا میں تجھے پانچ ہزار دوں گی اور تُو اپنے بچوں کو لے کر یہاں سے چلی جائے گی۔"

دوسرے دن میں اسے لے کر کمشنر صاحب کے پاس حاضر ہوئی، وہاں اس نے بیان دیا کہ میں چھ ماہ کی تھی تو اس نے میرے باپ سے طلاق لی تھی، اس کے بعد دوسری شادی کرلی تھی اور دوسرے شوہر سے اس کے تین بچے ہیں۔

میں نے اس کی لاج رکھ لی۔ اس کے خلاف کوئی بیان نہیں دیا۔ مختصر یہ کہ یہ معاملہ بہ حسن وخوبی نمٹ گیا۔ چار دن بعد جب مجھے پچاس ہزار ملے تو میں سیدھی بنک گئی۔ وہاں پینتالیس ہزار روپے جمع کئے اور پانچ ہزار لاکر ماں کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ وہ اسی شام اپنے تینوں بچوں کو لے کر، اپنا ضروری سامان سمیٹ کر وہاں سے چلی گئی۔ گھر خالی ہوگیا۔

میں خوش ہوکر صائمہ کے پاس آئی اور کہا۔ "ہمیں ٹیوشن سینٹر کے لئے ایک مکان کی ضرورت تھی۔ میرا مکان اس مقصد کے لئے خالی ہوچکا ہے۔ اب ہم بچوں سے زیادہ فیس نہیں لیں گے کم سے کم فیس لے کر انہیں اچھی سے اچھی تعلیم دیں

گے۔"

صائمہ نے خوش ہو کر کہا۔ "اللہ تعالیٰ نیک نیتی کو دیکھتا ہے اور واقعی صبر کا پھل ملتا ہے۔ ہمیں بھی مل رہا ہے۔"

ہم نے بڑی سہولت سے ایک نئے اسکول کے لئے کام شروع کیا۔ ہمیں اس سلسلے میں بہت کچھ کرنا تھا۔ اس گھر کی مرمت کرانا تھی رنگ و روغن کرانے کے بعد بچوں کے لئے بنچ اور میزیں خریدنا تھیں' اور بھی بہت سی مصروفیات تھیں' اس میں کم از کم مہینے دو مہینے لگ جاتے اب ہمیں دال روٹی کی فکر نہیں تھی۔ ہم خوب سوچ سمجھ کر کم سے کم پیسے خرچ کر کے اچھے سے اچھا اسکول قائم کرنا چاہتے تھے۔

میں نے ابھی اسکول کی ملازمت نہیں چھوڑی تھی۔ صبح اسکول جاتی تھی دوپہر کو آتی تھی۔ پھر اپنے اسکول کے لئے کام میں لگ جاتی تھی۔ وقت تیزی سے گزرتا جارہا تھا۔ اس دوران حاتم علی ایک بار صائمہ سے ملنے آیا تھا۔ پھر گھنٹے دو گھنٹے رہ کر چلا گیا تھا۔ اس نے صائمہ کو کچھ روپے دینا چاہے' لیکن اس نے رقم ٹھکرا دی۔ اسے سمجھایا۔ "دیکھو ہم عورتیں کتنے حوصلے اور صبر سے کام کر رہی ہیں۔ حلال کی روزی حاصل کرنے کے لئے اپنی تعلیمی صلاحیتوں سے استفادہ کر رہی ہیں۔ وہ پھر ناراض ہو کر چلا گیا۔ اس کی اپنی مجبوری تھی۔ وہ سیف اللہ کے پندرہ ہزار روپے ادا کر رہا تھا اور اس کے لئے ہیروئن کے عذاب میں مبتلا ہوتا جارہا تھا۔

میں مانتی ہوں' وہ مجبور تھا۔ اگر ایسا نہ کرتا تو اسے جرمانے کے طور پر پندرہ ہزار روپے خود ادا کرنا پڑتے اور تین ماہ قید کی سزا الگ ہوتی لیکن اس سے فرق پڑتا ہے' اگر وہ ایک شریفانہ زندگی گزارنے کے لئے تین ماہ کی قید قبول کر لیتا اور پندرہ ہزار روپے نہ دینے کی صورت میں مزید تین ماہ کی سزا اور ہو جاتی' تب بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔ جب بھی وہ جیل سے باہر آتا اسے ہمارا ایک قائم کردہ اسکول ملتا۔ وہاں اس کے لئے روزگار ہوتا ہم تینوں مل کر ایک دوسرے کے کام آتے اور میں اپنے وعدے کے مطابق صائمہ جہاں کہتی وہاں شادی کر لیتی۔ ایسے وقت ہمیں حاتم علی کے تعاون کی سخت ضرورت تھی اور وہی ہمارے ساتھ نہیں تھا۔

یہ ایک تنہا صائمہ کی داستان نہیں ہے' یہ مجھ اکیلی کی روداد نہیں ہے۔ ہمارے جیسی بے شمار عورتیں اپنے مردوں کے ہوتے ہوئے بھی بے سہارا ہوتی ہیں۔ اپنے

بل پر کارخانوں اور فیکٹریوں میں محنت مزدوری کر کے دو وقت کی روٹیاں حاصل کرتی ہیں۔ مانا کہ یہ دنیا مردوں کی ہے زندگی کے ہر شعبے پر مرد چھایا ہوا ہے اور مرد زیادہ محنت کرتا ہے' مرد زیادہ کماتا ہے اور مرد زیادہ عورت کو تحفظ دیتا ہے لیکن بدنصیبی یہ تھی کہ ہمارے حصے میں ایسا کوئی مرد نہیں آتا تھا۔

تقریباً چھ ماہ بعد میں نے اسے سندھی ہوٹل کے بس اسٹاپ پر دیکھا۔ وہ بہت لاغر ہو چکا تھا' داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ جسم پر کئی دن کے میلے کپڑے تھے۔ اس کے انگوٹھے اور کلمے کی انگلی کے درمیان ایک سگریٹ اس حد تک جل چکا تھا کہ اب انگلیاں جلنے والی تھیں۔ اس پر بھی وہ سگریٹ نہیں چھوڑ رہا تھا کسی نہ کسی طرح اس کے کش لگا کر دھواں اندر ہی اندر گھونٹ رہا تھا۔ یہ سمجھنے کے لئے بہت زیادہ عقل کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ ہیروئن بیچتے بیچتے خود ہیروئن کا عادی ہو چکا تھا۔

میرے دل سے ایک سرد آہ نکلی۔ آہ! میں نے کیسے مرد سے دل لگایا......... جو دل والا تو تھا مگر حوصلے والا نہیں تھا۔ صائمہ مجھ سے زیادہ بدنصیب تھی۔ وہ اس کی منکوحہ تھی۔ اس سے منہ موڑ سکتی تھی مگر اسے چھوڑ نہیں سکتی تھی۔ وہ اس کے بچوں کا باپ تھا۔ وہ اس کی پابند تھی۔ وہ اسے زبان سے برا کہتی تھی مگر دل سے برا نہیں کہہ سکتی تھی۔ میں معقول روزگار کے ذریعے اس کی زندگی خواہ کتنی ہی خوشحال بنادوں' اس کے بچوں کو اچھی تعلیم و تربیت دے کر انہیں جوان کرنے میں صائمہ کے ساتھ بھرپور تعاون کروں' پھر بھی وہ تمام عمر حاتم کے لئے روتی رہے گی کیونکہ مرنے والے پر صبر ہو جاتا ہے' جو زندہ آنکھوں کے سامنے ہو' اس کے لئے صبر نہیں ہوتا۔"

وہ اسٹاپ پر کھڑا ہوا تھا۔ میں سڑک کے اِدھر تھی وہ اُدھر تھا۔ ہمارے درمیان سے گاڑیاں گزرتی جارہی تھیں۔ میں نے کسی طرح سڑک پار کی۔ اس کے قریب پہنچی' وہ سگریٹ کو اس کے آخری دھوئیں تک پھونکنے میں مصروف تھا۔ پھر انگلیاں جلنے لگیں تو اس نے چھوڑ دیا۔ میں اس کے پیچھے جا کر کھڑی ہوگئی۔ میرا دل چاہتا تھا اسے مخاطب کروں۔ اسے پھر باتیں سناؤں۔ شاید وہ راہ راست پر آجائے۔ شاید وہ دوبارہ جیل جا کر اپنی غلطیوں کی سزا پا کر ایک شریف آدمی کی طرح واپس آئے۔

اس کے قریب ہی ایک شخص اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ حاتم نے ذرا قریب ہو کر کہا۔ "بھائی صاحب! میں لانڈھی کا رہنے والا ہوں۔ اِدھر کام کی تلاش

میں آیا تھا۔ کام نہیں مل سکا۔ اب واپس جانا ہو گا۔ میرے پاس بس کا کرایہ نہیں ہے۔ کیا آپ کے پاس دو روپے ہوں گے۔"

اس شخص نے حاتم علی کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ حاتم نے جلدی سے کہا۔ "میں بھیک مانگنے والا نہیں ہوں۔ ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ نو برس سے بے روزگار ہوں۔ آپ مجھے اپنا نام اور پتا لکھ دیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں جیسے ہی نوکری ملے گی، میں آپ کے دو روپے واپس کردوں گا۔"

اس کی بات سن کر میرا سر چکرا رہا تھا۔ ہماری ملاقات اور ہماری شناسائی اسی دو روپے کی بھیک سے شروع ہوئی تھی۔ وہ شخص جیب میں ہاتھ ڈال کر دو روپے نکال رہا تھا۔ حاتم نے اس کے سامنے ہتھیلی پھیلا دی تھی۔

وہ ایک مرد کی ہتھیلی تھی۔ اس ہتھیلی پر وہ دنیا کا بوجھ اٹھاتا ہے۔

اس ہتھیلی پر تقدیر صرف لکیر بناتی ہے اور مرد اپنا مقدر بناتا ہے۔

یہ ہتھیلی زمین کی طرف جھکے تو ہل چلاتی ہے۔ آسمان کی طرف اٹھے تو ستاروں پر کمند ڈالتی ہے۔

یہ ہتھیلی عورت کے قدموں پر آئے تو ممتا کی جنت بنتی ہے اور سر پر آئے تو بہن کا آنچل بن جاتی ہے۔

میں اس ہتھیلی پر اپنے ہونٹ رکھ دیتی تو وہاں پیار کے پھول ہی پھول کھلتے لیکن وہ ہتھیلی ننگی اور بے مقصد تھی۔ وہ ایک مرد کی نہیں، ایک ہیروئن فرش، بھک منگے کی ہتھیلی تھی۔

وہ شخص اپنی جیب سے دو روپے نکال چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ دو روپے دیتا، میں تیزی سے آگے بڑھی۔ برقع کے نقاب کو اٹھایا، پھر جھک کر اس کی ہتھیلی پر تھوک دیا۔

"آخ تھو............"

کالی کون ہے؟ میں یا یہ ہتھیلی؟

☆======☆======☆

کاروبار وراثت

زیادہ سے زیادہ دولت اور جائیداد کی ہوس انسان کو انسانیت کے اعلیٰ مقام سے گرا دیتی ہے اور اشرف المخلوقات ذلت کی پستیوں میں جا گری ہے۔
وہ بھائیوں کی شرمناک کہانی جو باپ کی جائیداد میں سے زیادہ سے زیادہ حصہ وصول کرنے کے لئے اپنی عزت اور غیرت سے دستبردار ہو گئے تھے۔

لہلہاتی ہوئی فصلوں کے سامنے لوگوں کا مجمع لگا ہوا تھا۔ عورتیں' مرد' بچے' جوان اور بوڑھے سب ہی تماشا دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے کچھ کھڑے ہوئے تھے باقی مٹی اور کھیتوں کی پگڈنڈیوں پر بیٹھے آسمان کی طرف یوں دیکھ رہے تھے جیسے اب تب میں کوئی عجیب وغریب خلائی مخلوق نامعلوم بلندیوں سے زمین پر اترنے والی ہو۔

کھیت کے ایک حصے میں ایک شخص اسٹینڈ پر کیمرا نصب کئے کھڑا ہوا تھا۔ کیڑے مار دوا کی اشتہاری فلم تیار ہو رہی تھی۔ کیمرے سے ذرا فاصلے پر یونٹ کے چند افراد تھے۔ ڈائریکٹر بار بار کلائی کی گھڑی کو اور صاحب عالی کو دیکھ رہا تھا۔ صاحب عالی کی نظریں دور کیمیکل فیکٹری کی بڑی سی چمنی کو دیکھ رہی تھیں جہاں سے دھواں نکل رہا تھا اور لہراتا ہوا اوپر کو جاکر فضا میں تحلیل ہو رہا تھا۔

وہاں دور تک صاحب عالی کی زمینیں تھیں۔ ان زمینوں پر جو پنڈ آباد تھا اس کے سیاہ و سفید کا مالک بھی صاحب عالی تھا۔ اس نے شہر میں رہ کر تعلیم حاصل کی تھی اس لئے........... گفتگو کے ڈھنگ اور آداب واطوار سے واقف تھا۔ اس نے سیاسیات میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی تھی۔ اگر یہ ڈگری نہ لیتا تب بھی جاگیردارانہ سیاست باپ دادا سے ورثے میں ملی ہوئی تھی۔ سیاست میں جذباتیت سے پرہیز کیا جاتا ہے۔ چونکہ وہ جوان تھا اس لئے سامنے سے کوئی جوانی گزرے تو کوئی شعر ہو جایا کرتا تھا۔ وہ دیکھنے اور شعر کہنے کی حد تک جذباتی تھا۔ کسی پرائی غزل کو چھوتا بھی نہیں تھا۔ ایک نہایت حسین دوشیزہ اس کے تصور میں تھی جسے اس نے کبھی دیکھا نہیں تھا اور اسے دیکھنے اور پالینے کی آرزو کرتا تھا۔

اس کا بھائی جناب عالی اس سے ایک برس چھوٹا تھا۔ اس نے برائے نام تعلیم حاصل کی تھی۔ زمینیں فصل کی صورت میں سونا اگلتی ہوں تو تعلیم ضروری نہیں سمجھی جاتی۔ اسے شکار سے دلچسپی تھی۔ شکار چرند و پرند کا ہو تو بندوق کی گولیوں سے ہوتا

تھا۔ کسی دوپاؤں کی مست ہرنی کا ہو تو بازوؤں کی قوت سے ہوا کرتا تھا۔ ہرنی کو جبراً اٹھا کر کاندھے پر لاد کر اس کے چیخنے چلانے' اور تڑپنے' مچلنے کے باوجود طلب کے دستر خوان تک لانے کی جو محنت ہوتی تھی' اس میں پسینہ آجاتا تھا لیکن پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری مل جاتی تھی۔ اس طرح ایک عجیب سی مردانہ وار مسرت حاصل ہوتی تھی۔

ان کے والد عالی حاکم نے دونوں بھائیوں کے درمیان کچھ زمین تقسیم کردی تھی۔ وہ دونوں ایک ایک پنڈ کے مالک تھے۔ ان دونوں کے پنڈ کے درمیان کیمیکل فیکٹری اور باقی زمینیں ابھی باپ کے نام پر تھیں۔ اس فیکٹری میں کیڑے مار ادویات تیار ہوتی تھیں۔ باپ کو خوش رکھنے کی خاطر دونوں بھائی اس فیکٹری کی ذمہ داریاں سنبھالتے تھے۔ اس کے کئی شعبے ایسے تھے جن کا تعلق سرکاری زرعی افسران اور کیمیکل کے ماہرین سے تھا۔ ان سے تعلقات استوار کرنے اور خط وکتابت کرتے رہنے کے لئے تعلیم لازمی تھی اس لئے اس فیکٹری میں تعلیم یافتہ صاحب عالی کا عمل دخل جناب عالی سے زیادہ تھا۔

جہاں زر' زن اور زمین کے حصول کا معاملہ ہو' وہاں بھائی اپنے بھائی کا نہیں ہوتا۔ جناب عالی نے ماں سے شکایت کی۔ "بے بے! ابا وڈے بھا پر زیادہ بھروسا کرتا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے وہ فیکٹری اسی کے نام کردے گا۔ اگر ایسا ہوگا تو میں..........."

اس نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی تاکہ ماں اس کی حمایت میں فقرہ مکمل کرے اور کہہ دے کہ اس کے ساتھ ناانصافی نہیں ہوگی لیکن ماں نے گھور کر کہا۔ "وے میں کیا۔ آگے بول' کیا تو اپنے ابا کو مار ڈالے گا۔ وڈے بھا کی جان لے لے گا؟"

وہ اپنی ران پر ہاتھ مار کر بولا۔ "میں.......... میں اپنے آپ کو ختم کرلوں گا۔"

ماں کا کلیجا دھک سے رہ گیا۔ وہ دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر بولی۔ "ہائے میں مرجاواں۔ خبردار جو ایسی بات کی۔ ہم سب مانتے ہیں کہ صاحب عالی فیکٹری کی بڑی ذمہ داریاں سنبھالتا ہے لیکن جب بٹوارا ہوگا تو فیکٹری کی آمدنی میں دونوں کا برابر کا حصہ ہوا کرے گا۔ تیرے ساتھ ناانصافی نہیں ہوگی۔ خواہ مخواہ اپنا دل میلا نہ کر۔"

جناب عالی خوش ہو کر ماں کے گلے سے لگ گیا۔ "سچ بے بے! کھا میری قسم۔"

اسی وقت چوہدری عالی حاکم نے کمرے میں آکر کہا۔ "بڑا پیار ہو رہا ہے ماں پتر میں۔ بات کیا ہے؟ کس بات کی قسم لی جا رہی ہے۔"

"اس کا خیال ہے کہ آپ فیکٹری صاحب عالی کے نام کریں گے۔"

"نہ چوہدرانی۔ وہ فیکٹری دونوں بھائیوں میں سے کسی کے نام نہیں ہوگی۔"

چوہدرانی نے حیرانی سے پوچھا۔ "یہ کیا بات ہوئی؟ آخر کسی کے نام تو ہوگی؟"

"بے شک وہ ہوگی میرے پوتوں کے نام۔"

"ہائیں۔ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"وہی جو تم سن رہی ہو۔ جس کے ہاں بیٹے زیادہ ہوں گے اسی کے فیکٹری میں حصے زیادہ ہوں گے۔ اگر دونوں کے برابر بیٹے ہوں گے تو دونوں فیکٹری کے برابر کے مالک ہوں گے۔"

چوہدرانی نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔ "آپ بھینس خریدنے سے پہلے دودھ دوہنے اور پینے کی باتیں کر رہے ہیں۔ ان کی شادیاں نہیں ہوئی ہیں۔ اولاد کے خواب دیکھ رہے ہیں۔"

"شادی ہونے میں دیر کتنی لگتی ہے۔ بہوئیں لانے کے لئے سات سمندر پار نہیں جانا ہے۔ لڑکیاں ہمارے خاندان میں ہیں۔"

"خاندان میں کئی لڑکیاں ہیں۔ آپ کی نظروں میں کون ہیں؟"

"میں انصاف پسند ہوں۔ ایک لڑکی تیری بہن کی ہوگی اور ایک لڑکی میری بہن کی۔ میں نے صاحب عالی کے لئے راشدہ کو پسند کیا ہے۔ تیری بہن کی بیٹی رخسانہ اس جناب عالی کے لیے کیسی رہے گی؟"

چوہدرانی نے خوش ہو کر کہا۔ "آپ تو میرے دل کی باتیں کہہ رہے ہیں۔ میں تو آج ہی رخسانہ کا رشتہ مانگنے جاؤں گی۔"

"میں بھی راشدہ کا رشتہ مانگنے میں دیر نہیں کروں گا۔ شادی جتنی جلدی ہو جائے، ہم دادا دادی بن جائیں گے تو فیکٹری کا معاملہ بھی نمٹ جائے گا۔"

دونوں بھائیوں کے لئے اصل معاملہ فیکٹری کا تھا۔ صاحب عالی ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے تصورات میں آنے والی اور اپنی غزلوں میں سمانے والی حسینہ کا منتظر تھا لیکن انتظار کرتا رہتا تو جناب عالی شادی کرکے بیٹے کا باپ بن کر اس منافع بخش

فیکٹری کو جیت لیتا۔

اس نے شاعرانہ حسن و جمال رکھنے والی حسینہ کو بالائے طاق رکھ دیا۔ راشدہ جیسی بھی تھی، باپ کی پسند تھی، اسے دلہن بنالیا۔ حویلی میں دو دلہنیں آگئیں لیکن دلہاؤں کے لئے تجسس سے بھرپور تھیں۔ دونوں بند تجوریاں تھیں۔ پتا نہیں قدرت کب انہیں کھولنے والی تھی اور جب کھولتی تو تجوری سے بیٹی نکلتی یا بیٹا؟ بڑے اضطراب میں مبتلا کرنے والی دلہنیں آئی تھیں۔

دوسری طرف چوہدری اور چوہدرانی کے دلوں میں بھی یہ چور آرزوئیں تھیں کہ ان کی اپنی بہن کی بیٹی پہلی بار بیٹے کی ماں بنے۔ آئندہ بھی جو جتنے بیٹے پیدا کرے گی فیکٹری میں اس کے بیٹوں کا حصہ بڑھتا جائے گا۔

گویا صرف پہلی زچگی کی بات نہیں تھی۔ آئندہ جو زمین جس قدر سونا اگلنے والی فصلیں اگاتی یعنی جتنے زیادہ بیٹے پیدا کرتی، فیکٹری میں اس کے بیٹوں کا شیئر زیادہ ہوتا رہتا۔

یہ تو لمبا کھیل ہوگیا تھا لیکن کھیل شروع نہیں ہوا تھا۔ شادی کے چھ ماہ تک دونوں بھائی اضطراب میں مبتلا رہے۔ وہ ہر رات اپنی بیویوں سے پوچھتے تھے۔ "کب خوشخبری سنا رہی ہو؟ دوا تو ہم کر رہے ہیں، دعائیں تم کیا کرو۔"

وہ فصل کو کیڑوں سے پاک رکھنے والی فیکٹری کا معاملہ تھا۔ دوا جتنی پُراثر ہوگی، فصل اتنی ہی اچھی اور زیادہ ہوگی۔

چھوٹے بھائی جناب عالی کو غصہ جلد آتا تھا۔ وہ رخسانہ سے کہتا تھا۔ "اگر تم نے جلدی ہی خوش خبری نہ سنائی تو میں فیکٹری سے سنڈی مار دوائیں لاکر تم پر چھڑکنا شروع کردوں گا۔"

راشدہ اور رخسانہ کی مائیں بھی بڑے جتن کر رہی تھیں۔ اپنی اپنی بیٹیوں کو پیروں فقیروں کے پاس لے جاتی تھیں۔ ان دلہنوں کے لئے زیورات کی کمی نہیں تھی لیکن انہیں اتنے تعویذ پہنا دیئے گئے تھے کہ زیورات پہننے کی جگہ ہی نہیں رہی تھی۔

اس کی ساس چوہدرانی نے آم، لیمو اور گاجر وغیرہ کے اچار بنا رکھے تھے کہ پتا نہیں کب کس بہو کو کھٹے کی ضرورت پڑ جائے۔ اگر دونوں میں سے کسی کی طبیعت ذرا سی خراب ہوتی تو ڈاکٹر یا حکیم سے پہلے دائی کو بلایا جاتا تھا۔ وہ ان کا معائنہ کرتی تھی پھر

مایوسی سے دائیں بائیں سرہلا دیتی تھی۔

ویسے مایوسی سدا نہیں رہتی۔ دائی نے ایک بار رخسانہ کا معائنہ کیا' اس کا سر جو ہمیشہ دائیں سے بائیں ہلتا تھا' اوپر سے نیچے ہل گیا۔ جناب عالی نے خوشی سے بڑھک لگائی۔ چوہدرانی نے خوش ہو کر ایک من مٹھائی کا آرڈر دیا۔ اس کی بہن کی بیٹی پہلے ماں بننے والی تھی اور دل کو پورا یقین تھا کہ بیٹا ہی پیدا ہو گا۔

چوہدری عالی حاکم بھی خوش تھا۔ کسی بیٹے کا بھی بیٹا ہوتا تو اس کا ہی پوتا ہوتا مگر ایک ذرا سی سبکی محسوس ہوئی کہ چوہدرانی سے مقابلہ ہار گیا تھا۔ اس کی اپنی بہن کی بیٹی راشدہ کی طرف سے خوش خبری نہیں ملی تھی۔

صاحب عالی کو غصہ نہیں آتا تھا لیکن اس نے سخت لہجے میں راشدہ سے کہا۔ "تم نے میرا سر جھکا دیا ہے۔ اگر جناب عالی ایک کے بعد دوسرے اور تیسرے بیٹے کا باپ بنتا رہا تو فیکٹری کے تمام شیئر وہی لیتا رہے گا۔"

راشدہ کیا کر سکتی تھی۔ ایسی بدقسمتی میں وہ صرف رو سکتی تھی اور صاحب عالی کے پاس بھی صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ دونوں بھائیوں کے پنڈ میں ایک ہی سرکاری اسپتال تھا۔ بڑا اجڑا ہوا سا خالی خالی اسپتال تھا۔ ڈاکٹر بھی ایسا تھا جو پہلے شہر کے مختلف ڈاکٹروں کے پاس کمپاؤنڈر کا کام کیا کرتا تھا۔ بعد میں اس نے باقاعدہ ایک ڈاکٹر ہونے کا جعلی سرٹیفکیٹ حاصل کر لیا تھا۔ اس کے بعد ایک ایم این اے کی سفارش پر ان دونوں پنڈ کے مشترکہ اسپتال میں اس کی تقرری ہو گئی تھی۔

وہاں تنخواہ تھوڑی تھی مگر آمدنی زیادہ تھی۔ سرکار کی طرف سے دواؤں کا جو اسٹاک آیا کرتا تھا' ڈاکٹر ان میں سے تھوڑی سی دوائیں اسپتال میں رکھ کر ان میں پانی وغیرہ ملا کر پنڈ کے باشندوں کی خدمت کرتا تھا۔ باقی ہزاروں روپے کی دوائیں شہر لے جا کر فروخت کر دیتا تھا۔

حویلی والے ایسے غریب اسپتال کے غریب مریضوں کے غریب ڈاکٹر کو لفٹ نہیں دیتے تھے۔ جب رخسانہ کے پاؤں بھاری ہوئے تو اس کے لئے لیڈی ڈاکٹر کی ضرورت پیش آئی۔ جناب عالی نے شہر کی ایک معروف لیڈی ڈاکٹر کی خدمات حاصل کیں۔ شہر سے آنے جانے کے لئے ایک گاڑی اس کے لئے مخصوص کر دی اور یہ طے پایا کہ زچگی کے دن قریب آئیں گے تو وہ لیڈی ڈاکٹر دو ہفتہ حویلی میں دن رات رہے گی۔

جناب عالی کی اپنے پنڈ میں ایک حویلی تھی۔ اس نے کہہ دیا کہ رخسانہ اب مستقل اس کی حویلی میں رہے گی۔ اپنے سسر چوہدری عالی حاکم کی حویلی میں اس لئے نہیں رہے گی کہ وہاں صاحب عالی اور اس کی بیوی راشدہ رہتی ہے۔ اس نے صاف طور سے یہ اندیشہ ظاہر نہیں کیا کہ بھائی اور بھابی کوئی جادو ٹونا کرا سکتے ہیں یا کسی اور ہتھکنڈے سے اس کے ہونے والے بیٹے کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

وہ ایک بیٹے کا باپ بننے سے پہلے بہت محتاط تھا اور اس سلسلے میں بڑے معقول انتظامات کر رہا تھا۔ ٹھیک دو ہفتے بعد راشدہ کی طرف سے بھی خوشخبری ملی۔ صاحب عالی نے چھوٹے بھائی کی موجودگی میں کہا۔ "دیر آید' درست آید۔ یعنی دیر تک درست ہوتے رہنے کا مطلب یہ ہے کہ بیٹے کی تیاری میں دیر ہوتی ہی ہے۔ میں بیٹے کا باپ ضرور بنوں گا۔"

اب تو گویا الیکشن والا معاملہ ہو گیا تھا۔ نو ماہ بعد قدرت کی طرف سے ووٹ ملنے والے تھے۔ دو امیدوار تھے۔ پتا نہیں کس کے بیلٹ باکس سے بیٹے کا ووٹ نکلنے والا تھا۔

صاحب عالی نے شہر کی دوسری معروف لیڈی ڈاکٹر کی خدمات حاصل کیں۔ راشدہ کے لئے بھی شہر سے آنے جانے کے لئے ایک گاڑی مخصوص کر دی اور لیڈی ڈاکٹر سے یہ بھی طے کر لیا کہ زچگی کے دن قریب آئیں گے تو وہ زچہ اور بچہ کی مکمل خیریت تک اس کی حویلی میں دن رات رہے گی۔

اس نے بھی اپنے باپ عالی حاکم کی حویلی چھوڑ دی تھی اور راشدہ کو لے کر اپنے پنڈ کی حویلی میں آ گیا تھا کیونکہ باپ کی حویلی میں چھوٹا بھائی جناب عالی آتا جاتا رہتا تھا۔ دونوں بھائیوں نے اپنی اپنی بیویوں کو امیدوار نامزد کر کے انہیں مخالف کیمپ سے دور کر دیا تھا۔

دونوں بھائیوں کے والدین اور ان کی بیویوں کے والدین کے لئے یہ دشواری پیدا ہو گئی تھی کہ انہیں اور خاص طور پر چوہدرانی کو دونوں بیٹوں کے پنڈ روز ہی جانا پڑتا تھا۔ دلہنوں کی مائیں اپنی اپنی بیٹیوں کی دیکھ بھال میں لگی رہتی تھیں۔

دونوں کی حویلیوں کے ایک ایک کمرے میں اچھا خاصا دواخانہ کھل گیا تھا۔ انہوں نے اپنی اپنی مقررہ لیڈی ڈاکٹر سے کہہ دیا تھا کہ کسی دوا یا انجکشن کی کمی نہ ہو

تاکہ بہ وقتِ ضرورت شہر نہ جانا پڑے۔ زچہ اور بچہ کو نارمل اور صحت مند رکھنے کی ہر دوا حویلی میں منگوا کر رکھ لی گئی تھی۔

دوا لازمی ہوتی ہے۔ انسانوں کے لئے' جانوروں کے لئے اور فصلوں کے لئے اچھے اور برے حالات کے مطابق دوائیں مخصوص ہوتی ہیں۔ گندم کی فصل ہو یا کپاس کی ان میں جس قسم کے کیڑے لگتے ہیں' انہیں مارنے اور فصل کو تباہی سے بچانے کے لئے مختلف دوائیں ہوتی ہیں۔ زرعی شعبے کے ماہرین سمجھاتے ہیں کہ ان دواؤں کی کتنی مقدار پنپتی ہوئی فصل پر اسپرے کرنا چاہئے۔ دوائیں مقدار سے کم ہوں گی تو کیڑے نہیں مریں گے اور مقدار زیادہ ہوگی تو اس کا بڑا اثر صرف فصل پر ہی نہیں پڑے گا اس کے زہریلے اثرات ماحول کی آلودگی میں بھی اضافہ کریں گے اور ان سے انسانی صحت بھی متاثر ہوگی۔

اسی طرح تجربہ کار لیڈی ڈاکٹرز کسی بھی ماں بننے والی عورت کے لئے خوب سوچ سمجھ کر دواؤں کا انتخاب کرتی ہیں تاکہ بچہ پیدائش کے وقت ہی سے صحت مند رہے۔ دواؤں کا انتخاب غلط ہوگا یا معقول دواؤں کو استعمال کرنے میں کمی بیشی ہوگی تو بچہ کمزور اور عیبی ہوگا۔ لہٰذا عورت ہو یا زمین' اس سے عمدہ فصل اگانے کے لئے دوائیں لازمی ہوتی ہیں۔ ویسے فصل کے لئے کیمیکل فیکٹری ہوتی ہے اور اولاد کے لئے کیمیکل کمپنی۔ نام میں تھوڑا سا فرق ہوتا ہے لیکن کام میں فرق نہیں ہوتا۔ ذمے دارانہ اور غیر ذمے دارانہ کارکردگی کے مطابق نتائج پیش آتے ہیں۔

پہلے رخسانہ کی زچگی کا وقت قریب آیا۔ لیڈی ڈاکٹر نے شام کو بتایا کہ صبح تک زچگی ہوگی۔ چوہدرانی مغرب اور عشا کی نمازوں میں پوتے کے لئے دعائیں مانگنے لگی۔ رخسانہ کی ماں زچگی سے پہلے بیٹی اور نواسے کی سلامتی کا تعویذ لانے پیر صاحب کے پاس چلی گئی۔ حویلی کے باہر جناب عالی ڈھول تاشے اور آتش بازی کے انتظامات کرانے لگا۔

وہ نو ماہ بڑے صبر اور انتظار کے بعد گزرے تھے۔ آدھی رات کے بعد ہی لیڈی ڈاکٹر نے ایک نرس کے ساتھ زچہ کے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا اور باہر انتظار کرنے والوں کو بے چین کر دیا تھا۔ رخسانہ کی ماں تسبیح پڑھنے لگی تھی۔ چوہدرانی کبھی ٹہلنے لگتی تھی' کبھی تھک کر بیٹھ جاتی تھی۔ آخر بند کمرے سے نوزائیدہ بچے کے

رونے کی آواز سنائی دی۔ چوہدرانی خوش ہو کر بولی۔ "بیٹا ہے۔ جب میرے دونوں بیٹے پیدا ہوئے تھے تو بالکل ایسی ہی رونے کی آواز سنائی دی تھی۔"

جناب عالی نے آکر پوچھا۔ "کیا ہوا؟ ڈاکٹر نے کچھ بتایا؟"

اسی وقت ڈاکٹر دروازہ کھول کر کمرے سے باہر آئی۔ اس کے چہرے سے خوشی ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔ جناب عالی نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ "بیٹا ہوا ہے؟"

وہ مُردہ سے لہجے میں بولی۔ "ہاں بیٹا ہوا ہے مگر..........."

وہ خوش ہو کر بولا۔ "جب بیٹا ہوا ہے تو پھر یہ اگر مگر کس لئے؟"

"نرس بچے کی صفائی کر رہی ہے۔ آپ خود جا کر دیکھ لیں۔"

"ہم سے صبر نہیں ہو رہا ہے۔ کیا بچے کو صفائی کے بعد دیکھیں گے؟"

"آپ سب ابھی جا کر دیکھ لیں۔"

جناب عالی ماں اور ساس کے ساتھ تیزی سے دروازے کو کھول کر اندر پہنچ گیا۔ رخسانہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے بدن پر ایک چادر پڑی ہوئی تھی۔ پلنگ سے ذرا فاصلے پر نرس ایک پلاسٹک کے چھوٹے ٹب میں بچے کو نہلانے کے بعد تولیے سے خشک کر رہی تھی پھر اس نے بچے کو ماں کے پاس لٹایا تو سب ہی دل برداشتہ ہو کر دیکھنے لگے۔ بچے کی کھلی ہوئی آنکھوں میں سیاہ پتلیاں نہیں تھیں۔ صرف سفید دیدے تھے۔

جناب عالی نے تڑپ کر پوچھا۔ "اس کی آنکھیں ایسی کیوں ہیں؟"

لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔ "بڑے افسوس کی بات ہے۔ یہ اندھا ہے۔"

"نہیں!" رخسانہ کی ماں اور ساس صدمے سے چیخ پڑیں۔ لیڈی ڈاکٹر نے بچے سے تولیا ہٹا کر کہا۔ "اس کے دونوں پاؤں پیدائشی ٹیڑھے ہیں۔ شاید یہ بڑا ہو کر چل نہیں پائے گا۔"

جناب عالی منہ پھیر کر بولا۔ "یہ بیٹا ہے؟ کیا بیٹے ایسے ہوتے ہیں؟ ڈاکٹر! یہ کیا تماشا ہے۔"

لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔ "سوری' میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ قدرت کو جو منظور ہوتا ہے وہی ہوا کرتا ہے۔"

"ایسا بکواس بچہ تو ہمارے پنڈ کی دائی بھی پیدا کر سکتی تھی۔ آپ تو شہر کی معروف اور تجربہ کار ڈاکٹر ہیں۔ کیا یہی آپ کی تجربہ کاری اور شہرت ہے۔ میں نے آپ کی

شہرت سن کر اپنی دولت پانی کی طرح بہادی ہے اور مجھے اس کے عوض ایک اندھا اور معذور بچہ مل رہا ہے؟"

"آپ ایسے غصہ دکھا رہے ہیں جیسے میں نے اسے اندھا اور معذور بنایا ہے۔ بہتر ہے آپ یہاں کی دائی کو بلالیں۔ میں چلی جاؤں گی۔"

وہ غصے سے پاؤں پٹختا ہوا کمرے سے باہر آیا۔ سامنے ذرا فاصلے پر اس کا باپ چوہدری عالی حاکم کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ "ہم نے سب کچھ سن لیا ہے۔ خواہ مخواہ لیڈی ڈاکٹر کو غصہ نہ دکھاؤ۔"

وہ ذرا نرم پڑ گیا پھر بولا۔ "ٹھیک ہے لیکن میں نے آپ کی شرط کے مطابق آپ کو ایک پوتا دیا ہے۔"

چوہدری نے کہا۔ "ہمیں ایک مکمل پوتا چاہئے۔ کیا اندھا اور پیروں سے معذور پوتا بڑے ہو کر فیکٹری کی ترقی میں حصہ لے سکے گا۔ وہ تو اس حویلی سے فیکٹری تک کسی سہارے کے بغیر نہیں جاسکے گا۔"

"وہ معذور سہی لیکن بیٹا تو ہے۔"

"بیٹے زندگی کا تمام بوجھ اور والدین کی وراثت کی تمام ذمے داریاں اٹھاتے ہیں۔ یہ تو ایک بیٹی سے بھی گیا گزرا ہے' گھر کا چولہا بھی نہیں جلا سکے گا۔"

چوہدرانی نے آکر بیٹے کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا۔ "پتر! حوصلہ کر۔ فصل ایک بار خراب ہوتی ہے۔ اس کی خرابیوں کو سمجھ لیا جائے تو اگلے سال ضرور ہری بھری فصل ہوتی ہے۔ پچھلا نقصان پورا کر دیتی ہے۔"

وہ بولا۔ "خرابی کو سمجھنا کیا ہے۔ زمین میں سیم و تھور ہو تو وہاں کسی طرح کی کاشت نہیں ہوتی۔ اگر جبراً کاشتکاری کی جائے تو یہی نتیجہ سامنے آتا ہے جو ہمارے سامنے ہے۔ مجھے بیٹا چاہئے۔ عورتیں تو ہزاروں لاکھوں مل جائیں گی پھر میں ایسی عورت کس امید پر رکھوں جس کے اندر خرابی ہے۔ میں اسے طلاق دے رہا ہوں۔"

چوہدرانی نے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "پتر! طلاق کا نام نہ لے۔ وہ میری بہن کی بیٹی ہے۔"

"آپ اپنی بہن کی بیٹی چاہتی ہیں یا اپنے بیٹے کا بیٹا؟ اگر پوتا چاہئے تو کیا اس کے پیدا ہونے کے بعد آپ نے اسے گود میں لیا ہے؟"

چوہدرانی نظریں چرانے لگی۔ توقع کے خلاف ایسا اندھا اور معذور پوتا پیدا ہوا تھا کہ اسے ہاتھ لگانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ پھول وہ ہے جسے گلدان میں سجایا جاسکے۔ اولاد وہ ہے جسے کلیجے سے لگا کر فخر سے دنیا والوں کو دکھایا جاسکے۔

ساس نے کمرے سے نکل کر داماد کے پاس آکر کہا۔ "میں اپنے نواسے کو کلیجے سے لگاؤں گی۔ اسے تم دیکھنا بھی نہیں چاہتے۔ نہ سہی۔ میں اسے لے جاؤں گی۔ اس کی پرورش کروں گی مگر میری بیٹی کا کوئی قصور نہیں ہے' اس سے نفرت نہ کرو۔"

جناب عالی نے کہا۔ "جذباتی رشتے زمین جائیداد میں اضافہ نہیں کرسکتے۔ ہم ایسا وارث چاہتے ہیں جو زیادہ سے زیادہ زمینوں میں اضافہ کرسکے۔ اب تو صرف زراعت نہیں' فیکٹری کی صورت میں تجارت بھی ہو رہی ہے۔ میں آپ کی طرح رشتوں کو نہیں سمجھتا' زراعت اور تجارت کو سمجھتا ہوں۔ ہم بھائیوں کے درمیان زمین کی تقسیم برابر ہوئی ہے۔ فیکٹری میں برابر کے حصے کے لئے مجھے بیٹا چاہئے۔ میں ایک ہفتے کے اندر دوسری شادی کروں گا۔ آپ نواسے کے ساتھ بیٹی کو بھی لے جائیں۔ وہاں طلاق نامہ پہنچ جائے گا۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے چلتا ہوا حویلی کے باہر چلا گیا۔ رخسانہ کی ماں اپنی چوہدرانی بہن کا دامن پکڑ کر رونے اور فریاد کرنے لگی لیکن جہاں ڈھول' تاشے اور شادیانے بجنے والے ہوں' وہاں درد بھرے گیت خواہ کتنے ہی پُر اثر ہوں' بے سُرے لگتے ہیں۔ بہن کا سگا رشتہ اور بہن کی بیٹی کو بہو بنائے رکھنے کے ارمان' سب ہی بے سُرے ہو گئے تھے۔

پورے پنڈ میں خاموشی چھا گئی تھی۔ باجے بجانے والے اور بھنگڑا ڈالنے والے چلے گئے تھے۔ پنڈ کے کسی گھر میں کوئی کسی بات پر ہنسنا چاہتا تو گھر کے دوسرے اس کا منہ دبا دیتے تھے۔ حویلی میں ماتم ہو تو میلوں دور تک پھیلی ہوئی جاگیر میں کسی کو ہنسنے کی جرأت نہیں ہوتی۔

جناب عالی ایک دن اور ایک رات کے لئے شکار کھیلنے چلا گیا تھا۔ اس کے باپ عالی حاکم کی دور دور تک زمینیں تھیں' جو ابھی کسی بیٹے کے نام نہیں کی گئی تھیں۔ ان زمینوں کے متعلق بھی یہ خیال تھا کہ وہ اپنے ہونے والے پوتوں کے نام کرے گا۔ عالی حاکم نے اپنی جوانی میں جاگیر کے ایک پلاٹ پر خوب صورت بنگلا بنوایا تھا جہاں وہ

دوپایوں اور چوپایوں کا شکار کھیلتا تھا۔ اب اس کے جوان بیٹے وہاں موج مستیوں کا میلہ لگانے اپنے دوستوں اور رازدار ملازموں کے ساتھ دو چار دن کے لئے جایا کرتے تھے۔

جناب عالی نے اسی شکار گاہ سے طلاق نامہ لکھ کر بھیج دیا اور ایک پرچی بھی لکھ دی کہ اس کے حویلی میں واپس آنے سے پہلے رخسانہ کو اپنے زیورات اور تمام ضروری سامان لے کر چلے جانا چاہئے۔ اس نے ماں باپ کو پیغام بھیجا تھا کہ جب تک مطلقہ رخسانہ حویلی سے نہیں جائے گی تب تک وہ شکار گاہ سے واپس نہیں آئے گا اور دوسرا پیغام اس نے اپنی ماں کو لکھا تھا کہ وہ جاگیردار حشمت علی کی بیٹی بلقیس بانو کا رشتہ مانگنے جائے۔ ایک ماہ کے اندر یہ شادی ہونی چاہئے۔

جہاں عالی حاکم کی زمینیں ختم ہوتی تھیں وہاں سے ملک حشمت علی کی زمینیں شروع ہوتی تھیں۔ سیاسی طور پر دونوں کی جاگیریں ایک ہی انتخابی حلقے میں تھیں۔ عالی حاکم کی جاگیر میں جتنے ووٹر تھے وہ سب اپنے جاگیردار کے حکم سے ملک حشمت علی کو ووٹ دے کر اسمبلی میں پہنچاتے تھے اور یہ اتنا بڑا ووٹ بینک تھا کہ حشمت علی اپنی بیٹی کا رشتہ دینے سے انکار نہیں کرسکتا تھا۔ انکار کی صورت میں مخالف امیدوار وہ ہزاروں ووٹ لے کر کامیاب ہوجاتا۔

اسی شام صاحب عالی اپنے ایک دوست اور ملازموں کے ساتھ اس شکار گاہ میں پہنچ گیا۔ وہ کافی بڑا بنگلا تھا۔ باپ نے اس کے دو حصے کردیئے تھے۔ صاحب عالی نے اپنے حصے میں قیام کیا پھر جناب عالی کے پاس آکر بولا۔ "تم جانتے ہو کہ میں صرف چوپایوں کا شکار کھیلنے آتا ہوں لیکن شکار کھیلنا' یہاں ناچ گانے کی محفل سجانا خوشی کے وقت اچھا لگتا ہے لیکن میں تو غم سے بوجھ ہلکا کرنے آیا ہوں کیونکہ تمہارا غم میرا غم ہے۔ آہ! جب سے تمہارا دکھ سنا ہے تب سے دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔"

جناب عالی نے اسے گھور کر دیکھا پھر کہا۔ "ہا! میں خوب سمجھ رہا ہوں۔ تم جلتی پر تیل چھڑک رہے ہو۔ آج تمہیں یہاں جشن منانا چاہئے۔ میں ایک بیٹے کا باپ نہ بن سکا۔"

"تو کیا ہوا؟ گرتے ہیں شہوار ہی میدانِ جنگ میں۔ زمین اور کسان سلامت رہے تو فصل اگتی رہے گی۔"

"بے شک۔ میں ایک ماہ کے اندر دوسری شادی کروں گا اور ایک بیٹے کا باپ بن کر دکھاؤں گا۔"

"تمہارے جیسے جوان کو جو اس شکار گاہ میں آکر جوانی کا جوہر ضائع کرتا رہتا ہے' باپ بننے کا دعویٰ نہیں کرنا چاہئے۔ پہلے اپنے اعمال کا حساب کرو۔ گناہوں سے توبہ کرو۔ شہر کے کسی اسپیشلسٹ سے معائنہ اور علاج کراؤ۔ اس سے پہلے کوئی وارث پیدا نہیں کرسکو گے۔"

"تم مجھ سے صرف ایک برس بڑے ہو۔ میرے بھائی ہو' باپ نہیں ہو۔ مجھے نصیحت نہ کرو۔ میں اپنا بھلا برا خود سمجھتا ہوں۔"

"تم بہت سمجھدار ہو' میں مانتا ہوں لیکن میری بھی بات مان لو۔ کسی اسپیشلسٹ سے ضرور رجوع کرو۔ میری بات درست نکلے تو میں تمہارے بڑے کام آؤں گا۔ میرے دو بیٹے ہوں گے تو تمہیں ایک بیٹا دے دوں گا۔ تم اسے اپنی ولدیت دے کر اپنا سگا بیٹا بنا کر فیکٹری میں حصہ حاصل کرسکو گے۔"

وہ غصے سے اچھل کر بولا۔ "بکواس مت کرو۔ تم میرے بھائی نہ ہوتے تو خود کو مرد نہ کہنے والے کی زبان کھینچ لیتا۔" پھر وہ اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ "میں مرد ہوں مرد۔ ایک نہیں کئی بیٹوں کا باپ بن کر دکھاؤں گا۔ تم مجھے بیٹا خیرات کرنے آئے ہو یا سیاست کھیلنے آئے ہو؟ کیا میں تمہارے بیٹے کو اپنی ولدیت دوں گا' اسے اپنا بیٹا مشہور کردوں گا تو خون میرا ہوجائے گا؟ واہ کیا چالبازی ہے! میری جھولی میں اسے ڈال کر فیکٹری کا مالک اپنے ہی بیٹے کو بناؤ گے۔ میں تمہاری ناک سامنے سے پکڑوں یا گردن کے پیچھے سے گھما کر پکڑوں' آخر وہ تمہاری ہی ناک ہوگی۔ میرے سامنے سکہ اچھال رہے ہو' چت بھی اپنی کر رہے ہو اور پٹ بھی اپنی..........."

وہ غصے میں گرجتا برستا رہا۔ صاحب عالی مسکراتا ہوا چلا گیا۔

دو ہفتے بعد صاحب عالی کی مقرر کردہ لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔ "زچگی کا وقت قریب ہے۔ آج شام تک راشدہ بیگم ماں بن جائیں گی۔"

صاحب عالی کی حویلی میں صبح سے گہما گہمی شروع ہوگئی۔ خوشیاں منانے کے انتظامات ہونے لگے۔ راشدہ کی ماں اور دوسرے میکے والے بھی آگئے۔ چوہدری نے اپنے کمرے میں چوہدرانی کے سامنے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔ "وہ میری

بہن کی بیٹی ہے۔ ہمارے لئے پوتا پیدا کرے گی۔"

چوہدرانی نے کہا۔ "پوتا کسی بہو سے بھی ہو' ہمارا ہوگا لیکن برا نہ منائیں آپ کی بہن نے ساری عمر میں اسی ایک بیٹی راشدہ کو پیدا کیا۔ کوئی بیٹا پیدا نہ کر سکی۔ مجھے تو اندیشہ ہے کہ راشدہ بھی اپنی ماں کی طرح بیٹی کی ماں بنے گی۔ آپ نے خواہ مخواہ فیکٹری کی ملکیت کے لئے پوتوں کی شرط رکھی ہے۔"

"ہم نے کچھ سوچ سمجھ کر ایسا کیا ہے۔ چھوٹے بیٹے جناب عالی کی آوارگی دور تک مشہور ہے۔ بڑا بیٹا صاحب عالی اگرچہ بدنام نہیں ہے لیکن ہم کیا جانیں کہ وہ فیکٹری کے کام سے شہر جاکر کیا گل کھلاتا ہے۔"

"وہ آپ جیسے بہت بڑے جاگیردار کے بیٹے ہیں۔ کیا آپ اپنی جوانی میں بدنام نہیں تھے؟"

"بالکل تھے۔ مگر ہمارے اباجان نے تم سے نکاح پڑھوا دیا اور صاف کہہ دیا کہ تم سے جو اولاد ہوگی' وہی پوری جاگیر کی مالک ہوگی باقی ہم جہاں چاہیں تفریح کریں' لیکن دوسری کسی سے اولاد پیدا کریں گے تو اس اولاد کو اتنی بڑی جاگیر سے ایک انچ زمین بھی نہیں ملے گی۔ یہی ہم چاہتے ہیں کہ دونوں بیٹے ہماری لاعلمی میں کچھ بھی کریں لیکن دونوں کی بیویوں سے ہمارے پوتے ہوں' کوئی باہر والی عورت ہمارے لئے پوتے نہ لائے۔"

"لیکن ہمارا چھوٹا بیٹا اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہے۔"

"تو کیا ہوا۔ ملک حشمت علی اپنی بیٹی کو ہماری بہو بنانے پر آمادہ ہوگیا ہے۔ وہ بھی بہت بڑے جاگیردار.......... خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ ہماری بات سمجھو۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بیٹے حویلی سے باہر خواہ کتنی ہی شادیاں کریں مگر وارث اسی بہو کے بیٹے ہوں گے جسے ہم اپنی خاندانی روایات کے مطابق لائیں گے۔ یہی سوچ کر ہم نے صرف فیکٹری ہی نہیں اپنی باقی زمینیں بھی اپنے مطلوبہ پوتوں کے لئے رکھ چھوڑی ہیں۔"

"آپ نے بہت ہی دانشمندانہ فیصلہ کیا ہے۔ ہمارے بیٹے اپنے اپنے پنڈ کی آس پاس کی زمینوں سے چاہے کسی کو بھی تھوڑا سا حصہ دے دیں۔لیکن فیکٹری اور جاگیر کا بڑا حصہ ہماری لائی ہوئی بہوؤں سے ہونے والی اولاد کو ملے گا۔"

"ہمارے چھوٹے بیٹے نے ملک حشمت علی کی بیٹی کو پسند کر کے عقل مندی کا ثبوت دیا ہے۔ اگلے جمعے کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے۔ اللہ کرے آج ادھر بڑی بہو ہمیں ایک پوتا دے' ادھر چھوٹی بہو آئے گی تو انشاء اللہ ہم ایک ہی برس میں دوسرے پوتے کی خوشیاں حاصل کریں گے۔"

لیڈی ڈاکٹر نے کہا تھا کہ شام تک زچگی ہوگی لیکن دوپہر کو ہی کمرے کا دروازہ بند ہوگیا۔ ایک بار پھر تجسس نے شدت اختیار کی کہ پتا نہیں بند دروازے کے پیچھے کیا برآمد ہونے والا ہے۔

ہوتا تو وہی ہے جو عمل کا منطقی اور قدرتی نتیجہ ہوتا ہے۔ زراعت کے حوالے سے بھی پڑھایا جاتا ہے کہ انسان جو بوئے گا وہی کاٹے گا۔ لیڈی ڈاکٹر دروازہ کھول کر کمرے سے باہر آئی۔ سب نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ ذرا پریشان ہو کر بولی۔ "بیٹا ہوا ہے لیکن.........."

بیٹے کی اطلاع سن کر خوشی ہوئی لیکن لفظ "لیکن" نے خوشی کے سامنے بریک لگادیئے۔ صاحب عالی نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ "آپ خاموش کیوں ہیں؟ بات کیا ہے؟"

"بچہ بہت کمزور ہے۔ اس کے بدن کی کھال بہت ہی پتلی اور جھلی جیسی ہے۔ ہڈیوں سے ایسی لگی ہوئی ہے جیسے بدن میں گوشت نہ ہو.........."

سب نے ایک دوسرے کے پیچھے تیزی سے چلتے ہوئے کمرے کے اندر آکر دیکھا۔ راشدہ پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے بدن پر چادر پڑی ہوئی تھی۔ اس کے پہلو میں ایک نوزائیدہ بچہ ننگا پڑا تھا۔ بالکل ہڈیوں کا ڈھانچا لگ رہا تھا۔

لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔ "میں نے بڑی مشکل سے اور احتیاط سے اس کی صفائی کی ہے۔ یہ بہت کمزور ہے۔ جتنی جلدی ممکن ہو' اسے شہر کے بڑے اسپتال میں لے جانا چاہئے۔ اس کا دل نارمل رفتار سے نہیں دھڑک رہا ہے اور سانسیں بھی مشکل سے لے رہا ہے۔"

عالی حاکم نے حکم دیا۔ "فوراً شہر جانے کے لئے گاڑیاں نکالی جائیں۔"

چوہدرانی نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "یا اللہ! میرے پوتے کو سلامتی دے' لمبی عمر دے۔ میں اسے اپنی گود میں لے کر شہر جاؤں گی۔"

یہ ایک دادی کی حسرت تھی کہ وہ اپنے پوتے کو اپنے بازوؤں میں اٹھائے۔ اس کا ماتھا چومے اور اسے کلیجے سے لگائے لیکن لیڈی ڈاکٹر نے جب ایک دادی کی یہ خواہش سنی تو کہا۔ "ابھی آپ اسے سینے سے نہ لگائیں۔ نازک سے بچے کے بدن پر دباؤ پڑے گا۔ اگر آپ شہر پہنچنے تک اسے اپنے پاس رکھنا چاہتی ہیں تو اسے بڑی احتیاط سے ایک پھول کی طرح اٹھائیں۔"

اپنے پوتے کی اتنی ہی قربت تسلی بخش ہوتی کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں میں اٹھائے رکھتی۔ ملازم نے آکر بتایا کہ شہر کے اسپتال جانے کے لئے گاڑیاں تیار ہیں تو چوہدرانی اپنی بہو اور پوتے کے قریب آئی۔ اس نے بہو کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا پھر پوتے کو لینے سے پہلے اسے بڑے پیار اور ہمدردی سے دیکھا۔ بچہ خلا میں تک رہا تھا۔ دادی کے اندر وسوسہ سا پیدا ہوا۔ پوتا پلکیں نہیں جھپک رہا تھا۔ وہ بولیں۔ "ڈاکٹر صاحبہ! یہ پلکیں کیوں نہیں جھپک رہا ہے؟"

لیڈی ڈاکٹر نے چوہدرانی کو ایک طرف ہٹا کر بچے کا معائنہ کیا۔ اسٹیتھو اسکوپ سے اس کے دل کی دھڑکنیں دیکھیں پھر تھوڑی دیر تک گم صم سی اس پر جھکی رہی۔ گاڑیاں تیار تھیں۔ صاحب عالی نے کہا۔ "ڈاکٹر صاحبہ! چلیں۔"

چوہدری عالی حاکم نے کہا۔ "آپ کہہ رہی تھیں دیر نہیں کرنا چاہئے۔"

لیڈی ڈاکٹر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پاس پڑی ہوئی چادر کو اٹھا کر بچے کے اوپر ڈال دیا۔ اسے سر سے پاؤں تک چھپا دیا۔ جس طرح مُردے پر چادر ڈالی جاتی ہے۔ راشدہ نے "نہیں" کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے منہ کو چھپا لیا۔ چوہدرانی نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ پیٹتے ہوئے کہا۔ "ہائے میرے نصیب..........."

صاحب عالی کمرے سے باہر آگیا۔ لیڈی ڈاکٹر نے آکر کہا۔ "آپ کی وائف بالکل صحت مند ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا' بچہ اتنا کمزور کیوں تھا؟ ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا۔ بدن کی جلد بالکل جھلی جیسی تھی۔"

صاحب عالی نے کہا۔ "آپ ایک تجربہ کار ڈاکٹر ہیں۔ آپ کو پیدائش سے پہلے کی پوزیشن معلوم ہونی چاہئے تھی۔"

"معاف کیجئے گا۔ میں نے کہا تھا کہ شہر لے جاکر الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے بچے کی صحیح پوزیشن معلوم کرنا چاہیے اور زچگی بھی اسپتال میں ہو تو بہتر ہے لیکن آپ کے والد

نے کہا کہ ان کے خاندان میں آباؤاجداد کے زمانے سے بچے حویلی میں پیدا ہوتے آرہے ہیں۔ وہ اس خاندان کی روایت کو برقرار رکھیں گے۔"

چوہدری عالی حاکم ان کے پیچھے کھڑا سن رہا تھا۔ اس نے آگے آکر کہا۔ "بے شک۔ ہم نے ایسا کہا تھا لیکن ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ایک صحت مند ماں کا بچہ ایسا لاغر اور ہڈیوں کا ڈھانچا ہوگا۔"

لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔ "میں نے راشدہ بیگم کا خون وغیرہ سب ہی کچھ ٹیسٹ کیا ہے۔ زچہ میں کسی قسم کی خرابی نہیں ہے۔"

صاحب عالی کو اپنی توہین کا احساس ہوا۔ وہ غصے سے بولا۔ "اس بچہ پیدا کرنے والی میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ یعنی کہ ساری خرابیاں مجھ میں ہیں۔ میں ناکارہ ہوں۔ میرے خون میں خرابی ہے۔"

"میں صرف زچہ کی بات کر رہی ہوں۔ میں نے ہر پہلو سے آپ کی وائف کا میڈیکل چیک اپ کیا ہے۔ اینڈ شی از پرفیکٹلی رائٹ۔ میں نے یا کسی ڈاکٹر نے آپ کا چیک اپ نہیں کیا ہے۔ آپ کو طیش میں نہیں آنا چاہئے۔ دانشمندی کا تقاضا ہے کہ آدمی پہلے اپنے اندر کی کمزوری کا سراغ لگائے۔ اپنے اندر کی کمزوری کو سمجھنا اور تسلیم کرنا' سب سے مشکل کام ہوتا ہے۔"

صاحب عالی نے اسے گھور کر دیکھا پھر وہاں سے تیزی سے چلتا ہوا حویلی کے باہر چلا گیا۔ بچے کے کفن دفن کے وقت پتا چلا کہ باپ شکار گاہ کی طرف چلا گیا ہے۔

وہ شکار کھیلنے نہیں گیا تھا۔ صرف اپنے ایک خاص ملازم کو لے گیا تھا۔ اس بنگلے میں بیٹھ کر وہ آدھی رات تک پیتا رہا اور سوچتا رہا۔ دل نہیں مانتا تھا کہ اس کے اندر کوئی خرابی ہے۔ کچھ ایسی ہی خرابی جو چھوٹے بھائی جناب عالی کے اندر ہے۔ یا یہ خرابی انہیں باپ دادا سے نہیں ملی ہے؟ نہیں' بزرگوں میں ایسی خرابی ہوتی تو وہ دونوں بھائی بھی ٹیڑھے میڑھے' اپاہج یا ہڈیوں کے ڈھانچے بن کر پیدا ہوتے اور شاید اب تک زندہ نہ رہتے۔

دونوں بھائیوں میں جو نقص پیدا ہوا تھا' وہ ورثے میں نہیں ملا تھا۔ اگر ایسے نقائص بدکاری کے سبب پیدا ہوتے تو پھر صاحب عالی نے کبھی گناہ نہیں کیا تھا۔ وہ ایک آئیڈیل محبوبہ کا منتظر رہتا تھا۔ اس کے برعکس چھوٹا بھائی جناب عالی عیاش تھا۔ اس

میں طرح طرح کے نقائص ہو سکتے تھے۔ حالات کا یوں تجزیہ کرنے کے بعد صاحب عالی یہ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ اس کے اندر کوئی خرابی ہے۔

وہ رات کو دیر سے سویا' صبح دیر تک سوتا رہا۔ دروازے پر دستک سن کر آنکھ کھلی۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ اس نے بستر پر اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آجاؤ۔"

دروازہ کھلا۔ وہاں جناب عالی کھڑا ہوا تھا۔ اس نے چھوٹے بھائی کو دیکھ کر کہا۔

"اچھا تو تم ہو؟"

وہ قریب آکر ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ہاں مگر شکار کھیلنے نہیں آیا ہوں۔ جس طرح تم میرے غم میں شریک ہونے آئے تھے' اسی طرح میں افسوس کرنے آیا ہوں۔ سنا ہے' چاند کا ٹکڑا پیدا ہوا تھا مگر پیدا ہوتے ہی گہنا گیا اور یہ بھی سنا ہے کہ لیڈی ڈاکٹر تمہیں میڈیکل چیک اپ کا مشورہ دے رہی ہے۔"

وہ بولا "ہم دونوں کا معاملہ ایک ہے۔ اگر تم میڈیکل چیک اپ کرانے سے پہلے دوسری شادی کرو گے تو دوسری بار بھی باپ بن کر تماشا بن جاؤ گے۔"

"اور اگر تماشا نہ بنا' ایک صحت مند بیٹے کا باپ بنا اور آئندہ بھی دوسرے تیسرے بیٹے کا باپ بنتا رہا تو اپنا ایک بیٹا تمہیں دے دوں گا۔ تم اسے باپ کے طور پر اپنا نام دو گے پھر فیکٹری میں اپنے اس بیٹے کا حصہ حاصل کرو گے۔"

"میری باتیں میرے منہ پر مارتے ہوئے اس وقت اچھے لگو گے جب باپ بن جاؤ گے۔ میں نے کہا تھا' گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں۔ ابھی ہم دونوں ایک ایک بار گرے ہیں۔ کوئی بات نہیں' آئندہ بھی مواقع ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے تم بھی میری طرح دوسری شادی کرو گے؟"

"تم نے پہلی بیوی کو طلاق دے کر حماقت کی ہے۔ میں ایسا نہیں کروں گا کیونکہ وہ میڈیکل رپورٹ کے مطابق ماں بننے کے قابل ہے۔"

"ایسا کہہ کر تم اعتراف کر رہے ہو کہ خود باپ بننے کے قابل نہیں ہو۔"

"میں اعتراف نہیں کر رہا ہوں۔ میں نے ایسے کئی کیس دیکھے ہیں کہ پہلی اولاد نارمل نہیں ہوتی۔ اس میں کچھ نقائص ہوتے ہیں مگر اس کے بعد اولاد نارمل پیدا ہونے لگتی ہے۔"

وہ ہنستا ہوا کرسی سے اٹھا پھر دروازے کے پاس جا کر بولا۔ "میں تمہاری چالبازی خوب سمجھتا ہوں۔ تم ابا کو خوش کرنے کے لئے راشدہ بھابی کو طلاق نہیں دو گے کیونکہ وہ ہماری پھوپی یعنی ابا کی بہن کی صاحبزادی ہیں۔"

وہ دروازے کے باہر گیا پھر وہاں سے بولا۔ "ایک ہی ریکارڈ پر تمہاری سوئی اٹکی رہے گی تو میرا بھلا ہو گا۔ میں دوسری شادی کے بعد بیٹوں کا باپ بنتا رہوں گا۔"

وہ ہنستا ہوا چلا گیا۔ صاحب عالی نے اٹھ کر غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر ناشتا کیا پھر اپنے خاص ملازم کے ساتھ حویلی میں آگیا۔ ماں نے پوچھا۔ "کہاں چلے گئے تھے؟ تمہیں کوئی فیصلہ کر کے جانا چاہئے تھا۔"

اس نے پوچھا۔ "کیسا فیصلہ؟"

چوہدری عالی حاکم نے کہا۔ "تمہاری ماں چاہتی ہے کہ جناب عالی نے ان کی بہن کی بیٹی رخسانہ کو طلاق دی۔ اب تم میری بہن کی بیٹی راشدہ کو طلاق دو۔"

اس نے ماں کو دیکھ کر پوچھا۔ "بے بے! راشدہ کا کیا قصور ہے؟"

چوہدرانی نے کہا۔ "وہ تمہارے لئے کبھی ایک بیٹا بھی پیدا نہیں کر سکے گی۔"

"آپ نہیں جانتی ہیں۔ وہ میڈیکل رپورٹ کے مطابق ماں بننے کے قابل ہے۔"

"اور تم قابل نہیں ہو؟"

"میں خود کو عیبی نہیں کہہ رہا ہوں۔ اگر پہلا بچہ نہیں رہا تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ میں آئندہ باپ نہیں بن سکوں گا۔"

باپ نے اس کی پیٹھ ٹھونک کر کہا۔ "شاباش! تم جناب عالی کی طرح غصے میں آکر غلط فیصلہ نہیں کر رہے ہو۔"

چوہدرانی نے کہا۔ "آپ ضرور شاباشی دیں گے کیونکہ آپ کی بہن کی بیٹی کو طلاق نہیں دی جا رہی ہے۔"

چوہدری عالی حاکم مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے ہنسنے لگا۔ صاحب عالی وہاں سے اپنے کمرے میں آیا۔ راشدہ بستر کے سرہانے ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بولا۔ "کل میں دل برداشتہ ہو کر چلا گیا تھا۔ مجھے افسوس ہے۔ تمہاری طبیعت کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ میں آپ کے فیصلے کا انتظار کر رہی ہوں۔"

”کیا مشکل ہے۔ جناب عالی نے ایک حماقت کی تھی۔ اب سب ہی میری طرف سے ہونے والی حماقت کا انتظار کر رہے ہیں۔ کیا میں تمہیں احمق نظر آتا ہوں؟“

”نہیں' اچھے خاصے ذہین لوگ بھی غلطیاں کرتے ہیں۔“

”میڈیکل رپورٹ کے مطابق تمہارے اندر کوئی خرابی نہیں ہے اس لئے میں کوئی غلطی نہیں کروں گا۔“

”میں بڑی خوش نصیب ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میری ایک بات مان لیں گے۔“

”تم کیا چاہتی ہو؟“

”یہ کہ آپ اپنا میڈیکل چیک اپ کرائیں۔“

”کیوں کراؤں؟“

”ہماری آئندہ اولاد کی زندگی اور سلامتی کے لئے۔“

”دیکھو راشدہ! تقدیر کو منظور نہیں تھا اس لئے ایک اولاد ضائع ہوگئی۔ یہ ضروری تو نہیں ہے کہ دوبارہ بھی ایسا ہی ہوگا۔“

”ضروری نہیں ہے لیکن آپ کو اپنی ذات سے بے خبر نہیں رہنا چاہئے اور میڈیکل رپورٹ کے ذریعے مجھے بھی حوصلہ اور یقین دلانا چاہئے کہ آپ کے بھائی کی اولاد اور ہماری اولاد کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ آئندہ نہیں ہوگا۔“

”میں یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ جناب عالی بدکار ہے۔ اس کے ساتھ ایسا ہوتا رہے گا۔“

”ضروری نہیں ہے کہ بدکار مرد میں ہی خرابی پیدا ہوتی ہے۔ خرابی کے کئی اسباب ہوتے ہیں۔“

”مثلاً مجھ میں خرابی کا کیا سبب ہو سکتا ہے؟“

”یہی تو میڈیکل رپورٹ سے واضح ہوگا۔“

وہ جھنجلا کر بولا۔ ”تم میڈیکل رپورٹ کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو۔ کیوں میری توہین کر رہی ہو؟ کیا تم دوسری اولاد ہونے کا انتظار نہیں کر سکتیں؟“

”میں نو ماہ تک جن تکالیف اور ذہنی اذیتوں سے گزرتی رہی ہوں' انہیں میں جانتی ہوں یا میرا اللہ جانتا ہے۔“

”دنیا کی ہر ماں بننے والی عورت ایسے مراحل سے گزرتی ہے۔“

”لیکن ذہنی اذیتوں سے نہیں گزرتی۔ میں محسوس کرتی ہوں جیسے میرے اندر زہر پھیل رہا ہے۔ میں لیڈی ڈاکٹر کو اپنے احساسات بتاتی تھی۔ ابتدا میں اس نے دوائیں دیں تو آرام آتا رہا۔ آخری مہینے میں ڈاکٹر نے مجھے شہر لے جانے' الٹرا ساؤنڈ کرانے اور وہیں زچگی کرانے کا مشورہ دیا لیکن آپ سب نے متفقہ فیصلہ سنا دیا کہ اسی حویلی میں مجھے اور بچے کو مرنا ہے۔ میں تو بچ گئی وہ معصوم خاندانی روایت کے مطابق حویلی میں پیدا ہو کر زندگی نہ پا سکا۔“

”تم درست کہتی ہو لیکن ان باتوں کا میرے میڈیکل چیک اپ سے کیا تعلق ہے؟“

”آپ خود سمجھیں کہ میں اپنے اندر نامعلوم سی زہریلی تکلیف کیوں محسوس کرتی تھی؟ اس زہر نے بچے کو ہڈیوں کا ڈھانچا کیوں بنا دیا تھا؟“

”یہ تمہارا وہم ہے کہ میری کسی خرابی سے ایسا ہوا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ آپ میرا وہم سمجھ لیں لیکن آئندہ میں اپنے دوسرے بچے کو قتل نہیں ہونے دوں گی۔“

”اس بکواس کا مطلب کیا ہے؟“

”آپ اسے بکواس کہہ لیں مگر آپ جب تک طبی معائنہ نہیں کرائیں گے تب تک ہمارے درمیان فاصلہ رہے گا۔ معائنہ کرانے کے بعد ہی آپ مجھ سے بیوی کے تمام حقوق حاصل کر سکیں گے۔“

”کیا تم اس لئے سر پر چڑھ رہی ہو کہ میں نے تمہیں طلاق نہیں دی ہے؟“

”میں صرف ایک بات جانتی ہوں کہ آئندہ اپنے بچے کو مرنے نہیں دوں گی۔“

”یہ تمہارا فیصلہ ہے کہ میں طبی معائنے سے انکار کرتا رہوں گا تو تم مجھ سے دور رہو گی۔“

”آپ سے ایک التجا ہے کہ مجھے طلاق نہ دیں۔ ہم اسی حویلی کی چھت کے نیچے رہیں گے لیکن کمرے الگ الگ ہوں گے۔ میں آپ کی ہر طرح خدمت کروں گی صرف ازدواجی حقوق ادا نہیں کروں گی۔“

صاحب عالی تھوڑی دیر تک اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہا.......... پھر

بولا۔ "اگر تم ایسا چاہتی ہو تو یہی کروں گا لیکن تم ایک بات بھول رہی ہو کہ جب سمندر سے پیاسے کو شبنم بھی نہیں ملے گی تو وہ دوسرے ساحل پر جائے گا۔"

"میں نادان نہیں ہوں۔ جانتی ہوں کہ مرد روٹی کا بھوکا رہ سکتا ہے عورت کا نہیں۔ کوئی عورت سوکن کو برداشت نہیں کرتی اس لئے ایک اور التجا ہے۔ اگر آپ دوسری شادی کریں تو سوکن کو اس حویلی میں نہ لائیں۔ کبھی لانا بھی چاہیں تو پہلے مجھے کسی دوسری جگہ منتقل کردیں۔"

"تمہاری یہ باتیں بھی منظور ہیں مگر تمہیں بعد میں غلطی کا احساس ہوگا۔ صرف میرے طبی معائنے سے انکار کے باعث تم سوکن کو برداشت کرنے والی ہو۔"

"میں صرف آپ کی بھلائی چاہتی ہوں۔ آپ کو صاحبِ اولاد دیکھنا چاہتی ہوں۔ میری خواہش ہے کہ آپ کے اندر کوئی خرابی ہے تو وہ ڈاکٹروں کے علاج سے ختم ہوجائے۔ ہوسکتا ہے' دوسری بیوی بھی میری طرح ایسے ہی المیے سے گزرے اور آپ کو قائل کردے کہ آپ کے لئے طبی معائنہ لازمی ہے۔"

اس نے ایک انگلی دکھا کر کہا۔ "صرف ایک بچے کے ضائع ہونے سے تم دوسری بار ماں بننے کے خیال سے سہم گئی ہو۔ یہ میں ثابت کردوں گا اور تمہیں صاحبِ اولاد بن کر دکھاؤں گا۔"

یہ کہہ کر وہ پلٹ گیا پھر تیزی سے چلتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ ایسے وقت وہ سوچ رہا تھا کہ شاید اس کی خیالی محبوبہ اس کی زندگی میں آنے والی ہے اس لئے تقدیر دوسری شادی کا راستہ ہموار کررہی ہے۔

دوسری شادی میں بڑی کشش ہوتی ہے۔ یہ کشش ہواؤں میں اُڑاتی ہے کہ نئی عورت' نئی محبت' نئی ادائیں اور نیا رومانی ماحول کوئی خواب نہیں ہے' یہ سب کچھ ملنے والا ہے۔ جاگیردار ملک حشمت علی نے چوہدری عالی حاکم سے کہا۔ "ہمارے دیرینہ تعلقات رہے ہیں۔ آپ اپنے علاقے کے تمام ووٹ میری جھولی میں ڈالتے ہیں اور میں آپ کو حکومت سے بڑی مراعات دلاتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ اب ہمارے درمیان جو رشتے داری قائم ہونے والی ہے وہ کسی پہلو سے کمزور ہو۔ ہمیں اسے بہت مضبوط بنانا چاہئے۔"

عالی حاکم نے کہا۔ "بے شک میرا بیٹا آپ کا داماد بنے گا۔ اس سے زیادہ مضبوط

رشتہ اور کیا ہوسکتا ہے۔"

"آپ جانتے ہیں کہ میری بیٹی دس برس تک امریکا میں رہ کر آئی ہے۔ وہاں کے ماحول کے مطابق آزاد خیال ہے۔ وہ پہلے آپ کے صاحب زادے سے ملنا اور ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھنا چاہتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں' یہ اچھی بات ہے۔ ایک دوسرے کو پہلے سے اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو بعد میں کسی طرح کی رنجش پیدا نہیں ہوتی۔"

"درست ہے۔ ہمیں بدلتے ہوئے وقت اور حالات کے مطابق چلنا چاہئے۔ ہمارا زمانہ اب نہیں رہا کہ ماں باپ اپنی مرضی سے کسی کو دلہن بنا کر لائے اور دلہا میاں نے سہاگ کی سیج پر گھونگھٹ اٹھا کر دیکھا کہ گوری ہے یا کالی؟ پھر رفتہ رفتہ پتا چلا کہ خوش مزاج ہے یا بدمزاج؟ اس لحاظ سے یہ نیا دور اچھا ہے۔ لڑکیاں اور لڑکے شادی سے پہلے ایک دوسرے کے مزاج کو سمجھ لیتے ہیں۔"

"تو پھر آپ جناب عالی کو کل ہماری حویلی میں بھیج دیں۔ وہ ہمارے ساتھ لنچ کریں گے پھر شام تک رہ کر چلے جائیں گے۔"

جناب عالی بزرگوں کی اجازت سے دوسرے دن گیارہ بجے ملک حشمت علی کی حویلی میں پہنچ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ ہونے والے ساس سسر اس کا استقبال کریں گے لیکن ایک نہایت ہی ماڈرن اور اسمارٹ دوشیزہ نے حویلی سے باہر آکر کہا۔ "ہیلو! ابھی ملازم نے بتایا ہے کہ آپ مسٹر جناب عالی ہیں۔"

وہ اپنی کار کا دروازہ بند کرتے ہوئے بولا۔ "جی ہاں۔ میں ہوں جناب عالی اور آپ غالباً بلقیس بانو ہیں۔"

وہ بولی۔ "واٹ بل خیس بانو؟ یہ بہت اولڈ اور بیک ورڈ نیم ہے۔ اسٹیٹس میں میرے بوائے فرینڈ مجھے بلی کِس کہتے تھے۔ اس کا مطلب ہے' بلی کِس کرو۔ یعنی چوم لو۔ کتنا رومینٹک نیم ہے نا؟"

وہ ذرا گڑبڑا گیا پھر سنبھل کر بولا۔ "ہاں۔ بہت رومانی نام ہے اور آپ کے نام میں جو کِس ہے یہ کِس کی دعوت دیتا ہے۔ آپ سے مل کر خوشی ہورہی ہے۔"

وہ مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا کر بولی۔ "شیک ہینڈ کرتے وقت کہتے ہیں کہ مجھے تم سے مل کر خوشی ہوئی۔"

اس نے گورے ہاتھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "مجھے آپ سے مل کر خوشی ہو رہی ہے۔"

"آپ نہیں' تم۔ آئی ڈونٹ لائیک فارمیلٹی۔ دوست یا لائف پارٹنر کے درمیان تکلف نہیں رہنا چاہئے۔ ایک دوسرے کو تم سے مخاطب کرنا چاہئے۔"

وہ جس ماحول کا پرُوردہ تھا وہاں عورت کو اور خصوصاً بیویوں کو آپ کہہ کر سر پر نہیں چڑھایا جاتا تھا لیکن بلی کی ماڈرن اداؤں کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ اگرچہ وہ حسن کا کوئی شاہکار نہیں تھی' عام حسین دوشیزاؤں جیسی تھی۔ چہرے پر فارن میک اپ تھا۔ کسی فارن ہیئر ڈریسر نے اس کی زلفوں کو شانوں تک تراش کر سنہرے رنگ میں تبدیل کیا تھا۔ اس کے ناز و انداز میں اب پنجاب کا حُسن نہیں رہا تھا۔ وہ کسی کو بھی مسحور کرنے اور اپنی طرف کھینچ لینے والی مغربی اداؤں سے مالا مال تھی۔ یوں بھی پاکستانیوں کو فارن کا آئٹم زیادہ پسند آتا ہے۔ مال باہر سے آیا ہو تو اسے ہر قیمت پر حاصل کیا جاتا ہے۔

وہ اندر ہی اندر اس لئے بھی اس کا طالب ہو رہا تھا کہ بڑے سے بڑے جاگیردار کی حویلی میں ایسا فارن کا مال نہیں ہو گا جس کا ڈھانچا پاکستانی ہو اور اندر کا تمام مال مسالا امریکی ہو۔ کسی کی حویلی میں کوئی نئی انوکھی' مہنگی اور دیدہ زیب چیز آجائے تو سینکڑوں ہزاروں میل کی دوری تک تمام جاگیرداروں کی محفلوں میں اس کا چرچا ہونے لگتا ہے۔ اس طرح ایک شان ہوتی ہے کہ جو لاجواب چیز اپنے پاس ہے' وہ بڑے بڑوں کے پاس نہیں ہے۔

وہ باتیں کرتے ہوئے اسے اپنے اسٹڈی روم میں لے آئی پھر بولی۔ "اس کمرے کا ڈیکوریشن پہلے پاکستانی اولڈ فیشن کا تھا۔ میں نے چینج کر کے اسے ماڈرنائز کیا ہے۔ یہ اسٹڈی روم کیسا لگ رہا ہے؟"

"بہت خوب صورت ہے۔ میں نے امریکن فلموں میں ایسے اسٹڈی روم دیکھے ہیں۔"

"ہیو یور سیٹ اینڈ واٹ ڈو یو لائیک ان ڈرنک۔"

"جی؟" اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے بلی کا منہ دیکھا۔ وہ بولی۔ "واہ! میں پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ تم انگریزی سمجھ سکتے ہو' نہ بول سکتے ہو۔"

اسے اپنی ہونے والی بیوی کے سامنے شدت سے کمتری کا احساس ہوا۔ وہ بولا۔ "ہاں۔ وہ بات یہ ہے کہ جاگیرداری کی مصروفیات نے مجھے آٹھ جماعتوں سے زیادہ پڑھنے کا موقع نہیں دیا۔"

"نو پرابلم۔ میں تمہیں ایک ماہ کے اندر سمجھنا اور بولنا سکھا دوں گی۔ ایز یو نو (جیسا کہ تم جانتے ہو) میرے پاپا ایم این اے ہیں۔ ہم اکثر اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں سیاست دانوں اور بیوروکریٹس کی ہائی سوسائٹی میں انگریزی زیادہ بولی جاتی ہے۔ ایسی جگہ تم اردو پنجابی بولو گے تو تمہارے ساتھ میں بھی تماشا بن جاؤں گی۔ ڈو یو فالومی؟" (کیا میری بات سمجھ رہے ہو؟)

وہ اثبات میں سر ہلا کر بولا۔ "لیس فالو۔ فالو۔ ہاں فالو.........."

وہ ہنسنے لگی۔ شانوں پر پڑی ہوئی زلفوں سے کھیلتے ہوئے ہنسنے کے انداز میں ایک دلکشی تھی۔ وہ بہت اونچی شے تھی جسے وہ حاصل کرنے آیا تھا۔ کیڑے مار دواؤں کی فیکٹری ہو یا ٹیکسٹائل انڈسٹری' ان کی جو مشینیں باہر سے آتی ہیں وہ بہترین کوالٹی کا مال پیدا کرتی ہیں۔ بلی کس سے بھی یہی توقع تھی کہ وہ کوئی ٹیڑھا میڑھا اور اپاہج نہیں بلکہ اعلیٰ کوالٹی کا بیٹا پیدا کرے گی۔

وہ اس کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کے لباس سے بہت سی مسحور کن خوشبو آرہی تھی۔ اس نے کہا۔ "میں نے کمرے میں آتے ہی پوچھا تھا' واٹ ڈو یو لائیک ان ڈرنک۔ اس کے معنی ہیں تم کیا پینا پسند کرو گے۔ اونچی سوسائٹی کا یہ ایٹی کیٹ ہے کہ مہمان سے پینے کے لئے اس کی پسند پوچھی جاتی ہے۔ کیونکہ کوئی وائن پسند کرتا ہے' کوئی وہسکی اور کوئی شیمپین۔ میں تو لنچ سے پہلے شیمپین کا ایک چھوٹا سا پیگ لیتی ہوں۔ تم بتاؤ۔"

وہ بولا۔ "میں جیون ساتھی بننے آیا ہوں اس لئے شیمپین میں بھی تمہارا ساتھ دوں گا۔"

وہ خوش ہو کر دوسرے کمرے میں گئی پھر وہاں سے شیشے کے نازک سے جام میں دو چھوٹے چھوٹے پیگ بنا کر لے آئی۔ ایک جام اسے دیا۔ دونوں نے چیئرز کہہ کر جام ٹکرائے۔ وہ ایک گھونٹ پی کر بولی۔ "پاپا نے بتایا ہے کہ تم نے اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دی ہے۔"

وہ ذرا ہچکچایا پھر بولا۔ "میں مجبور تھا۔ بات اصل میں یہ ہے کہ.........."

وہ بات کاٹ کر بولی۔ "خود کو گلٹی یعنی خطاوار سمجھ کر صفائی پیش نہ کرو۔ یورپ اور امریکا میں طلاق کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میاں بیوی میں ایڈجسٹمنٹ نہ ہو' ایک دوسرے کے مزاج کے خلاف بات ہو جائے تو طلاق ہو جاتی ہے۔ ہمارے درمیان بھی کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوگا۔ ہم ایک دوسرے کو پسند کرکے شادی کریں گے۔ بعد میں یہ پسند ناپسندیدگی میں تبدیلی ہوگی تو کسی حیل وحجت کے بغیر طلاق لے دے کر الگ ہو جائیں گے۔"

مرد تو یہی چاہتا ہے کہ عورت گلے کا پھندا نہ بنے۔ اس نے خوش ہو کر کہا "بلی! تم بہت لانگ مائنڈڈ ہو۔"

وہ قہقہہ لگا کر بولی۔ "لانگ مائنڈڈ نہیں' براڈ مائنڈڈ کہا جاتا ہے۔"

وہ جھینپ کر بولا۔ "میں یہی کہنا چاہتا تھا۔ میں ایک آدھ ماہ میں تم سے انگریزی سمجھنا اور بولنا سیکھ جاؤں گا۔"

"میں چاہتی ہوں' ہم شادی سے پہلے چند اہم معاملات طے کرلیں۔ میری کچھ شرائط ہیں جنہیں میں نے کورٹ پیپر پر لکھ لیا ہے۔ تم وہ پکا کاغذ پڑھ لو۔ منظور ہو تو اس پر دستخط کردو۔ تم چاہو تو اپنی شرائط علیحدہ کورٹ پیپر پر لکھ کر مجھ سے دستخط کرا سکتے ہو۔"

اس نے کہا۔ "میری تو ایک ہی شرط ہے کہ میری شریکِ حیات مجھے بیٹے کا باپ بنائے کیونکہ بیٹا ہوگا تو میری زمینوں میں اضافہ ہوگا اور جتنے بیٹے ہوں گے' کیمیکل فیکٹری میں اتنا ہی زیادہ حصہ ہمیں ملے گا۔"

"یہ میں سن چکی ہوں۔ تمہارے فادر نے میرے پاپا کو بتایا ہے کہ وہ اپنی جاگیر سے دونوں بیٹوں کو برابر برابر حصہ دے چکے ہیں۔ اب جو زمینیں اور فیکٹری رہ گئی ہیں' وہ سب پوتوں کے نام کی جائیں گی۔ میں نے ان تمام باتوں کے پیشِ نظر شرائط لکھی ہیں اگر ان پر عمل کیا جائے گا تو تم اس فیکٹری میں اور اپنے فادر کی زمینوں میں اپنے بھائی سے زیادہ حصے حاصل کرتے رہو گے۔ میں ابھی وہ شرائط نامہ دکھاتی ہوں۔"

وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں گئی پھر وہاں سے ایک فائل لے کر آئی۔ اس میں کورٹ پیپرز پر لکھی ہوئی شرائط تھیں۔ وہ شرائط یا معاہدہ دو صفحات پر مشتمل تھا اور انگریزی زبان میں لکھا ہوا تھا۔ جناب عالی نے انہیں دیکھا پھر قدرے ندامت سے کہا۔ "میں اسے ہجے کرکے پڑھ سکوں گا لیکن سمجھ نہیں سکوں گا۔"

"کل تمہارے فادر کے ساتھ آنے والے منشی نے پڑھ لیا تھا اور تمہارے فادر نے سن کر اور سمجھ کر دستخط کئے تھے۔ کیا تم اپنے فادر کے دستخط پہچانتے ہو؟ اور یہ میرے پاپا کے دستخط ہیں۔"

"ہاں۔ یہ میرے ابا کے دستخط ہیں۔ اب اس میں کیا لکھا ہے' یہ تم پڑھ کر مجھے سمجھادو۔"

اس نے جناب عالی سے صفحات لے کر کہا۔ "اس میں لکھا گیا ہے کہ صحت مند نسل پیدا کرنے کے لئے ماں اور باپ کا صحت مند ہونا ضروری ہے۔ میرا یعنی بلقیس بانو بنت ملک حشمت علی کا میڈیکل چیک اپ کرایا جاچکا ہے۔ میڈیکل رپورٹ کے مطابق بلقیس بانو جسمانی اور ذہنی طور پر صحت مند اور نارمل ہے۔ یہ ایک کامیاب ازدواجی زندگی گزار سکتی ہے۔ اس سلسلے میں تمام میڈیکل رپورٹس بلقیس بانو کے والدین کے پاس محفوظ ہیں اور ان کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں جناب عالی ولد چوہدری عالی حاکم کے حوالے کی جارہی ہیں۔"

بلقیس عرف بلی کس نے فائل سے وہ فوٹو اسٹیٹ کاپیاں نکال کر جناب عالی کے ہاتھوں میں دیں پھر کہا۔ "اس میڈیکل رپورٹ کو اپنے پاس رکھو اور کسی بھی بڑے ڈاکٹر سے تصدیق کرالو۔ مجھ میں ازدواجی زندگی گزارنے اور صحت مند بچے کی ماں بننے کے سلسلے میں کوئی خامی نہیں ہے۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "مجھے یقین ہے۔ جب یہ میڈیکل رپورٹ تمہیں ہر اعتبار سے صحت مند اور خامیوں سے پاک کہہ رہی ہے تو پھر یہ درست ہی ہوگا۔"

"جس معاہدے پر تمہارے فادر نے دستخط کئے ہیں اس میں لکھا ہوا ہے کہ بلقیس بانو کی طرح جناب عالی کو بھی اپنا میڈیکل چیک اپ کرانا چاہئے۔"

وہ چونک کر بولا۔ "مجھے؟ مجھے کیوں؟ مجھ میں تو کوئی خامی نہیں ہے۔ جیسے دوسروں میں کوئی نہ کوئی بیماری جڑ پکڑلیتی ہے یا کوئی بیماری ابتدا میں اپنے آثار ظاہر کرتی ہے' ایسی کوئی بیماری مجھ میں نہیں ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ موسم کی تبدیلی

سے کبھی نزلہ زکام یا بخار ہوتا ہے پھر میں دوسرے دن بالکل ٹھیک ہو جاتا ہوں۔"

"جب تمہیں پورا یقین ہے تو پھر معاہدے کے مطابق چیک اپ کرالو۔ اس معاہدے میں لکھی ہوئی شرط پوری کرنے کے لئے اپنے حق میں ایک میڈیکل رپورٹ حاصل کرلو۔"

"دیکھو یہ شرط نہ رکھو۔ میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ میری مردانگی کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ یہ چیک اپ والی بات میرے بھائی کو معلوم ہوگی' میرے رشتے داروں اور دوسرے جاگیرداروں تک یہ خبر پہنچے گی کہ میں کسی سے شادی کرنے سے پہلے ڈاکٹروں کے پاس جارہا ہوں تو لوگ اسے نہیں سمجھیں گے بلکہ پیٹھ پیچھے طعنے دیں گے کہ میں مرد بننے کے لئے ستر سالہ سنیاسی بابا سے جڑی بوٹیاں لے کر استعمال کررہا ہوں۔"

"تم چیک اپ نہ کرانے کے سلسلے میں ہزار دلائل دو لیکن معاہدہ تو یہی رہے گا۔ رخسانہ تمہاری ایک ناخواندہ بیوی تھی۔ اگر تعلیم یافتہ اور باشعور ہوتی تو اپنا میڈیکل چیک اپ کراتی۔ اگر اس کے طبی معائنے کی رپورٹ اسے صحت مند قرار دیتی تو تم خامیوں سے بھرپور سمجھے جاتے لیکن میں تمہاری میڈیکل رپورٹ پڑھے بغیر ازدواجی رشتہ قائم نہیں کروں گی۔"

"کیا تم مجھ سے شادی کرنے سے انکار کرو گی؟"

"میں نے آج تم سے ملنے سے پہلے تمہاری کئی تصویریں پاپا کے ذریعے حاصل کی تھیں اور یہ سوچ لیا تھا کہ شادی کروں گی تو تم سے ورنہ امریکا واپس چلی جاؤں گی۔"

جناب عالی کا سینہ فخر سے پھول گیا کہ ایک پاک امریکن حسینہ صرف اس کی تصویروں کو دیکھ کر اس پر مرمٹی تھی۔ وہ بولا۔ "جب تم نے مجھ سے شادی کا فیصلہ کرہی لیا ہے تو خواہ مخواہ کیوں ایسا معاہدہ کررہی ہو؟"

"اس لئے کہ پہلے کی طرح اولاد ایب نارمل ہو تو الزام مجھ پر نہ آئے۔ یہ فیصلہ تم پر ہے کہ اس معاہدے کے مطابق شادی کرنا چاہتے ہو یا نہیں؟"

"مجھے سوچنے کی مہلت دو۔"

"مہلت کہاں ہے۔ بزرگوں نے شادی کے لئے جمعے کا دن مقرر کیا ہے۔ صرف چار دن رہ گئے ہیں۔ شادی سے پہلے مہندی ابٹن کی کچھ رسمیں بھی ہوں گی۔ تم ہی بتاؤ کیا سوچنے کا وقت رہ گیا ہے۔"

"پھر تو میڈیکل چیک اپ کا وقت بھی نہیں رہا ہے۔ رپورٹ حاصل کرنے میں ہفتے دو ہفتے لگ جائیں گے۔"

"کوئی بات نہیں شادی اپنے وقت پر ہوگی لیکن جب تک رپورٹ حاصل نہیں ہوگی تب تک ہمارے درمیان ازدواجی رشتہ قائم نہیں ہوگا۔ ہم ندی کے دو کنارے بن کر یعنی دو الگ کمروں میں رہا کریں گے۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو۔ جب تم بیوی بن جاؤ گی تو کیا میں تم سے اپنے حقوق حاصل نہیں کروں گا؟"

"اس کی ایک ہی صورت ہے کہ میں خاندانی منصوبہ بندی کے مرکز میں جاؤں اور عارضی طور پر ماں نہ بننے کی تدابیر پر عمل کروں اور اس دوران ہم لاہور جائیں گے۔ وہاں تم اپنا چیک اپ کراؤ گے تو یہاں کسی کو خبر نہیں ہوگی۔ ہم مکمل میڈیکل رپورٹ حاصل کرکے واپس اپنی حویلی میں آجائیں گے۔"

وہ سر جھکا کر سوچنے لگا۔ منصوبہ بندی کے تحت ازدواجی رشتہ تو قائم ہو جائے گا لیکن اولاد نہیں ہوگی۔ لہٰذا اولاد کے لئے میڈیکل چیک اپ کے مراحل سے گزرنا ہوگا۔

وہ بولی۔ "اس میں تمہارا فائدہ ہے۔ اگر ڈاکٹر تمہارے اندر کسی خرابی کی نشاندہی کرے گا تو توجہ سے علاج کے ذریعے وہ خرابی دور کی جاسکے گی۔"

وہ قائل ہوگیا۔ وہ بولی۔ "اس معاہدے پر یہ لکھ کر دستخط کرو گے کہ شادی کے ایک ماہ کے اندر اپنی مکمل میڈیکل رپورٹ پیش کردوں گا۔"

"اچھی بات ہے۔ لاؤ میں دستخط کردیتا ہوں۔ انگریزی تو نہیں جانتا۔ قومی زبان میں لکھ دوں گا۔"

اس نے معاہدہ لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو وہ بولی۔ "ایک اور شرط سن لو۔ اس میں لکھا ہوا ہے کہ تمہاری خواہش کے مطابق ایک یا دو بیٹے پیدا ہوں گے تو پھر تم کسی سے دوسری شادی نہیں کرو گے۔ مجھ پر سوکن نہیں لاؤ گے۔"

اس کے سامنے جو بیٹھی ہوئی تھی' وہ طلسم ہوشربا تھی۔ پہلی ہی ملاقات میں ہوش اُڑا رہی تھی پھر اس کی میڈیکل رپورٹ کہہ رہی تھی کہ وہ ہر اعتبار سے صحت مند ہے اور صحت مند بچوں کی ماں بن سکتی ہے اور اسے ایک فیکٹری اور زیادہ سے

زیادہ زمینوں کا مالک بنا سکتی ہے۔ ان حقائق کے پیشِ نظر اس نے معاہدے پر دستخط کردیئے۔"

☆======☆======☆

عورتیں' مرد' بچے جوان اور بوڑھے سب ہی آسمان کی طرف یوں دیکھ رہے تھے جیسے اب تب میں کوئی عجیب وغریب خلائی مخلوق نامعلوم بلندیوں سے زمین پر اترنے والی ہو۔

دراصل پنڈ والوں نے کبھی فلم کی شوٹنگ نہیں دیکھی تھی۔ وہاں کیڑے مار دوا کی ایک اشتہاری فلم تیار ہو رہی تھی۔ ایک اسٹینڈ پر فلمی کیمرا نصب کیا گیا تھا اور ویڈیو کیمرے کو ایک شخص نے کاندھے پر اٹھا رکھا تھا۔ دونوں ویڈیو کیمروں کا رخ فیکٹری کی لانبی اونچی چمنی کی طرف تھا۔ اس چمنی سے دھواں نکل رہا تھا اور لہراتا ہوا اوپر کو جاکر فضا میں تحلیل ہو رہا تھا۔

کیمیکل فیکٹری میں جو کیڑے مار دوائیں تیار ہوتی تھیں ان کی فروخت میں اضافہ کرنے کے لئے صاحب عالی ایک اشتہاری فلم تیار کرا رہا تھا۔ وہ خود فلم میکنگ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس نے ایک بہت بڑی اور مشہور ایڈورٹائزنگ کمپنی کو یہ فلم بنانے کے لئے کافی رقم دی تھی۔

ایڈ کمپنی کے مالک نے کہا۔ "مسٹر صاحب عالی! ہم نے آپ کو کئی ماڈل گرلز کی تصویریں دکھائی تھیں اور آپ نے اس فلم کے لئے مس نیلم کا انتخاب کیا تھا لیکن وہ بہت نخرے دکھا رہی تھی۔ رقم بھی زیادہ مانگ رہی تھی اور شوٹنگ کے لئے آج یہاں آنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ وہ کسی دوسری جگہ شوٹنگ میں مصروف ہوگئی ہے۔"

صاحب عالی نے پوچھا۔ "کیا ماڈل گرل کے بغیر آپ یہ اشتہاری فلم بنائیں گے؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "بھلا حسین ماڈل گرلز کے بغیر اشتہاری فلم کیسے بن سکتی ہے۔ شیونگ بلیڈ کا تعلق عورتوں سے نہیں ہوتا لیکن بلیڈ کے اشتہار میں بھی حسینہ ضرور دکھائی جاتی ہے۔ کیڑے مار دواؤں کا تعلق کسانوں اور زمینداروں سے ہوتا ہے لیکن ہم اس میں بھی حسینہ کو دکھائیں گے۔ میں نے اپنی پسند سے ایک نہایت ہی حسین وجمیل لڑکی کا انتخاب کیا ہے۔ آپ سے مشورہ لینے اور پسند کرانے کا وقت نہیں تھا لیکن مجھے یقین ہے کہ میری پسندیدہ لڑکی آپ کو ضرور پسند آئے گی۔"

"آپ کو پتا ہے کہ ایک کی پسند دوسرے کی پسند سے نہیں ملتی۔"

"جی ہاں لیکن شو بزنس میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہیروئن لاکھوں ناظرین کو پسند آجاتی ہے۔"

تمام پنڈ والے آسمان کی بلندیوں کی طرف دیکھنے لگے۔ ایک ہیلی کاپٹر بہت دور تھا۔ آسمان پر ایک ننھے سے دھبے کی طرح نظر آرہا تھا۔ ڈائریکٹر نے ویڈیو فلم کیمرا مین سے کہا۔ "ہیلی کاپٹر قریب آرہا ہے۔ چمنی کے دھوئیں کے پیچھے ہیلی کاپٹر کو رکھو۔ دھوئیں کے پیچھے سے آنے والے ہیلی کاپٹر کا مطلب یہ ہوگا کہ کیمیکل فیکٹری سے اس کا تعلق ہے۔"

کیمرا آن تھا۔ وہ ہیلی کاپٹر دھواں اگلتی ہوئی چمنی کو کراس کرتے ہوئے قریب آتے آتے کھیت کے ایک حصے میں اتر گیا۔ دونوں کیمروں کی پوزیشن بدل گئی۔ کیمرا مین ہیلی کاپٹر کے دروازے سے کچھ فاصلے پر سے شاٹ لینے کی تیاریاں کرنے لگے۔ ڈائریکٹر نے شاٹ کی تیاری کے بعد میگا فون کے ذریعے کہا۔ "مس سلطانہ! میں ایکشن کہوں گا تو ہیلی کاپٹر کا دروازہ کھلے گا اور آپ دروازے پر آکر اک ادائے ناز سے کھڑی ہوں گی اور دور تک کھیتوں پر نظر ڈالیں گی۔"

صاحب عالی نے پوچھا۔ "یہ سلطانہ کون ہے؟ آپ نے اس نام کی ماڈل گرل کی کوئی تصویر نہیں دکھائی تھی۔"

ایڈ کمپنی کے مالک نے کہا۔ "یہ ایک ہفتے پہلے امریکا سے آئی ہے۔ امریکا میں جتنی اے کلاس ماڈل گرلز ہیں' ان میں مس سلطانہ کا نام آتا ہے۔ جب ہمیں پتا چلا کہ یہ آئی ہوئی ہیں تو ہم نے ان کو زیادہ آفر دے کر آپ کے اشتہار کے لئے سائن کرلیا۔"

ڈائریکٹر نے میگا فون کے ذریعے کہا۔ "ایکشن۔"

ہیلی کاپٹر کا سلائڈنگ دروازہ آہستہ آہستہ کھلنے لگا۔ وہ ہیلی کاپٹر کے اندر سے دروازے پر آکر دن کی پوری روشنی میں کھڑی ہوگئی۔ یوں لگا جیسے تاریکی میں سورج طلوع ہوگیا ہو۔ سب کی نظریں اس پر جم گئیں۔ صاحب عالی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی آہستہ آہستہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا لیکن نظریں اسی پر ٹھہر گئیں۔

اس کے پیروں میں سرخ سینڈلز تھیں۔ سینڈلز کے ساتھ سیاہ رنگ کی جرابیں

تھیں۔ صاحب عالی کی فیکٹری میں جو کیڑے مار دوائیں تیار ہوتی تھیں' انہیں سربہ مہر ڈبوں میں بند کیا جاتا تھا۔ اس ڈبے پر جو بڑا سا لیبل لگا رہتا تھا' اس پر کیڑے مکوڑوں کی تصاویر اور فیکٹری مونوگرام کے تمام سرخ اور سیاہ رنگوں سے پرنٹ کئے ہوئے تھے۔ انہی کی مناسبت سے مِس سلطانہ نے سینڈلز اور جرابوں کے علاوہ لباس بھی سرخ اور سیاہ پہنا تھا۔

حسینہ کا رنگ گلابی تھا۔ سرخ رنگ میں وہ خوب کھل رہی تھی اور سیاہ رنگ میں ایسے نمایاں ہو رہی تھی جیسے برسوں کے تاریک تصورات سے بالکل وہی آئیڈیل محبوبہ نگاہوں کے سامنے آگئی ہو۔ وہ حیرانی سے دیکھ رہا تھا اور خود کو یقین دلا رہا تھا کہ اس کی آئیڈیل آسمان کی بلندیوں سے اتر کر اس کے کھیتوں میں چلی آئی ہے۔

اس کی فیکٹری میں جو کیڑے مار دوائیں تیار ہوتی تھیں ان کا نام "جھٹ پٹ" رکھا گیا تھا۔ لیبل پر لکھا ہوتا تھا۔ "فصلوں کو برباد کرنے والے کیڑوں کو جھٹ پٹ مارنے والی زود اثر دوا۔"

صاحب عالی اشتہاری فلم کی تیاری کے دوران یہی دیکھنے آیا تھا کہ "جھٹ پٹ" کے نام کی مناسبت سے یہ فلم زمینداروں اور کسانوں کو جھٹ پٹ کیڑے مارنے کے سلسلے میں قائل کر سکے گی یا نہیں؟

دوا تو ایک طرف رہی۔ اشتہاری فلم کی حسینہ نے پہلی ہی نظر میں صاحب عالی کے سینے سے جھٹ پٹ دل نکال لیا تھا۔ توقع تھی کہ جو بھی وہ فلم دیکھے گا' وہ حسینہ کو بھول نہیں پائے گا اور جب اسے یاد رکھے گا تو کیڑے مارنے والی دوا "جھٹ پٹ" کو بھی ہمیشہ یاد رکھے گا۔

ایڈ کمپنی کے مالک نے سلطانہ سے اس کا تعارف کرایا۔ "مِس سلطانہ! ان سے ملیں۔ یہ "جھٹ پٹ" فیکٹری کے مالک جناب صاحب عالی ہیں۔ یہ دور تک پھیلی ہوئی زمینیں انہی کی ہیں۔"

اس نے ایک سادہ سی شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی۔ قمیض پر ایک واسکٹ بھی پہن رکھی تھی۔ سلطانہ نے کہا۔ "آپ فیکٹری اور اتنی زیادہ زمینوں کے مالک ہیں یعنی جاگیردار ہیں مگر لگتے نہیں ہیں۔ آپ کے لباس کو اور آپ کی سادگی کو دیکھ کر میں سمجھ رہی تھی کہ آپ کوئی شاعر ہیں۔"

ایڈ کمپنی کے مالک نے کہا۔ "ماشاء اللہ آپ کی نظریں ایکسرے کی طرح اندر دیکھ لیتی ہیں۔ یہ واقعی شاعر ہیں اور جناب صاحب عالی یہ ہیں مِس سلطانہ' پچھلے ہفتے امریکہ سے آئی ہیں اور پاکستان میں سب سے پہلے آپ کی اشتہاری فلم میں اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔"

صاحب عالی نے سلطانہ سے کہا۔ "گویا میری تقدیر آپ کو میرے لئے یہاں لائی ہے۔"

وہ بولی۔ "ہو سکتا ہے۔ مقدر کی ہیرا پھیری کو سمجھنا مشکل ہے۔ اس اشتہاری فلم سے پہلے تین ایڈ کمپنی والے آئے تھے۔ میں سوپ' کریموں' پرفیومز' پاؤڈرز اور شیمپو کے اشتہارات میں اس قدر کام کر چکی ہوں کہ بور ہو گئی ہوں۔ جب مجھے بتایا گیا کہ فصلوں کو تباہی سے بچانے کے لئے عوام تک معیاری اناج پہنچانے کے سلسلے میں کام کرنا ہے تو میں ملکی اور ملی جذبے کے تحت یہاں کام کرنے آگئی ہوں۔"

"آپ کے جذبات قابلِ قدر ہیں۔ آپ سے مل کر حقیقی معنوں میں خوشی ہو رہی ہے۔"

ڈائریکٹر نے آکر سلطانہ سے کہا۔ "میڈم! شاٹ ریڈی ہے۔ تشریف لائیے۔"

صاحب عالی نے کہا۔ "میرا خیال ہے پہلے آپ کو کچھ کھا پی کر تازہ دم ہو جانا چاہئے۔ شوٹنگ تو ہوتی رہے گی۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "پنجاب کے لوگ کھانے پینے اور جان بنانے کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ ویسے یہاں کا پانی بڑا صاف وشفاف ہے۔ ہاضمے کا کام کرتا ہے۔ میں جب سے لاہور آئی ہوں' مجھے بھی بار بار بھوک لگتی ہے۔"

"تو پھر پہلے کھانا ہو جائے۔"

"میں پہلے یہ شارٹ دے کر آتی ہوں پھر کھاؤں گی۔"

وہ ڈائریکٹر کے ساتھ چلی گئی۔ ایڈ کمپنی کے مالک نے کہا۔ "اسے کام کی اتنی لگن ہے کہ کام کے دوران کھانا پینا بھول جاتی ہے..........."

صاحب عالی کے کانوں میں ایڈ کمپنی کے مالک کی باتیں نہیں پہنچ رہی تھیں۔ وہ دور بیٹھی ہوئی سلطانہ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ شاٹ شروع ہونے سے پہلے چہرے کے میک اپ کو درست کر رہی تھی۔ پھر وہ کیمرے کے سامنے گئی' دواؤں سے بھرا ہوا سلنڈر

اپنی پشت پر لاد کر کپاس کی فصل کے پاس آئی اور پودوں پر تھوڑا سا اسپرے کرنے کے بعد کیمرے کی طرف پلٹ گئی۔ ڈائریکٹر نے "کٹ" کہا۔ شاٹ اوکے ہوگیا۔ وہ پھر صاحب عالی اور ایڈ کمپنی کے مالک کے پاس آگئی۔ وہاں ایک میز پر حلوہ پوریاں اور لسی سے بھرا ہوا جگ رکھا ہوا تھا۔

سلطانہ نے صابن سے دونوں ہاتھ دھوئے کیونکہ کیڑے مار دوائیں بڑی حد تک زہریلی ہوتی ہیں پھر وہ میز کے پاس ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ میز کے دوسری طرف اس کے سامنے صاحب عالی بیٹھا تھا۔ اس نے حلوے اور پوریوں کے ساتھ لسی کا ایک گلاس بھی اس کے سامنے رکھا تو وہ بولی۔ "میں یہ کھالوں گی مگر لسی نہیں پیوں گی۔ میرے لئے پانی منگوادیں۔"

صاحب عالی نے کہا۔ "جس طرح امریکا میں شراب پلا کر میزبانی کی جاتی ہے اسی طرح ہم لسی پلا کر مہمان نوازی کرتے ہیں تاکہ مہمان امریکا جاکر بھی پنجاب کی لسی کو یاد رکھے۔"

"میں امریکا واپس جانے کے لئے نہیں آئی ہوں۔ مغربی ماحول میں بہت رہ چکی ہوں۔ اب اپنے وطن میں رہوں گی۔"

صاحب عالی کا دل خوش ہوگیا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ تقدیر نے اس آئیڈیل کو اس کے لئے ہی امریکہ سے ایکسپورٹ کیا ہے تاکہ وہ اس حسینہ کو اپنی زندگی میں امپورٹ کرلے۔

ڈائریکٹر نے آکر ایک کاغذ سلطانہ کو دیتے ہوئے کہا۔ "میڈیم! آپ آرام سے کھالیں۔ اس کے بعد ٹاکی شاٹ ہے۔ اس کاغذ پر فصلوں اور کیڑوں کے متعلق جو لکھا ہوا ہے' وہ آپ کیمرے کے سامنے بولیں گی۔"

ڈائریکٹر کاغذ دے کر چلا گیا۔ وہ کھانے کے دوران پڑھنے لگی پھر بولی۔ "اس میں لکھا ہے کہ کپاس کو امریکن سنڈی نقصان پہنچاتی ہے۔ میں حیران ہوں پاکستان کی فصلوں کو برباد کرنے کے لئے بھی امریکا اپنے کیڑے یعنی سنڈیاں بھیجتا ہے۔"

ایڈ کمپنی کے مالک نے پوچھا۔ "مسٹر عالی! یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ کپاس میں لگنے والے کیڑوں کو امریکن سنڈیاں کیوں کہا جاتا ہے؟"

صاحب عالی نے کہا۔ "اس سلسلے میں میری معلومات وسیع نہیں ہیں لیکن عقل

کہتی ہے کہ کپاس' دھان اور گندم وغیرہ کے لئے بیج اور مخصوص کھاد کم پڑ جائے تو ہم یہ چیزیں امریکا سے منگواتے ہیں۔ ان میں ایسی کھاد اور ایسے بیج ہوتے ہیں' جن میں کیڑوں نے پہلے سے جگہ بنائی ہوتی ہے۔ زرعی اطلاعات پہنچانے والے عملے میں کچھ بددیانت لوگ ہوتے ہیں۔ وہ کیڑے کھائے ہوئے بیجوں کی ملاوٹ کرتے ہیں۔ اس طرح جو سنڈیاں پروان چڑھیں اور ان کا موازنہ امریکا کی فصلوں کی سنڈیوں سے کیا گیا تو دونوں ایک جیسی پائی گئیں۔"

"ہاں۔ کچھ ایسی ہی بات ہوسکتی ہے مگر انہیں کس طرح شناخت کیا گیا ہے؟"

صاحب عالی نے کہا۔ "امریکن سنڈی کے انڈے عام طور پر پودے کے اوپر نئے پتوں پر ہوتے ہیں۔ یہ انڈے اس وقت تک گلابی رنگ کے ہوتے ہیں جب تک ان کے اندر سے سنڈیاں نہیں نکلتی ہیں۔ کیڑے مار دوائیں ایسے ہی وقت اسپرے کی جاتی ہیں' جب ان انڈوں سے سنڈیاں نکلتی ہیں۔"

"یہ کیسے معلوم ہوتا ہے کہ انڈوں سے سنڈیاں نکلنے والی ہیں؟"

"ہمارے ملک میں ناخواندگی اور اپنے ہی پیشے سے لاعلمی عام ہے اس لئے ناظم زرعی اطلاعات کے تحت زرعی توسیع عملہ یا پیسٹ وارننگ کے عملے کے افراد معلومات فراہم کرتے رہتے ہیں۔"

اتنا کہہ کر وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔ سلطانہ نے پوچھا۔ "آپ کس بات پر ہنس رہے ہیں؟"

"میرے شاعرانہ مزاج کی بات ہے۔ آپ جیسی حسین و جمیل دوشیزہ کے سامنے غزل کہنا چاہئے اور میں کیڑے مکوڑوں کی بات کررہا ہوں۔"

وہ بولی۔ "جب آپ بول رہے تھے تو میں کچھ ایسی ہی بات سوچ رہی تھی کہ شاعری میں حسن ہوتا ہے لیکن آپ شاعر ہوکر فیکٹری میں زہریلی دوائیں بناتے ہیں۔"

"اسے یوں سمجھ لیں کہ گلاب کے ساتھ کانٹے ہوتے ہیں۔ میرے ساتھ زہریلی دوائیں ہیں' وہ کیڑوں کو مار کر فصلوں کو تازگی دیتی ہیں۔ مس سلطانہ! آپ تو گلاب سے بھی سوا ہیں۔ کیا آپ کی زندگی میں کوئی محافظ آچکا ہے یا ابھی چانس باقی ہے؟"

وہ لسی پی رہی تھی۔ اچانک اسے ٹھسکا لگا۔ وہ کھانسنے لگی۔ لسی کا کچھ حصہ اس کے لباس پر گرا۔ صاحب عالی جلدی سے اٹھ کر اپنے رومال سے اس کے لباس کو

پونچھنے لگا۔ وہ اٹھ کر بولی "ٹھیک ہے' یہ ابھی خشک ہو جائے گا۔"

ڈائریکٹر نے کہا۔ "دودھ اور دہی کا دھبا رہ جاتا ہے۔ یہ فلم کی کنٹی نیوٹی کا لباس ہے۔ اسکرین پر دھبا نمایاں طور پر دکھائی دے گا۔ اسے فوراً صابن سے دھونا ہوگا۔"

صاحب عالی نے کہا۔ "میں انہیں ابھی گاڑی میں حویلی لے جاتا ہوں۔ وہاں ملازمہ دھبا صاف کردے گی۔ آئیے مس سلطانہ!"

ایڈ کمپنی کے مالک نے کہا۔ "آپ کی واپسی تک سورج ڈھل جائے گا۔ شوٹنگ نہیں ہو سکے گی۔"

صاحب عالی نے کہا۔ "کوئی بات نہیں۔ شوٹنگ پیک اپ کرادیں۔ باقی کام کل ہوگا۔"

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن شوٹنگ ایک دن لیٹ ہوگی تو ہمارا پچیس تیس ہزار کا نقصان ہوگا۔"

"نقصان نہیں ہوگا۔ کل صبح آپ کو تیس ہزار کا چیک مل جائے گا۔"

سطانہ نے کن انکھیوں سے صاحب عالی کو دیکھا۔ ایک جاگیردار کے لئے تیس ہزار روپے کچھ نہ سہی لیکن وہ ایڈ کمپنی کا یہ نقصان اسی کی خاطر پورا کر رہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ لینڈ کروزر میں آکر بیٹھ گئی۔ ایک ملازم نے اس کا سامان لاکر رکھ دیا۔ صاحب عالی نے ماتحت سے کہا۔ "ایڈ کمپنی کے مالک اور ڈائریکٹر کو مہمان خانے میں پہنچا دو اور فلم یونٹ کے باقی لوگوں کی رہائش اور کھانے پینے کا انتظام کرو۔ کسی کو کسی طرح کی شکایت نہ ہو۔"

اس نے گاڑی آگے بڑھادی پھر دھیمی رفتار سے ڈرائیو کرنے لگا۔ سلطانہ نے پوچھا۔ "آپ مجھے تنہا اپنے ساتھ حویلی لے جا رہے ہیں۔ کیا آپ کی وائف مائنڈ نہیں کرے گی؟"

"وہ میکے گئی ہوئی ہے۔ ویسے بھی جس بیوی نے دوسری شادی کی اجازت دے رکھی ہو وہ بھلا کیوں مائنڈ کرے گی۔"

"تعجب ہے۔ عورت کبھی سوکن کو برداشت نہیں کرتی' آپ کی بیگم نے اتنی فراخ دلی کا مظاہرہ کیوں کیا ہے؟ کیا دونوں کے مزاج نہیں ملتے؟"

وہ چند لمحوں تک خاموش رہا پھر بولا۔ "آپ اتنی حسین ہیں کہ مجھ جیسے شاعر کا تخیل ہیں۔ میں آپ کا دل جیتنے کے لئے سو طرح کے دکھڑے بیان کر سکتا ہوں اور اپنی بیوی کی بے شمار خامیاں بیان کر سکتا ہوں لیکن میری راشدہ اتنی اچھی ہے کہ میں اس میں کوئی برائی نکال ہی نہیں سکتا۔"

سلطانہ نے کہا۔ "یور آر گریٹ۔ میں نے پہلا شوہر دیکھا ہے جو کسی دوسری عورت سے لفٹ لینے کے لئے اپنی بیوی کو ظالم اور خود کو مظلوم نہیں کہہ رہا ہے۔ پھر ایسی صورت میں جبکہ دوسری شادی کرنے کے لئے اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔"

"میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ عموماً فلموں کی ہیروئن کے ساتھ اس کی ماں یا اس کی نانی یا کوئی اور رشتے دار آتا ہے۔ آپ اکیلی کیوں آئی ہیں؟"

وہ ذرا ہنسی' پھر بولی۔ "آپ بھول رہے ہیں کہ میں امریکی ماحول میں رہ کر آئی ہوں۔ وہاں گھر والے یہ نہیں سوچتے کہ جوان لڑکی کسی کے عشق میں گرفتار ہو کر اس سے شادی کرلے گی تو ماں' نانی یا دوسرے میکے والوں کے اخراجات کیسے پورے ہوں گے۔ سیدھی سی بات ہے کہ میرے والدین اس دنیا میں نہیں رہے اور دوسرے رشتے داروں نے مجھے کمائی کا ذریعہ نہیں بنایا ہے' میں آزاد ہوں۔"

"امریکا میں ماڈل گرلز کو یہاں سے کئی گنا زیادہ معاوضہ ملتا ہے پھر آپ یہاں کیوں چلی آئیں؟"

"میں نے بڑے ڈالرز کمائے ہیں اور یہ سوچ رکھا تھا کہ پچیس برس کی ہو جاؤں گی تو پاکستان جاکر شادی کروں گی۔ میں عمر نہیں چھپاتی۔ اب چھبیس برس کی ہو چکی ہوں۔"

"آپ میری طرح صاف اور سیدھی بات کہہ دیتی ہیں۔ میں بھی سیدھی سی بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ کیا مجھے لائف پارٹنر بنانا چاہیں گی؟"

وہ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔ "کچھ آپ کی پرسنل لائف کا بیک گراؤنڈ معلوم ہو جائے تو کوئی معقول فیصلہ کر سکوں گی۔"

"میں سمجھ رہا ہوں آپ یہ سوچ رہی ہوں گی کہ ایک ایسی بیوی نے دوسری شادی کی اجازت کیوں دی جبکہ اس میں کوئی عیب نہیں ہے اور میں آپ سے شادی

کیوں کرنا چاہتا ہوں جبکہ اپنی بیوی کی کوئی برائی نہیں کرتا ہوں اور برائی نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر اعتبار سے ایک اچھی شریکِ حیات ہے۔"

"ہاں۔ جب میاں بیوی ہم مزاج ہوں اور ایک دوسرے کی قدر کرتے ہوں تو پھر دوسری شادی کیوں؟"

"اولاد کے لئے۔"

"اچھا تو وہ بانجھ ہے؟"

"نہیں۔ ابھی تین ہفتے پہلے اس نے ایک بیٹے کو جنم دیا تھا مگر بچہ بہت ہی لاغر اور ہڈیوں کا ڈھانچا تھا۔ بدن میں جیسے گوشت نہیں تھا۔ وہ پیدائش کے پندرہ یا بیس منٹ کے بعد مرگیا۔"

"کیا ڈاکٹر نے کہا ہے کہ آپ کی وائف آئندہ ماں نہیں بن سکے گی؟"

"ڈاکٹر نے ایسی کوئی پیش گوئی نہیں کی۔ راشدہ اچھی صحت مند ہے۔ وہ پھر ماں بن سکتی ہے۔"

گاڑی حویلی کے سامنے پہنچ گئی تھی۔ دو مسلح ملازم بڑا سا آہنی گیٹ کھول رہے تھے۔ وہ گاڑی گیٹ سے گزر کر حویلی کے دروازے کے قریب رک گئی۔ دوسرے دو مسلح ملازموں نے تیزی سے آکر دونوں طرف کے دروازے کھولے۔ سلطانہ گاڑی سے اتر کر صاحب عالی کے ساتھ حویلی کے اندر آئی۔ صاحب عالی نے ایک ملازمہ کو بلایا پھر اس نے کہا۔ "بی بی جی کو دوسرے کمرے میں لے جاؤ۔ یہ لباس تبدیل کریں گی۔ تم ان کا یہ لباس اس طرح دھونا کہ اس کا یہ دھبا ختم ہو جائے۔"

پھر اس نے سلطانہ سے کہا۔ "آپ آرام کرنا چاہیں تو کر سکتی ہیں۔ اگر باتیں کرنا چاہیں تو میں یہاں بیٹھک میں رہوں گا۔"

وہ ملازمہ کے ساتھ چلی گئی۔ صاحب عالی نے ایک ملازم کو بلا کر کہا۔ "باورچی سے بہترین کھانے تیار کراؤ۔ اگر مہمان بی بی جی یہاں بیٹھک میں آئیں گی تو ہمارے لئے چائے لے آنا۔"

ملازم چلا گیا۔ صاحب عالی صوفے پر پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا۔ چھت کی طرف تکنے لگا۔ وہاں سلطانہ مسکرا رہی تھی۔ آدمی جو سوچے' وہ مل جائے تو وہ بڑا خوش نصیب ہوتا ہے۔ اس کے تصور میں جو حسینہ آیا کرتی تھی اس سے کچھ ملتی جلتی سلطانہ اس کی

حویلی میں آئی تھی۔ فی الوقت کسی رشتے کے بغیر آئی تھی۔ آئندہ من کی مراد پوری کرنے والا رشتہ ہو سکتا تھا۔

وہ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر لباس بدل کر بیٹھک میں آگئی۔ صاحب عالی صوفے پر لیٹا ہوا تھا۔ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "آپ لیٹے رہیں' شاید آپ سونا چاہتے ہیں۔"

"بالکل نہیں۔ میں دن کو نہیں سوتا اور سچ پوچھیں تو آپ نے یہاں آکر میری تنہائی دور کر دی ہے۔"

"میں بھی اس نئے ماحول میں تنہا نہیں رہ سکتی تھی پھر یہ کہ آپ کی باتوں نے مجھے الجھا دیا ہے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ بیگم راشدہ ایسی نارمل اور صحت مند شریکِ حیات کی موجودگی میں آپ دوسری شادی کیوں کرنا چاہتے ہیں۔ کیا دوسری شادی ایک نیک سیرت بیوی کے لئے سزا نہیں ہوگی؟"

"بات یہ ہے کہ مجھ سے پہلے میرے چھوٹے بھائی جناب عالی کے ہاں ولادت ہوئی تھی۔ بچہ اندھا اور اپاہج پیدا ہوا تھا۔ اس کے بعد میرا بیٹا ہوا' وہ بھی ایب نارمل تھا۔ میرے بھائی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اب دوسری شادی کر چکا ہے۔ وہ ثابت کرے گا کہ اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ وہ صحت مند بیٹے کا باپ بنے گا لیکن میری بیوی راشدہ کہتی ہے کہ ہم دونوں بھائیوں میں کوئی خرابی ہے اور مجھے مکمل طور پر میڈیکل چیک اپ کرانا چاہئے۔"

"آپ کی وائف درست کہتی ہے۔ آپ چیک اپ کرائیں۔"

"کیوں کرالوں؟ کیا میرے بھائی نے کرایا ہے۔ اس نے چیک اپ کے بغیر دوسری شادی کی ہے۔ اگر وہ بیٹے کا باپ بن جائے گا تو میں بڑے نقصان میں رہوں گا۔"

"کیسا نقصان؟"

"ہمارے ابا نے ہم دو بھائیوں کو برابر حصہ دے دیا ہے۔ صرف فیکٹری اور اپنے حصے کی زمینیں وہ اپنے پوتوں کے نام لکھنا چاہتے ہیں۔ ہم بھائیوں میں سے جو جتنے بیٹے پیدا کرے گا' اسے ابا کی فیکٹری اور زمینوں سے اتنا ہی زیادہ حصہ ملے گا۔ اصل جھگڑے کی بنیاد زمین اور فیکٹری ہے۔ راشدہ کی یہ ضد مجھے نقصان پہنچائے گی کہ میں

اپنا میڈیکل چیک اپ کراؤں۔ میں اسے سمجھاتا ہوں کہ ایک بچہ اگر ایب نارمل ہوا تو یہ ضروری نہیں ہے کہ دوسرا بھی ایسا ہی ہو اور وہ کہتی ہے جب تک میں چیک اپ نہیں کراؤں گا' وہ مجھے بیوی کے حقوق نہیں دے گی۔ وہ کہتی ہے کہ ہم نے اپنے پہلے بچے کو قتل کیا ہے۔ وہ دوسرے بچے کی موت کا سبب نہیں بنے گی۔"

"آپ کی باتوں سے پتا چلتا ہے کہ بیگم راشدہ بہت ذہین اور معاملہ فہم ہیں۔ وہ ایک سیدھی سی بات کہہ رہی ہیں۔ آپ کو چیک اپ کرانے پر کیا اعتراض ہے؟"

"یہاں ناک کا سوال ہے۔ میرے بھائی نے چیک اپ کے بغیر سینہ تان کر دوسری شادی کی۔ میں دوسری شادی کرنے سے پہلے ڈاکٹر کے پاس جاؤں گا تو ناک کٹ جائے گی۔"

"آپ جاگیرداروں کے پاس عجیب وغریب منطق اور دلائل ہوتے ہیں اور آپ کے ہاں ذرا ذرا سی بات پر ناک کٹ جاتی ہے۔ اگر آپ کا بھائی دوسری بیوی کے ذریعے بھی باپ نہ بن سکا تو اس کی ناک کٹ جائے گی۔"

"آپ ہمارے نظریے سے' دولت' زمین اور جائیداد بڑھانے کے پہلو سے سوچیں کہ بھائی ایک بیٹے کا باپ بنے گا تو فیکٹری اور زمینوں کا ایک ایک حصہ جیت لے گا اور میں ہارتا رہوں گا۔"

ملازم نے ان کے درمیان چائے لاکر رکھی۔ اس کے جانے کے بعد سلطانہ نے ایک پیالی میں چینی ملا کر صاحب عالی کو دی پھر دوسری پیالی میں چینی ملا کر خود پینے لگی۔ اس دوران دونوں خاموش رہے پھر صاحب عالی نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر کہا۔

"میں نے اپنی ازدواجی زندگی کے بارے میں اور جاگیردارانہ طرزِ زندگی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔ ہماری شان اور شرافت' طاقت اور رعب و دبدبہ اسی میں ہے کہ ہم کتنی زیادہ زمینوں کے مالک بن سکتے ہیں اور فیکٹری کی اسمبلی میں کتنے ارکان بچے پہنچا سکتے ہیں۔"

"آپ اپنے طور پر درست کہہ رہے ہیں۔ ہم ایسے دور میں جی رہے ہیں کہ ہمارے لئے زیادہ سے زیادہ طاقت اور اختیارات حاصل کرنا ضروری ہوگیا ہے۔ یہ آپ کا حق ہے کہ اپنے بھائی کی طرح آپ بھی فیکٹری اور زمینوں میں زیادہ سے زیادہ حصے حاصل کریں۔"

"آپ میری تائید کر رہی ہیں تو یہ بھی سمجھ لیں کہ میں طاقت اور اختیارات آپ کے تعاون سے حاصل کر سکتا ہوں۔"

"میں اتنی جلدی جواب نہیں دے سکوں گی۔ یہ بہت اہم معاملہ ہے۔ مجھے اس کے ہر پہلو پر غور کرنا ہوگا۔"

"بے شک۔ آپ کو اپنے مستقبل کے بارے میں خوب سوچنے سمجھنے کا حق ہے لیکن مجھے یہ فکر ہے کہ میرا بھائی ادھر دو چار مہینے میں باپ بننے کی خوشخبری سنا سکتا ہے۔"

"میں آپ کو اپنا پتا لکھ کر دوں گی۔ کل شوٹنگ مکمل ہو جائے گی۔ آپ پرسوں لاہور آجائیں پھر ہم کسی نتیجے پر پہنچیں گے۔"

سلطانہ نے اقرار نہیں تو انکار بھی نہیں کیا۔ انتظار کی سولی پر لٹکا دیا۔ صاحب عالی بھی سمجھتا تھا کہ اتنا بڑا فیصلہ پہلی ملاقات میں یا ایک دو دن میں نہیں ہو سکتا۔ اس نے صبر کیا۔ سلطانہ دوسرے دن شوٹنگ مکمل کر کے چلی گئی۔ اس کے دوسرے دن صاحب عالی نے لاہور کا سفر کیا اور سلطانہ کی کوٹھی میں پہنچ گیا۔ وہاں شام کی چائے پیتے وقت گفتگو ہوئی۔ وہ بولی۔ "میں نے اس معاملے پر اچھی طرح غور کیا ہے اور یہی ایک بات سمجھ میں آئی ہے کہ میں شادی کے بعد ایک یا ایک سے زیادہ بیٹوں کی ماں بن کر آپ کی جیت میں برابر کی شریک رہوں گی اور اگر ایک بیٹے سے بھی محروم رہوں گی تو دو کوڑی کی ہو جاؤں گی۔"

"آپ ایسا کیوں سوچتی ہیں۔ میں آپ کو آئندہ چوہدرانی بننے کے تمام حقوق دوں گا۔"

"جیسے بیگم راشدہ چوہدرانی بن کر' اس حویلی کی مالکہ بن کر اور آپ کی بیوی ہوتے ہوئے بھی بیوی نہیں ہے۔"

"وہ میری بیوی ہے۔"

"تو پھر آپ کے دوسرے بچے کی ماں کیوں نہیں بن رہی ہے؟ صرف اس لئے کہ آپ میڈیکل چیک اپ سے انکار کر رہے ہیں۔"

"سلطانہ! میں آپ سے تم پر آرہا ہوں اور قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم میری آئیڈیل ہو۔ جب غزل کہتا تھا تو تصور میں تمہاری شبیہہ ابھرتی تھی۔ تقدیر نے تمہیں

میرے پاس پہنچایا ہے۔ میں تمہیں ہر حال میں شریکِ حیات بنانا چاہتا ہوں۔ تم آج ہاں کہو، کل ہمارا نکاح ہو جائے گا۔"

"میں آپ کی جلد بازی سمجھتی ہوں۔ آپ کو بھائی کے مقابلے میں بازی جیتنے کی جلدی ہے لیکن میرا بھی یہی مشورہ ہے کہ پہلے آپ اپنا میڈیکل چیک اپ کرائیں۔"

"چیک اپ ایک دن میں نہیں ہو گا۔ نہ جانے کتنے ٹیسٹ ہوں گے۔ کتنے دن اور ہفتے لگیں گے پھر یہ کام بڑی رازداری سے کرنا ہو گا تاکہ میرے بھائی اور کسی رشتے دار کو معلوم نہ ہو۔ اگر راشدہ کو معلوم ہو گا تو اسے یہ صدمہ پہنچے گا کہ میں نے اس کی بات نہیں مانی تھی۔"

"ہاں رازداری سے یہ کام ہو گا تو کافی وقت لگ سکتا ہے۔ اگر آپ جلدی شادی کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو کورٹ پیپر پر لکھنا ہو گا کہ آپ شادی کے بعد جلد سے جلد اپنا میڈیکل چیک اپ کرائیں گے۔"

وہ خوش ہو کر بولا۔ "مجھے منظور ہے۔ میں پکے کاغذ پر لکھ کر دوں گا۔"

"اور جب تک مثبت میڈیکل رپورٹ حاصل نہیں ہو گی، ہم خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کریں گے۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو، اس طرح تو زمین جائیداد زیادہ حاصل کرنے والی بات کھٹائی میں پڑ جائے گی۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔ میری اس پابندی کا نتیجہ یہ ہو گا کہ آپ جلد سے جلد میڈیکل رپورٹ حاصل کریں گے۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا۔ "ہر عورت اپنی بہتری کے لئے سوچتی ہے۔ تم درست کہہ رہی ہو۔"

"آپ یہ ساری باتیں کورٹ پیپر پر لکھیں گے اور دستخط کریں گے۔ اس پر آپ کے والد کے بھی دستخط ہوں گے۔ میری طرف سے میرے بھائی اور ماموں کے دستخط ہوں گے۔ نکاح کے وقت آپ کے والدین موجود رہیں گے۔"

"مجھے منظور ہے مگر کل ہی یہ کام ہو گا۔ میری جلد بازی کو تم نے سمجھ لیا ہے کہ میں اپنے بھائی سے پیچھے نہیں رہنا چاہتا۔"

"جی ہاں۔ بھائی کے مقابلے میں آپ کی جیت ہو گی تو بیگم راشدہ کے مقابلے میں

پہلے میں ماں بن کر بازی جیت لوں گی۔"

میڈیکل رپورٹ صاحب عالی کے حق میں ہوتی تب بھی وہ راشدہ کو یہ صدمہ پہنچانے کے لئے رپورٹ نہ دکھاتا کہ اس نے اس کا مشورہ نہیں مانا تھا۔ جب وہ باپ بن جاتا تو راشدہ کو طعنہ دے سکتا تھا کہ وہ طبی معائنے کے بغیر ہی باپ بن گیا ہے۔ اسے کسی ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ دوسری بیوی سلطانہ نے ہی اسے باپ بننے کا سرٹیفکیٹ دے دیا ہے۔

وہ دوسرے دن چوہدری عالی حاکم اور اپنی چوہدرانی ماں کو لے کر لاہور آیا۔ باپ نے چھوٹے بیٹے اور بلقیس بانو کے معاہدے پر دستخط کئے تھے اور یہ بڑے بیٹے کو نہیں بتایا تھا کہ اس کا چھوٹا بھائی میڈیکل چیک اپ کرانے والا ہے۔ اسی طرح عالی حاکم نے لاہور آ کر بڑے بیٹے اور سلطانہ کے معاہدے پر دستخط کئے اور یہ چھوٹے بیٹے کو بھی نہ بتایا کہ اس کا بڑا بھائی میڈیکل چیک-اپ کرانے والا ہے۔ یہ ایک باپ کی خواہش تھی کہ دونوں بیٹوں کی ناک بھی نہ کٹے اور انہیں اپنی خامیوں کا پتا بھی چل جائے اور اس کے بعد وہ توجہ سے اپنا علاج کراتے رہیں۔ باپ نے دونوں بیٹوں کی بھلائی کے لئے ایسا کیا تھا۔

راشدہ کو معلوم ہوا تو اس کے دل کو صدمہ پہنچا۔ اگرچہ اس نے ہی صاحب عالی سے کہا تھا کہ وہ چیک اپ نہیں کرانا چاہتا اور دوسری شادی کے ذریعے اپنے صحت مند ہونے کا ثبوت دینا چاہتا ہے تو شادی کر لے لیکن سوکن کو اس کی حویلی میں نہ لائے۔

صاحب عالی نے شادی کے بعد اپنی زمینوں کے ایک حصے میں سلطانہ کے لئے ایک بنگلے کی تعمیر شروع کر دی۔ سلطانہ نے کہا۔ "بنگلہ تو تعمیر ہوتا ہی رہے گا لیکن اسمبلی میں اپنے ارکان کی تعداد بڑھانے کے لئے ہمیں کچھ دنوں کے لئے اسلام آباد جانا چاہئے۔ وہاں بڑی رازداری سے میڈیکل چیک اپ ہو سکے گا۔"

بلقیس بانو اور جناب عالی ہنی مون منانے کے لئے لندن گئے تھے۔ حالانکہ ہنی مون منانے کی موزوں ترین جگہ سوئٹزر لینڈ سمجھی جاتی ہے لیکن پسند اپنی اپنی ہوتی ہے۔ رازداری سے میڈیکل چیک اپ کرانے کے لئے لندن ہی موزوں ترین شہر تھا۔

☆======☆======☆

آل پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن کے چیئرمین نے ملک کے مختلف شہروں کے ایسے معروف اور تجربہ کار ڈاکٹروں کی میٹنگ کال کی تھی جنہیں طب کے مختلف شعبوں میں مہارت حاصل تھی۔ اس اجلاس میں یہ تشویش ناک مسئلہ زیرِ بحث تھا کہ ملک کے بیشتر حصوں سے نت نئے متعدی امراض کی اطلاعات موصول ہو رہی ہیں۔

ایک عمومی اندازے کے مطابق صرف پاکستان میں ہی نہیں، ساری دنیا میں فضائی یا ماحولیاتی آلودگی کے باعث بیماریوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک معمر ڈاکٹر نے کہا۔ "ہم موجودہ دور میں ایسی ایسی بیماریوں کو دریافت کر رہے ہیں اور ان کا علاج ڈھونڈ رہے ہیں، جن کے نام ہمارے آباو اجداد نے کبھی نہیں سنے تھے۔ یہ نام ماضی بعید میں اس لئے نہیں تھے کہ یہ بیماریاں بھی نہیں تھیں۔ مثلاً ایڈز جیسی خطرناک بیماری رفتہ رفتہ پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہے۔"

دوسرے ڈاکٹر نے کہا۔ "ایڈ کے معنی ہیں مدد اور مدد دینے کے سلسلے میں امریکن ایڈ مشہور ہے اور ایڈز ایک جان لیوا مرض ہے۔ عجیب اتفاق ہے کہ یہ مرض بھی امریکا سے شروع ہوا۔ ہالی ووڈ کے مشہور اداکار راک ہڈسن کے زیر علاج رہنے سے اس مرض کا انکشاف ہوا۔ اب دنیا کے بیشتر ممالک میں امریکن ایڈ کے ساتھ امریکن ایڈز بھی پھیل رہا ہے۔"

چیئرمین نے کہا۔ "اس اجلاس میں ہمارا موضوع ایڈز نہیں ہے بلکہ کچھ جلدی بیماریاں ہیں۔ یہ بیماریاں ناک، کان اور گلے وغیرہ پر ظاہر ہو رہی ہیں۔ ایسا اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ جو بیماریاں اوپر سے ظاہر ہوتی ہیں ان کی جڑیں انسانی جسم کے اندر ہوتی ہیں۔"

چیئرمین نے ایک ذرا توقف سے کہا۔ "یہ بھی دیکھنے میں آ رہا ہے کہ جلد کی مختلف بیماریاں شہروں سے زیادہ دیہاتوں میں ہیں۔ یہ زرعی ملک ہے اس لئے یہ بات سمجھ میں

آگئی کہ ان بیماریوں کا تعلق زراعت سے ہے۔ میں زرعی شعبے کے ماہر ڈاکٹر عارف زیدی سے کہوں گا کہ وہ اپنی تحقیقات سے آگاہ کریں۔"

ڈاکٹر عارف زیدی نے کہا۔ "ہمارے کھیتوں میں زرعی دوائیں بڑے پیمانے پر اسپرے کی جا رہی ہیں۔ ان دواؤں کے بے حساب چھڑکاؤ کے باعث ان کا زہر ہوا اور پانی کو آلودہ کر رہا ہے۔ کیڑے مار دوائیں چھڑکنے سے ان کے زہریلے اثرات مختلف فصلوں کے بیجوں تک پہنچ جاتے ہیں۔"

دوسرے شعبے کے ڈاکٹر نے پوچھا۔ "ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کیڑوں کو مارنے کے لئے مختلف دواؤں کا جو تناسب ہوتا ہے، کیا اس میں کمی بیشی ہو جاتی ہے؟"

ڈاکٹر زیدی نے کہا۔ "کمی بیشی ہو جاتی نہیں ہے بلکہ منافع خوری کے لئے کی جاتی ہے۔ آج کل اخبارات اور ٹی وی وغیرہ کے اشتہارات میں کیڑے مار دواؤں کی بے شمار کمپنیوں میں مقابلہ ہوتا ہے۔ ہر کمپنی کا یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ ان کی دوا زود اثر ہے۔ فوراً سبز تیلے، سفید مکھیوں اور امریکن سنڈیوں کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ لہٰذا اپنی دوا کو زیادہ سے زیادہ فروخت کرنے کے لئے اسے زود اثر بنایا جاتا ہے اور زود اثر بنانے کے لئے دواؤں کے مرکب میں زہر کا عنصر زیادہ رکھا جاتا ہے۔ اس طرح کیڑوں کا واقعی جلد خاتمہ ہو جاتا ہے۔ فصل بھی محفوظ نظر آتی ہے لیکن دوا کے زہریلے اثرات گندم، چاول، پھلوں اور سبزیوں میں سرایت کر جاتے ہیں۔"

دوسرے شعبوں کے ڈاکٹر یہ باتیں توجہ سے سن رہے تھے۔ اگر یہ باتیں عوامی جلسوں میں کی جاتیں تو اپنی زندگیوں سے محبت کرنے والے یہ سمجھ لیتے کہ منافع خور اپنے تھوڑے سے منافع کے لئے کس طرح اجناس کو اس حد تک زہریلا بنا رہے ہیں کہ کھانے والے مرتے نہیں ہیں بلکہ مختلف جلدی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ شہر والوں تک یہ زہر صرف اجناس، پھلوں اور سبزیوں کے ذریعے پہنچتا ہے لیکن پنڈ والے ان کھیتوں کے درمیان اور آس پاس رہتے ہیں، جہاں کیڑے مار دواؤں کا چھڑکاؤ ہوتا رہتا ہے۔ یہ دوائیں ہوا اور پانی میں تحلیل ہو کر ان کے اندر جاتی ہیں۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ان بیمار پڑنے والے دیہاتیوں کے لئے نہ معقول ڈاکٹر ہوتا ہے نہ مکمل اسپتال ہوتا ہے اور نہ دوائیں ضرورت کے مطابق ہوتی ہیں۔

ڈاکٹر زیدی نے کہا۔ "زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کے لالچ نے انسان کو بے

ضمیر کردیا ہے۔ محکمہ زراعت کو اس کا نوٹس لینا چاہئے کہ چند معتبر کمپنیوں کے سوا جو دوسری کیڑے مار دواؤں کی کمپنیاں ہیں' وہ کس پروسس سے دوائیں تیار کرتی ہیں۔ کیا ان کے دواؤں کے مالکان نے طبی تعلیم حاصل کی ہے اور ان کی کمپنیوں میں جو کیمسٹ دوائیں تیار کرتے ہیں' کیا انہوں نے کیمسٹری کے سبجیکٹ میں صحیح سند حاصل کی ہے یا جعلی؟"

ایک ڈاکٹر نے کہا۔ "ہمیں حکومت سے اپیل کرنا چاہئے کہ وہ کیڑے مار دواؤں کے سلسلے میں جامع سروے کروائے اور ان دواؤں کے زیادہ اور غیر ضروری استعمال کو روکنے کے منصوبے پر عمل کرے۔"

"چونکہ ہمارے کسان ناخواندہ ہوتے ہیں' انہیں اچھی اور بری دواؤں کی پہچان نہیں ہوتی اس لئے ناظم زرعی اطلاعات کا فرض ہے کہ کسانوں کو معتبر کمپنیوں کی طرف مائل کرے۔"

ڈاکٹر وقار حسین اسلام آباد سے اس اجلاس میں شریک ہونے آیا تھا۔ ایسے طبی تجزیات سننے کے دوران وہ صاحب عالی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ان دنوں وہ صاحب عالی کے مختلف ٹیسٹ لے رہا تھا۔ ابھی تک یہ معلوم ہوا تھا کہ اس کے اندر تخلیقی جراثیم ہیں' وہ قدرے کمزور ہیں۔ ایسے کمزور جراثیم نو ماہ تک مکمل طور پر پرورش نہیں پاتے۔ ادھورے بچے کی صورت میں جنم لیتے ہیں۔

اجلاس کے اختتام پر ڈاکٹر وقار حسین نے ڈاکٹر زیدی سے کہا۔ "میں آپ سے کچھ وقت چاہتا ہوں۔"

"میں فیصل آباد سے آیا ہوں۔ یہاں میری کوئی مصروفیت نہیں ہے۔ وقت ہی وقت ہے۔ میرے ہوٹل کے کمرے میں چلیں۔ وہاں باتیں ہوں گی۔"

کمرے میں پہنچ کر ڈاکٹر وقار نے کہا۔ "میں ایک صحت مند جوان کا طبی معائنہ کررہا ہوں۔ وہ کیڑے مار دوائیں تیار کرنے والی ایک فیکٹری کا انچارج ہے۔ وہ دو بھائی ہیں۔ ایک بھائی اس شعبے میں ہوا کرتا ہے جہاں دوائیں تیار ہوتی ہیں اور دوسرا بھائی فیکٹری کے اس حصے کی نگرانی کرتا ہے جہاں وہ دوائیں مخصوص ڈبو میں پیک کی جاتی ہیں۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کیا ان دواؤں کا اثر ان کے جسموں کے اندرونی حصوں میں ہو سکتا ہے؟"

ڈاکٹر زیدی نے کہا۔ "ایک کیمسٹ کی زندگی بڑی پُر خطر ہوتی ہے اگر وہ بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی دوا کا مرکب تیار کرتے وقت ہر دوا کے تناسب کا صحیح حساب نہیں رکھے گا تو اپنی ذات کو کسی نہ کسی طور نقصان پہنچائے گا۔ آپ جن کی بات کررہے ہیں' کیا وہ دونوں بھائی کیمسٹ ہیں؟"

"نہیں' انہوں نے ایک سند یافتہ کیمسٹ کو ملازم رکھا ہے۔ میں ان میں سے جس بھائی کا طبی معائنہ کررہا ہوں اس کے تخلیقی جراثیم قدرے کمزور ہیں۔ شاید دوسرے بھائی کا کیس بھی ایسا ہی ہو کیونکہ وہ دونوں ایک ایک بچے کے باپ بن چکے ہیں لیکن کمزور تخلیقی جراثیم کے باعث دونوں کے بچے اندھے' اپاہج اور ایب نارمل تھے۔"

"سو سیڈ۔ آپ کی رپورٹ سے پتا چلتا ہے کہ وہ اپنی فیکٹری کی دواؤں کو زیادہ فروخت کرنے' زیادہ مال کمانے کے لئے دواؤں کے مرکبات میں زہر کا عنصر زیادہ رکھتے ہیں۔ کیمسٹ ان کا ملازم ہے۔ وہ ان کے احکامات کے مطابق یہی کرتا ہوگا۔"

"اجلاس میں آپ کی تفصیلی گفتگو سن کر میرے ذہن میں بھی یہی خیال آیا تھا۔"

"یہ تو موٹی عقل سے بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ جب زہر کے اثرات اجناس' پھلوں اور سبزیوں کے اندر اور ان کے بیجوں کے اندر تک پہنچ سکتے ہیں تو پھر وہ زہر انسانی تخلیق کے بیج تک کیوں نہیں پہنچے گا؟ یہ وہ زہر ہے' جو مارتا نہیں ہے کیونکہ برائے نام اثرات ہوتے ہیں اس لئے محض جسمانی مریض یا اپاہج بنا دیتا ہے۔"

ڈاکٹر وقار حسین سر جھکا کر سوچنے لگا۔ بڑے افسوس کا مقام ہے۔ پہلے تو اتنا ہی سننے میں آتا تھا کہ بیوپاری مرچ مسالے میں ملاوٹ کرتے ہیں۔ گھی' تیل وغیرہ میں بھی یعنی ہر تیار شدہ شے میں ملاوٹ کرکے منافع دگنا کرتے ہیں لیکن اب تو اناج' پھل اور سبزیاں پوری طرح پیدا نہیں ہونے پاتیں اور ان میں مضر دواؤں کی ملاوٹ کردی جاتی ہے۔

اس نے اسلام آباد پہنچ کر صاحب عالی کی تفصیلی میڈیکل رپورٹ لکھ دی۔ وہ سلطانہ کے ساتھ رازداری سے چیک اپ کرانے آیا تھا پھر اپنی رپورٹ لینے ڈاکٹر وقار کے پاس آیا تو ڈاکٹر نے اسے گھور کر دیکھا پھر پوچھا۔ "آپ کیڑے مار دوا کو زود اثر بنانے کے لئے اسے بہت تیز اور زہریلی بنا دیتے ہوں گے تاکہ کیڑے فوراً مرجائیں اور دوسرے پیدا نہ ہوں؟"

صاحب عالی نے کہا۔ "جی ہاں۔ یہ بات ہمارا کیمسٹ زیادہ جانتا ہے۔"

"لیکن وہ آپ کا ملازم ہے۔ آپ کے احکامات کے مطابق دواؤں میں کمی بیشی کرتا ہوگا۔"

"آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"اس لئے کہ دوائیں تیار کرتے وقت زہریلی گیس آپ کے سانسوں کے ذریعے آپ کے اندر جاتی رہی ہے۔"

"لیکن ہم تو ناک اور منہ پر ماسک پہن کر دوائیں تیار کرتے ہیں۔"

"صرف کپڑے کا ماسک پہنتے ہوں گے۔ آکسیجن ماسک تو نہیں پہنتے ہوں گے۔ کپڑے کا ماسک پہن کر اسی زہریلے ماحول میں سانس لیتے ہوں گے۔"

"جی ہاں۔ کیا میری رپورٹ کا اس معاملے سے تعلق ہے؟"

"ہے۔ اسی لئے پوچھ رہا ہوں۔ کیا آپ کا کیمسٹ شادی شدہ ہے؟ اگر ہے تو کتنے بچے ہیں؟"

"وہ لاولد ہے۔ اس کا پہلا بچہ مُردہ پیدا ہوا۔ دوسرے بچے کی ولادت سے پہلے ہی اس کی بیوی مرگئی۔"

ڈاکٹر وقار نے سلطانہ کو دیکھ کر کہا۔ "مسز عالی! آپ کا بھی یہی انجام ہوگا۔"

"نہیں ڈاکٹر! میں بہت محتاط زندگی گزارتی ہوں اسی لئے میں نے ان کا چیک اپ کرایا ہے۔ آپ کی گفتگو سے پتا چل گیا کہ رپورٹ منفی ہے۔"

ڈاکٹر نے ایک بڑا سا لفافہ اس کے آگے میز پر رکھ کر کہا۔ "جی ہاں۔ رپورٹ منفی ہے۔ انہوں نے دوا کو زوداثر بنایا۔ خوب دولت کمائی لیکن نادانستگی میں خود اپنے لئے گڑھا کھودتے رہے۔"

وہ بولا۔ "ڈاکٹر! میں شرمندہ ہوں۔ آئندہ کیمسٹ کے پاس اس وقت نہیں بھٹکوں گا، جب وہ دوائیں تیار کر رہا ہوگا۔"

"یعنی آپ خود کو بچائے رکھیں گے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ کی دواؤں کے باعث اناج، پھل اور سبزیاں بھی انسانی صحت کے لئے ضرر رساں ہوجاتی ہیں؟"

صاحب عالی کا سر جھک گیا۔ ابتدا میں کیمسٹ نے یہی بتایا تھا جو ابھی ڈاکٹر کہہ رہا تھا۔ اس کی خبر صاحبِ عالی کو تھی۔ اس کے باوجود وہ اپنے چوہدری ابا کو زیادہ منافع

دکھانے اور انہیں خوش کرنے کے لئے دوسروں کی زندگی عذاب کرتا رہا تھا اور اب خود عذاب میں مبتلا ہوگیا تھا۔

سلطانہ نے کہا۔ "ڈاکٹر! میں وعدہ کرتی ہوں، وہ زہریلا کاروبار نہیں ہوگا۔ پلیز آپ یہ بتائیں کیا ان کا علاج ہوسکتا ہے؟"

"میرے پاس پہلی بار ایسا ایک مریض آیا ہے۔ میں اس کیس کی اچھی طرح اسٹڈی کروں گا۔ چند تجربہ کار ڈاکٹروں سے ڈسکس کروں گا۔"

"آپ ابھی کوئی دوا دیں گے؟"

"فی الحال تو ایک ہی دوا ہے کہ آپ اس فیکٹری سے دور رہیں اور دور ہی سے کیمسٹ کو زوداثر دوا تیار کرنے سے منع کریں۔ شاید میں ایک ہفتے بعد آپ کے علاج کی کوئی صورت نکال سکوں۔"

سلطانہ نے وہ بڑا لفافہ لیا۔ صاحب عالی نے ڈاکٹر کا بل ادا کردیا پھر وہ دونوں اپنی کار میں بیٹھ کر لاہور کی طرف روانہ ہوگئے۔ وہ کار ڈرائیو کررہی تھی۔ اس کے ساتھ والی سیٹ پر صاحب عالی سر تھامے بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے درمیان تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر سلطانہ نے اسے کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میری دانش مندی کام آگئی۔ میں شادی سے پہلے خاندانی منصوبہ بندی کی ڈاکٹر سے رجوع نہ کرتی تو ابھی آپ کی طرح سر پکڑ کر بیٹھی ہوتی۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں؟ میں فیکٹری اور زمینیں ہار جاؤں گا اور جناب عالی سب کچھ جیت لے گا۔"

"خاک جیت لے گا۔ وہ بھی آپ کی طرح اس مضر دوا کا مارا ہوا ہے۔ وہ کبھی باپ نہیں بن سکے گا۔"

"یہ بھی تو سوچو کہ وہ لندن گیا ہوا ہے۔ بلقیس بانو بہت چالاک ہے۔ وہاں بڑے تجربہ کار ڈاکٹروں سے اس کا علاج کرائے گی۔"

"کرانے دو۔ اگر علاج کامیاب ہوگا اور اس کے باپ بننے کے آثار پیدا ہوں گے تو ہم بھی لندن جائیں گے۔"

"ہم کیوں انتظار کریں۔ ایک دو روز میں کیوں نہ لندن چلیں۔"

وہ چند لمحوں تک سوچتی رہی پھر بولی۔ "ہم امریکا جائیں گے۔ میں واشنگٹن میں

کافی عرصہ گزار چکی ہوں۔ وہاں میرے بہت سے شناسا ہیں۔ ان کے ذریعے کسی بہت ہی تجربہ کار ڈاکٹر کے پاس کامیاب علاج کے لئے پہنچ سکیں گے۔"

"کہیں بھی چلو مگر علاج میں دیر نہیں ہونا چاہئے۔ مجھے تو یہ سوچ کر نیند نہیں آئے گی کہ جناب عالی کا علاج شروع ہو چکا ہوگا۔"

"آپ کو پوری نیند لینا چاہئے اور خوب کھانا پینا چاہئے ورنہ بھائی سے پیچھے رہنے کا صدمہ آپ کے علاج کے دوران نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "درست کہتی ہو۔ میں خود کو سنبھالوں گا اور مردانہ وار جناب عالی سے آگے نکلوں گا۔"

اگر گھر ایک ہو اور اسے اپنی ملکیت بنانے کے لئے دو دعوے دار ہوں' ایک فیکٹری ہو اور اس پر قبضہ جمانے کے لئے دو امیدوار ہوں تو پھر یہ دو کا عدد گھر' فیکٹری اور ملک کے لئے منحوس ثابت ہوتا ہے۔

سلطانہ امریکا سے آئی تھی۔ واپس بھی جاسکتی تھی لیکن صاحب عالی کو ویزا نہیں ملا۔ کچھ ایسی پیچیدگیاں پیدا ہوگئیں کہ اسے اپنے پنڈ واپس آنا پڑا۔ وہاں پتا چلا کہ بلقیس اور جناب عالی واپس آچکے ہیں۔

سلطانہ اپنے ساس سسر کی حویلی میں رہ کر اپنے ادھورے بنگلے کو مکمل کرانے لگی۔ وہ ہر دوسرے تیسرے دن صاحب عالی کے علاج کے لئے شہر جاتی تھی۔ وہاں ایک دو روز رہ کر واپس آجاتی تھی۔

اکثر ایسا ہوتا کہ بڑی حویلی میں ماں باپ سے ملنے کے لئے دونوں بھائی آتے تھے اور بڑی خاموشی سے ایک دوسرے کو ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھتے تھے۔ نظروں ہی نظروں میں بھانپنا چاہتے تھے کہ ان میں سے کوئی باپ بننے والا ہے یا نہیں؟

بلقیس اس سے کہتی تھی۔ "کبھی اپنے بھائی کے پیچھے جاؤ۔ ذرا معلوم کرو کہ وہ کہاں اپنا علاج کرا رہا ہے؟"

"میں کسی جاسوس کی طرح تعاقب نہیں کر سکوں گا۔ ان کی نظروں میں آجاؤں گا تو بڑی سبکی ہوگی۔"

"تم سے تو کچھ نہیں ہوگا۔ مجھے ہی کچھ کرنا ہوگا۔"

"تمہارا کیا خیال ہے' اس کا علاج کرنے والا ڈاکٹر ہمارے ڈاکٹر سے زیادہ تجربہ

کار ہوگا؟"

"ہو سکتا ہے۔ تم تو دو مستند اور معتبر ڈاکٹروں کی باتیں کر رہے ہو۔ اس ملک میں کتنے ہی کمپاؤنڈر جعلی سرٹیفکیٹ حاصل کر کے غریبوں کے علاقے میں کلینک قائم کرتے ہیں اور ان کا کامیاب علاج کرتے ہیں۔ یا شاید غریبوں پر یہ نفسیاتی اثر ہوتا ہے کہ وہ کم سے کم پیسوں میں ڈاکٹری دوا کھا رہے ہیں کیونکہ اس دور میں ڈاکٹروں کی مہنگی فیس اور بازار سے مہنگی دوا خریدنی نہیں پڑتی۔ وہ نفسیاتی طور پر مطمئن ہو کر صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ تمہارے بھائی کا ڈاکٹر تمہارے ڈاکٹر سے کمتر ہو سکتا ہے لیکن مریض کو دوائیں اتنا صحت مند نہیں کرتیں' جتنا کہ مریض کا اپنا اعتقاد صحت مند کرتا ہے۔"

"تم درست کہہ رہی ہو لیکن بھا مجھ سے پہلے صحت مند ہو جائے گا تو ہم کیا کر سکیں گے۔"

"یہ بھا کیا ہوتا ہے۔ پوری طرح بھائی کہو۔"

"بھائی کہتے ہوئے اچھا نہیں لگتا۔ بچپن سے بھا کہتا آیا ہوں۔"

"ادھوری باتیں کرتے ہو۔ ادھورے کام کرتے ہو اور ادھورے مرد ہو۔ پتا نہیں علاج میں کتنے مہینے اور سال لگیں گے۔ مجھے تو فیکٹری اور زمینیں ہاتھ سے نکلتی دکھائی دے رہی ہیں۔"

"ایسا نہ کہو۔ میں فیکٹری اور زمینوں میں بھا سے.......... میرا مطلب ہے بھائی سے زیادہ حصے حاصل کروں گا۔"

وہ دونوں بھائی اب فیکٹری کی طرف یا زہریلے ماحول کی طرف نہیں جاتے تھے۔ صاحب عالی کیمسٹ کو حویلی میں بلا کر ضروری ہدایات دیا کرتا تھا۔ باپ نے پوچھا بات کیا ہے' "میں دیکھ رہا ہوں' تم دونوں فیکٹری میں زیادہ دلچسپی نہیں لے رہے ہو؟"

صاحب عالی نے کہا۔ "میں اس کاروبار سے بیزار ہو گیا ہوں۔ آپ اگر مشورہ دیں تو اس کی جگہ فیکٹری میں کوئی دوسرا مال تیار کریں۔"

باپ نے جناب عالی سے پوچھا۔ "تم کیا کہتے ہو؟"

"میں بھی فیکٹری نہیں جاتا۔ بس یہ بات دل میں بیٹھ گئی ہے کہ یہ موجودہ کاروبار ہمیں راس نہیں آ رہا ہے۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہو؟ اچھا خاصا منافع حاصل ہو رہا ہے۔"

"صرف منافع کی بات نہ کریں۔ نحوست بھی کوئی چیز ہوتی ہے شاید کاروبار بدلنے سے نصیب بدل جائیں اور ہم صاحب اولاد بن جائیں۔"

باپ نے کہا۔ "کیڑے مار دوائیں تیار کرنے کا اولاد سے کیا تعلق ہے؟ کیا کیڑوں کے ساتھ اولاد بھی مرجاتی ہے؟"

دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کو چور نظروں سے دیکھا۔ صاحب عالی نے کہا "ابا! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اللہ نے چاہا تو میں آپ کو اپنے بیٹے کا دادا بناؤں گا۔"

جناب عالی نے کہا۔ "ابا! میں بھی میدان مارنے والا ہوں۔ آپ کو جلد ہی خوش خبری سناؤں گا۔"

یہ بات صاحب عالی کو پتھر کی طرح لگی کہ پہلے کی طرح چھوٹا بھائی اس بار بھی پہلے ایک بیٹے کا باپ بنے گا۔ اس نے کہا۔ "ابا! آپ کہتے ہیں یہ کیڑے مار دوائیں تیار کرنے کا کاروبار منافع بخش ہے۔ یہ جناب عالی جلد ہی خوش خبری سنانے والا ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ اس خوشی میں آج ہی سے یہ فیکٹری پانچ برس کے لئے اس کے نام کردیں۔ یہ روز فیکٹری جاکر منافع بڑھائے گا۔"

جناب عالی نے پھر کر کہا۔ "کیڑے مار دوائیں میں کیوں تیار کراؤں؟ میں تمہیں وہ فیکٹری پانچ برس کے لئے دیتا ہوں۔ تم تو مجھ سے زیادہ تجربہ کار دوا ساز ہو۔"

"میں تو پہلے ہی ابا سے کہہ چکا ہوں کہ کاروبار بدل دیا جائے۔ لہٰذا میں فیکٹری تنہا سنبھالوں گا تو کاروبار بدل دوں گا۔"

باپ نے کہا۔ "ہمارا تعلق زراعت سے ہے اور فصل تیار ہونے تک کاشت کار کو کیڑے مار دوا کی ضرورت رہتی ہے۔ پھر بھلا اس سے بہتر کاروبار کیا ہو سکتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔ ہمارے کھیتوں میں کپاس زیادہ ہوتی ہے۔ ہم ٹیکسٹائل ملوں کے لئے دھاگے تیار کرسکتے ہیں اور کپڑوں کے پرنٹ آرڈر کے مطابق ان دھاگوں کی رنگائی کا کام بھی منافع بخش ہو گا۔"

"تمہاری بات دل کو لگتی ہے۔ دھاگے کی تیاری کے لئے ہمیں دوسروں سے کپاس نہیں خریدنی ہوگی۔ ہماری اپنی کپاس ہی کافی ہوگی۔"

"جناب عالی فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پانچ برسوں کے لئے مجھے فیکٹری دے رہا ہے تو پانچ برس تک اس کے منافع میں اس کا حصہ نہیں ہو گا۔"

"میں ایسا احمق فراخ دل نہیں ہوں۔ جب تک ہماری اولاد نہیں ہوگی' فیکٹری صرف ابا جان کی رہے گی۔"

باپ نے کہا۔ "بھئی تم دونوں میرے سامنے یوں نہ لڑا کرو۔ میں پانچ برس تو کیا' پانچ گھنٹوں کے لئے بھی فیکٹری کے حقوق تم دونوں میں سے کسی کو نہیں دوں گا۔ جاؤ اور پہلے اپنی اولادیں پیدا کرو۔"

ایسے ہی وقت چوہدرانی بڑی خوش خوش کمرے میں آئی پھر بڑے بیٹے صاحب عالی کی بلائیں لیتے ہوئے اپنے شوہر سے بولی۔ "مبارک ہو' بڑی بہو کو متلی ہو رہی ہے۔ وہ اچار کھا رہی ہے۔"

"کیا؟" دونوں بھائیوں نے بیک وقت حیرانی اور پریشانی سے پوچھا۔ چھوٹے بھائی جناب عالی کی پریشانی یہ تھی کہ اس کے مقابلے میں بڑا بھائی پہلے باپ بن رہا ہے اور صاحب عالی کی حیرانی یہ تھی کہ خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کرنے والی بھلا ماں کیسے بن سکتی ہے اور اگر بن رہی ہے تو یہ پریشانی کی اور شرم سے ڈوب مرنے کی بات ہے۔

چوہدری نے کہا۔ "فوراً دائی کو بلا کر تصدیق کرو۔"

چوہدرانی نے کہا۔ "میں تو یہی کرنا چاہتی تھی مگر اتنی پڑھی لکھی بہو کسی دائی کو نہیں مانتی ہے۔ وہ کہہ رہی ہے۔ ابھی صاحب عالی کے ساتھ شہر جاکر لیڈی ڈاکٹر سے معائنہ کرائے گی۔"

"چلو اچھی بات ہے۔ جاؤ بیٹے! بہو کو آرام سے لاہور لے جاؤ۔"

صاحب عالی وہاں سے اٹھ کر تیر کی طرح اپنے کمرے میں پہنچا۔ سلطانہ ایک ایزی چیئر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے دروازے کو اندر سے بند کیا پھر غصے سے پاؤں پٹختا ہوا سلطانہ کے سامنے آکر بولا۔ "یہ کیا سن رہا ہوں؟"

وہ ہنسنے لگی تو اس نے کہا۔ "تم میرے غصے کو بھڑکا رہی ہو۔"

"غصہ تو اس وقت آنا چاہئے' جب مجھ سے وہی سنو گے' جو سن کر آرہے ہو۔"

وہ دوسری کرسی پر بیٹھ کر بولا۔ "تم سے سننے کے لئے کیا رہ گیا ہے؟ کیا تم اپنے معائنے کے لئے میرے ساتھ شہر جانا چاہتی ہو؟"

"کیا دنیا میں جتنی عورتیں اچار کھاتی ہیں' وہ آٹھ یا نو ماہ بعد ماں بن جاتی ہیں؟"

"یعنی کہ تم.......... تم یونہی اچار کھا رہی تھیں اور وہ جو متلی آ رہی تھی؟"
"وہ میں نے اپنی ساس کو یہی سمجھانے کے لئے ایکٹنگ کی تھی۔"
"مگر تم نے ایسا کیوں کیا؟"

"میں نے یہ اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ جناب عالی یہاں یہ سن گن لینے آتا ہے کہ تم باپ بننے والے ہو یا نہیں؟ آج اس کا یہ تجسس ختم ہو چکا ہے۔ اب وہ یہاں سے انگاروں پر چلتا ہوا اپنی بیوی کے پاس جائے گا۔ بیوی سنے گی تو کانوں کے بستر پر لوٹے گی۔ یا پھر غلط قدم اٹھائے گی۔"

"غلط قدم؟" اس نے سلطانہ کو دیکھا۔

وہ بولی۔ "جو زر' زن اور زمین کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے وہ ان کے حصول کے لئے ناجائز طریقے اختیار کرتے ہیں۔ جناب عالی فیکٹری اور زمینوں کو ہارنا نہیں چاہے گا اور بلقیس عرف بلی امریکا کی آزاد سوسائٹی میں رہ کر آئی ہے۔ میں شرطیہ کہتی ہوں کہ وہ جناب عالی کی ہاری ہوئی بازی کو جیتنے کے لئے بیٹا چور دروازے سے لائے گی۔"

صاحب عالی سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔ "تمہاری یہ چال غلط ہے۔ بیٹا کسی طرح بھی آئے' اس کا فائدہ جناب عالی کو پہنچے گا۔"

"نہیں پہنچے گا۔ اس کا بیٹا ہوتے ہی تم جناب عالی کو دوبارہ طبی معائنے کے لئے چیلنج کرو گے۔ تمہارے ابا کو شبہ ہو گا تو وہ بھی تصدیق کرنا چاہیں گے تب بھید کھلے گا کہ اس نے جائداد حاصل کرنے کے لئے بڑی بے غیرتی سے باپ کو دھوکا دیا ہے۔"

"ہوں۔ تم چال تو اچھی چل رہی ہو لیکن تمہارے جھوٹ کا کیا ہو گا؟"

"ہم شہر جائیں گے۔ میں لیڈی ڈاکٹر سے رپورٹ لے لوں گی کہ یہ صرف ہمارا شبہ تھا۔ میں ماں بننے والی نہیں ہوں لیکن یہ رپورٹ ابھی تمہارے بھائی کو اور والدین کو نہیں دکھائی جائے گی۔ انہیں صرف زبانی کہا جائے گا کہ تم باپ بننے والے ہو۔ ہماری زبان پر سب یقین کر لیں گے لیکن جب جناب عالی سچ مچ اپنے باپ بننے کی خوش خبری سنائے گا تو میں لیڈی ڈاکٹر کی تحریری رپورٹ پیش کر دوں گی اور تم حقیقت بتاؤ گے کہ بھائی کے فریب کو ثابت کرنے کے لئے ہم نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا۔"

"واقعی تم کمال کی تدبیر پر عمل کر رہی ہو۔ اس طرح جناب عالی ابا کی نظروں

سے گر جائے گا۔ میری قدر بڑھ جائے گی۔ وہ وصیت میں شاید تھوڑی بہت زمینیں اس کے نام لکھ دیں گے لیکن زیادہ زمینیں اور فیکٹری میرے نام کر دیں گے۔"

انہوں نے سفر کی تیاری کی۔ پھر ایک گھنٹے کے اندر ہی وہ کار میں بیٹھ کر لاہور روانہ ہو گئے۔ لاہور جانے کا راستہ فیکٹری کے سامنے سے گزرتا تھا۔ جناب عالی کی کار اس راستے پر کھڑی ہوئی تھی اور وہ کار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر انہیں رکنے کو کہا۔ صاحب عالی نے قریب پہنچ کر کار روک دی۔ وہ کار کی کھڑکی کے پاس آ کر بولا۔ "ہمارے ماں باپ اتنی بڑی خوشخبری سن کر بہت خوش ہیں لیکن مجھ سے فراڈ نہیں چھپ سکے گا۔ میں جوابی کارروائی کروں گا۔ تم شہر سے واپس نہیں آؤ گے۔ اس سے پہلے میں ابا کو لے کر وہاں پہنچوں گا اور تمہیں مجبور کروں گا کہ تم اپنا میڈیکل چیک اپ کراؤ۔ یہ چیک اپ ابا کی نگرانی میں ہو گا۔ یہ نگرانی میں اور ابا ایک خاص ڈاکٹر کے تعاون سے کریں گے۔"

سلطانہ نے کہا۔ "تم نہایت ہی بے غیرت ہو۔ مجھے یعنی اپنی بھابی کو بدچلن سمجھ کر اپنے بھائی کا چیک اپ کرانا چاہتے ہو؟"

وہ بولا۔ "ابھی آپ مجھے بے غیرت کہہ لیں۔ جب میڈیکل رپورٹ سے ثابت ہو جائے گا کہ واقعی میرے بھائی صاحب باپ بننے کے قابل ہو چکے ہیں تو میں آپ دونوں سے معافی مانگ لوں گا۔"

صاحب عالی نے کہا۔ "تم مجھ سے ایک برس چھوٹے ہو۔ چھوٹے ہی رہو گے۔ دوسرے لفظوں میں بچے ہی رہو گے اور بچے باپ نہیں بنتے۔ ڈاکٹر قادر زمان لاہور کے چند مستند اور معتبر ڈاکٹروں میں سے ایک ہیں۔ اتنے بڑے ڈاکٹروں کی رپورٹ جھٹلاؤ گے تو وہ برسوں کی طبی خدمات کی توہین کرنے کے سلسلے میں قانونی اقدامات کرے گا اور ہم اس سے تعاون کریں گے۔ اس طرح تمہارے اچھے بھی دوبارہ میڈیکل چیک اپ نہیں کرا سکیں گے۔ جاؤ بچے! اپنی بیوی کی گود میں سر رکھ کر ماتم کرو۔"

یہ کہہ کر اس نے کار اسٹارٹ کی پھر تیزی سے ڈرائیو کرتا ہوا بھائی کو پیچھے چھوڑ کر چلا گیا۔ وہ انہیں دور تک جاتا دیکھتا رہا۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو وہ اپنی کار میں بیٹھ کر اپنے پنڈ کی حویلی میں آیا۔ بلقیس عرف بلی کس نے اس کا موڈ خراب

دیکھ کر پوچھا۔ "آر یو آل رائٹ؟ یہ موڈ کیوں آف ہے؟"

"ہمارے لئے بری خبر ہے۔ سلطانہ بھابی ماں بننے والی ہیں۔"

اس نے مسکرا کر پوچھا۔ "کیا واقعی؟"

"ہاں۔ میں نے انہیں چیلنج کیا تھا اور کہا تھا کہ بھائی کا دوبارہ طبی معائنہ کرایا جائے گا۔ بھائی نے بتایا کہ ڈاکٹر قادر زمان کی میڈیکل رپورٹ کو جھٹلانے کی کوشش کی جائے گی تو اس کی برسوں کی طبی خدمات کی نفی کرنے سے وہ سب قانونی اقدامات کریں گے۔"

بلقیس ہنسنے لگی۔ اس نے پوچھا۔ "اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟"

وہ بولی۔ "ہم نے بھی لندن کے ایک معتبر ڈاکٹر سے جو رپورٹ حاصل کی ہے' اس رپورٹ کے مطابق تم باپ بن سکتے ہو جبکہ نہیں بن سکتے۔ تمہارا علاج رازداری سے جاری ہے۔ تم نے پوچھا تھا کہ ابھی باپ بننے کے قابل نہیں ہو پھر میں تمہارے حق میں ایسی رپورٹ کیوں حاصل کر رہی ہوں۔"

"ہاں۔ پچیس ہزار پاؤنڈ کوئی معمولی رقم نہیں ہے لیکن تم نے اتنی بڑی رقم رشوت کے طور پر دے کر میرے حق میں میڈیکل رپورٹ حاصل کی لیکن فائدہ کیا ہوگا۔ وہ رپورٹ مجھے باپ تو نہیں بنا سکے گی؟"

"کیا ڈاکٹر قادر زمان کی رپورٹ تمہارے بھائی کو باپ نہیں بنا رہی ہے؟"

"بھلا میڈیکل رپورٹ کیسے باپ بنا سکتی ہے۔ سلطانہ بھابی لاہور گئی ہیں اور لیڈی ڈاکٹر سے تصدیق کرائیں گی۔ بھائی میرے مقابلے میں باپ بن کر ابا کی زمینیں اور فیکٹری جیت لے گا۔ جب باپ بننے کا سلسلہ شروع ہوگا تو وہ ہر برس دو برس میں بیٹے پیدا کرتا رہے گا۔ ہمیشہ بیٹے نہ بھی ہوئے تو وہ وراثت اور بزرگوں کی نسل کو آگے بڑھانے کا انعام حاصل کرتا رہے گا۔"

"تم سلطانہ کی مکاری کو نہیں سمجھ رہے ہو۔ وہ امریکا میں کچھ عرصے تک ماڈل گرل رہی ہے۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پی چکی ہے۔ کیا یہاں ایک گھاٹ سے دوسرے گھاٹ کا پانی نہیں پی سکتی؟"

"تمہاری بات کچھ کچھ سمجھ میں آ رہی ہے۔"

"تعجب ہے کہ اب بھی تم کچھ کچھ سمجھ رہے ہو۔ کیا عقل کام نہیں کر رہی ہے کہ

تم دونوں بھائی ان دواؤں سے متاثر ہو۔ جب تمہارا کامیاب علاج ہونے کی ضمانت نہیں ہے تو تمہارے بھائی کی کیا ضمانت ہے؟ جب میں لندن کے ایک معتبر ڈاکٹر کو رشوت دے سکتی ہوں تو کیا سلطانہ نے ڈاکٹر قادر زمان کو لاکھ دو لاکھ میں خریدا نہیں ہوگا؟ کیا مجھے ہجے کر کے سمجھانا ہوگا کہ تمہارے بھائی کو سلطانہ باپ بنا رہی ہے۔ میڈیکل رپورٹ محض ایک لیبل ہے۔"

وہ ایک دم سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا' پھر بولا۔ "تو بھائی دولت اور جائیداد حاصل کرنے کے لئے بڑا زبردست فراڈ کر رہا ہے۔"

"دولت' قوت اور برتری حاصل کرنے کے لئے جو بھی ناجائز اقدامات کئے جاتے ہیں' انہیں حکمتِ عملی کہا جاتا ہے۔ تمہارا بھائی فیکٹری پر اقتدار حاصل کرنے کے لئے سلطانہ سے ووٹ حاصل کر رہا ہے۔ وہ تو جیت جائے گا۔ تم فیکٹری کے الیکشن میں ہار جاؤ گے۔"

"میں تو منہ کی کھا رہا ہوں۔ اس کا فریب ثابت نہیں کر سکوں گا اور اپنے اسی ایک پنڈ کی زمینوں تک محدود رہ جاؤں گا۔"

"یہ تمہارے لئے فیصلے کی گھڑی ہے۔ تمہیں برتری چاہئے یا کمتری؟"

"میں کمتر نہیں رہوں گا۔ بھائی سے زیادہ حصہ حاصل کروں گا۔"

"تو پھر تمہیں باپ بننا ہوگا۔"

"آں؟" وہ اپنی بلی کا منہ تکنے لگا۔

وہ صوفے پر آرام سے ٹیک لگا کر بولی۔ "عقل سے سوچو' وہ فیکٹری پر قبضہ جمانے کے لئے ایک ووٹ حاصل کرے گا۔ تم فیکٹری سے بھی جاؤ گے اور اپنے باپ کی میلوں تک پھیلی ہوئی زمینوں سے بھی محروم ہو جاؤ گے۔"

اس نے تلملا کر سینٹر ٹیبل کو ایک طرف سے اٹھا کر دوسری طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "میں باپ بنوں گا۔ ضرور بنوں گا' اسے منہ توڑ جواب دوں گا۔"

"غصہ کیوں دکھا رہے ہو۔ یوں ہنگامہ کرو گے تو ظاہر ہو جائے گا کہ باپ نہیں بن رہے ہو بلکہ بیٹا کہیں سے امپورٹ کر رہے ہو۔"

"مجھے یہ سوچ کر غصہ آ رہا ہے کہ وہ میرا خون نہیں ہوگا۔"

"میلوں دور تک پھیلی ہوئی زمین میں تمہارے آباواجداد کا خون ہے۔ کیا اس

خون کو رائگاں جانے دو گے؟ تمہارا بھائی یہ اعزاز حاصل کرتا رہے گا کہ وہ اپنے خون سے باپ دادا کی نسل کو آگے بڑھا رہا ہے۔ ان حالات میں تمہیں کس خون کا حساب کرنا چاہئے؟"

وہ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ بلقیس نے کہا۔ "ایک بات میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ جب تخت و تاج حاصل ہو سکتا ہے تو اسے کوئی چھوڑنا نہیں چاہتا پھر شادی سے پہلے ہم نے معاہدہ کیا تھا کہ جب ہمارے مزاج مختلف ہو جائیں گے' ہم ایک دوسرے کے لئے ناپسندیدہ ہو جائیں گے تو کسی حیل وجحت کے بغیر طلاق لے دے کر علیحدہ ہو جائیں گے۔"

"یہاں معاہدے کا ذکر کیوں کر رہی ہو۔ موجودہ مسئلہ کیسے حل ہو گا۔ اس مسئلے کی بات کرو۔"

"مسئلہ تمہارے لئے ہے۔ میرے لئے تو نہیں ہے کیونکہ میں ماں بننے والی ہوں۔"

"کیا؟" اس نے ایک دم سے چونک کر اسے دیکھا۔

"میں انگریزی نہیں' اردو بول رہی ہوں۔ میں امریکا کی ایسی آزاد سوسائٹی میں رہ کر آئی ہوں جہاں لڑکیاں پر کے بغیر پرواز کرتی ہیں۔ میں اس پنڈ کی مٹھی بھر زمین تک محدود نہیں رہوں گی۔ تمہارے باپ کی زیادہ سے زیادہ جائیداد حاصل کروں گی۔ اگر تمہیں منظور ہے تو جیت تمہاری ہی ہوگی۔ نامنظور ہے تو مجھے طلاق دے دو۔ تمہارے نام سے جو بیٹا پیدا ہونے والا ہے' وہ نہیں ہو گا۔ اب تو بڑی سہولتیں حاصل ہیں۔ فیصلہ کرو' ٹو بی آر ناٹ ٹو بی............"

یہ کہنے کے بعد وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے بیڈ روم میں چلی گئی۔ دراصل بیوی کی موجودگی میں سر جھکا ہوا تھا۔ مردانگی کو ذرا ٹھیس پہنچ رہی تھی۔ اس کے جاتے ہی احساس ہوا کہ بازی پلٹ گئی ہے۔ بھائی کی طرح اس کی رائفل میں بھی ایک گولی ہے' جو نو ماہ بعد دھماکے سے چلے گی۔

شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ حویلی کے اندر تاریکی زیادہ تھی۔ ایک ملازم نے آکر لائٹ آن کی۔ اس نے ملازم سے کہا۔ "ہمارے پنڈ کی دائی کلثوم کو فوراً بلا کر لاؤ۔"

ملازم نے حکم کی تعمیل کی۔ بیس منٹ کے اندر دائی آگئی۔ اس نے کہا۔ "ہماری حویلی میں شاید خوشیاں آنے والی ہیں۔ مالکن کے کمرے میں جاؤ اور معائنہ کر کے تصدیق کرو۔"

دائی کلثوم وہاں سے بیڈ روم کی طرف چلی گئی۔ وہ انتظار کرنے لگا۔ وہ اندر سے بہت زیادہ خوش تھا لیکن کوئی بات اسے کھٹک رہی تھی اس لئے وہ مسرتوں کا اظہار نہیں کرتا تھا۔

دائی کلثوم نے آکر کہا۔ "چھوٹے مالک! مبارک ہو۔ آپ باپ بننے والے ہیں۔ دوسری دلہن کی پہلی خوش خبری سنا رہی ہوں۔ آپ تو سخی داتا ہیں۔"

اس نے جیب سے پانچ سو روپے کا نوٹ نکال کر اسے دیا پھر ڈرائیور کو بلا کر کہا۔ "مائی کلثوم کو ابا کی حویلی میں لے جاؤ۔ یہ انہیں خوش خبری سنائے گی۔ تمہارے ساتھ مزید دو گاڑیوں میں مسلح کارندے ہوں گے۔ انہیں خوش خبری سنانے کے بعد وہ ہوائی فائرنگ کریں گے اور بھنگڑا ڈالیں گے۔ ڈھول باجے بھی ساتھ لے جاؤ۔"

وہ مائی کلثوم کے ساتھ چلا گیا۔ جناب عالی صوفے سے اٹھ گیا۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا بیڈ روم میں آیا۔ اس کی بلی بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر اٹھ بیٹھی۔ وہ بیڈ کے سرے پر آکر بیٹھ گیا پھر بولا۔ "تم واقعی بلی ہو۔ تم نے صحیح وقت پر میرے بھائی کو پنجہ مارا ہے۔ میں تم سے ناراض نہیں ہوں لیکن ایک بات مجھے پریشان کر رہی ہے۔"

"میں تمہاری ہر پریشانی کا علاج ہوں۔ بولو کیا بات ہے؟"

وہ ذرا ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "وہ............ وہ پتا نہیں کون ہے؟ میں اسے نہیں جانتا مگر وہ تو جانتا ہے کہ میں اس کی چیز اپنے نام کر رہا ہوں۔ وہ میری لاعلمی میں مجھے کمتر سمجھے گا۔"

"میں تمہارے احساسات کو اچھی طرح سمجھ رہی ہوں اور ایسی نادان نہیں ہوں کہ اپنے اور تمہارے درمیان کسی رازدار کو برداشت کروں۔ اس لئے میں نے جو سوچا ہے' اس پر تمہیں عمل کرنا ہو گا۔"

"تم نے کیا سوچا ہے؟"

"تم پرسوں شکار کا پروگرام بناؤ۔ میں ایک مہمان کے ساتھ شکار پر چلوں گی۔ تم اس مہمان کو شکار کرو گے۔ اس پر مٹی ڈالو گے پھر واپس آجائیں گے۔"

جناب عالی نے خوش ہو کر اسے گلے لگا لیا۔

سلطانہ اور صاحب عالی دو دن بعد اپنے بنگلے میں آئے تو پتا چلا کہ چوہدری عالی حاکم کے گھر میں چراغاں ہو رہا ہے۔ شادیانے بج رہے ہیں۔ خوشیاں منائی جا رہی ہیں کیونکہ چوہدری کے دونوں بیٹے باپ بننے والے تھے اور وہ دونوں بیٹوں کی طرف سے دادا بننے والا تھا۔

سلطانہ اور صاحب عالی کے لئے یہ اطلاع خلافِ توقع تھی۔ وہ بولا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ہم جھوٹی خوش خبری سنا کر شہر گئے۔ ادھر جناب عالی نے بھی اچانک خوش خبری سنا دی ہے۔ کیا وہ بھی ہماری طرح جھوٹ بول رہا ہے یا اچانک آسمان سے اس کی بیوی کی گود میں بچہ آنے والا ہے؟"

سلطانہ نے کہا۔ "وہ کتنے دن جھوٹ بولے گا؟ اگر بعد میں یہ کہا جائے گا کہ حمل ضائع ہو گیا ہے تو جناب عالی کے بارے میں یہ تصدیق ہو جائے گی کہ وہ پہلے کی طرح باپ اس لئے نہیں بن سکا کہ ابھی اس کے اندر نقص باقی ہے۔"

"میں اپنے بھائی کو خوب جانتا ہوں۔ وہ اپنی کسی قسم کی بھی کمزوری ظاہر کرنے کی حماقت نہیں کرے گا۔ وہ یقیناً باپ بن رہا ہے۔ تم نے درست کہا تھا کہ میرے باپ بننے کی بات سنتے ہی وہ فراڈ کرے گا اور چور دروازے سے باپ بنے گا۔"

"ہاں۔ میں نے یہ کہا تھا لیکن ہماری طرف سے اعلان ہوتے ہی اس نے بھی کیسے اعلان کر دیا؟ کیا جب چاہیں اعلان کر کے بچے پیدا کئے جا سکتے ہیں؟"

"ایسا تو نہیں ہوتا مگر ہو رہا ہے۔"

"اس لئے ہو رہا ہے کہ بلقیس پہلے سے وارث پیدا کرنے کی راہ پر چل چکی تھی۔ وہ شاید چند روز میں خوشخبری سناتی لیکن اس نے فوری جوابی کارروائی کر دی۔"

"ہمیں ابھی ابا کی حویلی میں جا کر ان کے فراڈ کو ظاہر کرنا چاہئے۔"

"ہم فراڈ کیسے ثابت کریں گے۔ جس طرح ہم نے رشوت دے کر تمہارے باپ بننے کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا ہے اسی طرح وہ بھی لندن سے مکمل تیاریوں کے ساتھ آئے ہوں گے۔"

"لیکن میں باپ نہیں بن رہا ہوں۔"

"آپ سمجھتے کیوں نہیں ہیں۔ وہ تو بن رہا ہے۔ کیا ہم لندن سے لائی ہوئی میڈیکل رپورٹ کو جھٹلا سکیں گے؟"

"مگر تم نے تو کہا تھا کہ ہم اس کے فراڈ کا پول کھول دیں گے۔"

"ہاں۔ مگر میں نے شہر جاتے ہوئے سوچا کہ جب وہ ہمارا پول نہیں کھول سکے گا تو ہم بھی اسے فریبی ثابت نہیں کر سکیں گے۔"

"اوہ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بازی جیت رہا ہے۔ فیکٹری اور زمینوں کا وارث پیدا کر رہا ہے۔"

"صرف اتنا ہی نہیں' اس کے باپ بن جانے کے بعد تمہارے متعلق یہ رائے قائم کر لی جائے گی کہ تم کبھی باپ بننے کے قابل نہیں ہو اور جیسا کہ علاج سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تمہیں اس قابل ہونے کے لئے نہ جانے کتنے برسوں تک علاج کروانا ہو گا۔ پھر برسوں کے بعد بھی کامیابی کی ضمانت نہیں ہے۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر کہا۔ "نہیں۔ میری بڑی سبکی ہو گی۔ میں اپنے اس چھوٹے سے پنڈ تک محدود ہو کر رہ جاؤں گا۔"

"لیکن میں.......... محدود نہیں ہونا چاہوں گی۔ اگر تم فیکٹری اور اپنے ابا کی زمینوں سے محروم ہو جاؤ گے تو تمہارے تھوڑے سے کھیتوں کی آمدنی کیا ہو گی؟ اس سے زیادہ میں ماڈلنگ میں کما لیا کروں گی۔ کیا تم اتنے بڑے جاگیردار کے بیٹے ہو کر مجھے ماڈل گرل بنانا چاہو گے؟"

"ہرگز نہیں۔ یہ فضول باتیں نہ کرو۔ سوچو کہ میرے مسئلے کا حل کیا ہو گا؟"

"حل ایک ہی ہے کہ ہمارے بیٹے کو بھی ابا کی جائیداد میں برابر کا حصہ ملے۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو۔ بیٹا کہاں سے آئے گا؟"

"میں یہ تو نہیں جانتی کہ بیٹا ہو گا یا بیٹی؟ مگر آپ باپ بننے والے ہیں۔ میں یونہی اچار نہیں کھا رہی تھی۔"

اس نے چونک کر پوچھا۔ "کیا کہہ رہی ہو؟"

"میں نے معلوم کر لیا تھا کہ بلقیس ہفتے میں دو تین دن کے لئے اپنے میکے کیوں جاتی ہے۔ چنانچہ میں بھی ایک دو دن کے لئے شہر جانے لگی۔ جب آثار پیدا ہوئے تو میں نے یہ چال چلی کہ پہلے بلقیس کی طرف سے سچ مچ ماں بننے کا اعلان ہو۔ اس اعلان

کے بعد آپ بھی مقابلتاً باپ بننا چاہیں گے یا مجھے طلاق دے دیں گے۔ بہرحال میں بازی ہار کر ایسے چھوٹے سے پنڈ میں نہیں رہوں گی۔ یہاں آپ کی پہلی بیوی راشدہ کا حصہ زیادہ ہے۔ میرے لئے بہتر ہو گا کہ میں طلاق لے کر امریکا واپس چلی جاؤں۔"

وہ خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ سر جھکائے گہری سوچ میں تھا۔ سلطانہ نے کہا۔ "آپ میرے بارے میں کچھ نہ سوچیں۔ میں بڑی خاموشی سے مکھن کے بال کی طرح آپ کی زندگی سے نکل جاؤں گی۔ آپ صرف اپنی سوچیں کہ بھائی کے مقابلے میں قوت اور برتری چاہتے ہیں یا نہیں؟ اتنی بڑی جاگیر اور فیکٹری میں زیادہ سے زیادہ حصہ حاصل کرنے کا ارادہ ہے یا نہیں؟"

وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا پھر اس سے منہ پھیر کر بولا۔ "تم نے میرے اعتماد کو دھوکا دیا ہے لیکن مجھے بھائی کے مقابلے میں گرنے نہیں دیا ہے۔ اپنی عزت کو داؤ پر لگا کر مجھے پوری جاگیر میں عزت دے رہی ہو۔"

"اگر میں ایسا نہ کرتی تو آپ آئندہ جاگیردار بھائی کے سامنے محض ایک چھوٹے سے زمیندار بن کر رہ جاتے۔ اس میں میرا بھی فائدہ ہے۔ میں دولت سے کھیلتی آئی ہوں۔ یہاں بھی ان بچوں کے ساتھ عیش و عشرت کی زندگی گزاروں گی جو آپ کے نام سے پہچانے جائیں گے۔"

"مجھے عزت تو مل رہی ہے لیکن وہ کون ہے جو مجھے تضحیک آمیز نظروں سے دیکھتا رہے گا اور مجھے خبر تک نہیں ہو گی۔"

"غلاموں کی کیا مجال ہے کہ آنکھ اٹھا کر بھی دیکھیں۔ وہ گونگا' غریب اور ان پڑھ ہے۔ کچھ لکھ کر بھی کسی سے کچھ نہیں کہہ سکے گا۔ میں اسے ماہانہ دو ہزار روپے تنخواہ دیتی ہوں۔ وہ آپ کے بارے میں یہ جان ہی نہیں سکتا کہ آپ کسی بڑے ڈاکٹر کے زیر علاج ہیں۔ وہ تو آپ ہی کو میرے بچوں کا باپ سمجھے گا پھر یہ تو قانونی حقیقت ہے کہ عورت جسے اپنے بچوں کا باپ کہے گی وہی باپ کہلائے گا۔"

اسے شرم آ رہی تھی۔ وہ منہ پھیر کر تیزی سے چلتا ہوا دوسرے کمرے میں آیا پھر اپنے بستر پر گر پڑا۔ تکیہ سر کے نیچے رکھا جاتا ہے۔ اس نے اپنے منہ پر رکھ لیا۔ جب ایک طرف سے شرم آ رہی ہو اور دوسری طرف سے دولت کی بارش ہو رہی ہو اور شرم و حیا کے حق میں دولت ٹھکرائی نہ جا رہی ہو تو خاموشی اختیار کرلی جاتی ہے۔

اس طرح دولت کی بارش میں شرم دھلتی چلی جاتی ہے۔

سلطانہ نے اسے تنہا چھوڑ دیا تھا۔ وہ جانتی تھی' تاجر اپنی تجارت نہیں چھوڑتا اور جاگیردار اپنی جاگیردارانہ حکمرانی سے باز نہیں آتا۔ اسی طرح وہ بھی مردانگی کے حوالے سے ذرا توہین محسوس کرے گا پھر اسی راہ پر آجائے گا' جہاں بھائی بھائی کو زیر کرنے سے پہلے شرم کو مارتا ہے۔

پھر یہی ہوا۔ صاحب عالی دو چار روز چپ چپ سا رہا۔ کوئی کام کی بات ہوتی تو سلطانہ کی باتوں کا ہوں ہاں میں جواب دیتا تھا۔ پہلے نیم دلی سے "ہاں" کی جاتی ہے پھر رفتہ رفتہ اسی ہاں پر دریا دلی سے عمل ہونے لگتا ہے۔ اپنے ابا کی حویلی میں والدین اور بھائی کے سامنے اس کا سینہ فخر سے تن جاتا تھا۔ سلطانہ نے اسے کسی کی نظروں سے کمتر نہیں ہونے دیا تھا۔ اب دونوں بھائیوں کے ووٹ برابر تھے لیکن دولت جائیداد اور اقتدار کے حصول میں برابری نہیں ہوتی۔ آئندہ انہیں زیادہ زمینوں کی فتوحات کے لئے اور فیکٹری میں اپنے اپنے ارکان بچوں کی تعداد بڑھانی تھی۔ جس کے بیٹے زیادہ ہوتے' فیکٹری میں اسی کا بول بالا ہوتا۔

وہ اکثر دن کے وقت اپنی پہلی بیوی راشدہ سے ملنے' اس کی خیریت معلوم کرنے اور اس کی ضروریات پوری کرنے جاتا تھا اور شام سے پہلے واپس آجاتا تھا کیونکہ اپنی اس بیوی کے ساتھ راتیں گزارنے کا رشتہ نہیں تھا۔ اس نے ایک بار کہا تھا۔ "اب بولو راشدہ! میں نے درست کہا تھا کہ مجھے میڈیکل چیک اپ کی ضرورت نہیں ہے لیکن تم بضد تھیں' غلطی پر تھیں۔ تمہاری سوکن ثابت کر رہی ہے کہ تم نے علیحدگی اختیار کر کے نادانی کی ہے۔"

راشدہ نے کہا "میں بھی آپ کے بچے کی ماں بننے والی تھی۔ سلطانہ بھی بننے والی ہے۔ آپ نے مجھ سے ہونے والے بچے کا انجام دیکھ لیا۔ میری دعا ہے کہ سلطانہ کے ساتھ ایسا نہ ہو اور آپ کو اولاد کی بھرپور مسرتیں ملتی رہیں۔"

جب وہ حویلی سے واپس آتا تو اسے راشدہ کی سادگی اور شرافت متاثر کرتی تھی۔ وہ جب اس کی اولاد کی سلامتی کے لئے دعائیہ الفاظ ادا کرتی تھی تو صاحب عالی کو ندامت سی ہوتی تھی پھر وہ خود کو سمجھاتا تھا کہ دولت اور اقتدار کے لئے جنگ لڑتے وقت شرافت اور تہذیب کا چہرہ بدلتا رہتا ہے۔

آخر وہ خوشی کی گھڑیاں آگئیں جن کا برسوں سے انتظار تھا۔ پہلے سلطانہ نے صاحب عالی کو ایک بیٹے کا باپ بنا دیا۔ بیٹا صحت مند تھا اور اس میں کسی طرح کا نقص نہیں تھا۔ اس کے دادا عالی حاکم کی حویلی میں خوب آتش بازیاں ہوئیں۔ دو دن تک ڈھول باجے اور ناچ گانے ہوتے رہے۔ چوہدرانی نے پوتے کو چوم کر کہا۔ "ماشاء اللہ! بالکل اپنے باپ پر گیا ہے۔ اس کی پیشانی اور ناک تو بالکل صاحب عالی جیسی ہے۔"

سلطانہ اور صاحب عالی نے ایک دوسرے کو چور نظروں سے دیکھا۔ چوہدری عالی حاکم نے چوہدرانی سے بچے کو لے کر پیار کرتے ہوئے کہا۔ "بھئی' اصل چیز تو ناک ہے۔ آج ہمارے پوتے نے ہماری ناک اونچی کر دی ہے۔ ہم تو پچھلی بار مایوس ہو گئے تھے مگر اب ہمارا خاندانی شجرہ پھلتا پھولتا اور آگے بڑھتا رہے گا۔"

صاحب عالی چونکہ باپ تھا للذا اسے بھی بچے کو گود میں لینا تھا۔ ابھی وہ اسے چھونے کے لئے ذہنی طور پر مائل نہیں ہو رہا تھا لیکن دادا نے اپنے پوتے کو اس کی طرف بڑھایا تو اسے ہاتھوں میں لینا پڑا۔ انسان کے طرزِ عمل سے اس کے حساس ہونے اور بے حس ہونے کا پتا چلتا ہے۔ بچے کو لیتے ہی اسے محسوس ہوا کہ کسی دوسرے کا تھوک اس کے دونوں ہاتھوں میں آگیا ہے۔ سلطانہ بستر پر لیٹی ہوئی اسے دیکھ رہی تھی اور اس کی کشمکش کو سمجھ رہی تھی۔ اس نے فوراً کہا۔ "ابا کے وعدے کے مطابق ہمارا بیٹا آج سے فیکٹری کا پہلا حصے دار ہے۔ آپ نے اپنے ہاتھوں میں فیکٹری کی چابی لے رکھی ہے۔ اس چابی کو چوم لیں۔"

یہ ایسی بات تھی کہ بے حسی غالب آگئی اور اس نے بچے کو چوم لیا۔ گٹر سے اقتدار کی چابی ملے تو اسے دھو کر چمکایا جاسکتا ہے۔ گٹر کا کیا ہے وہ تو ایک ہی جگہ رہتا ہے۔ چابی بہت دور تک' بہت بلندیوں تک پہنچا دیتی ہے۔

ایک ماہ بعد دوسری بہو کی زچگی کا وقت آیا۔ حویلی میں پھر خوشیاں منانے کا اہتمام کیا گیا۔ بلقیس بہت پہلے سے ضد کر رہی تھی کہ اس کی زچگی اپنے میکے میں ہو گی۔ بلقیس کے والدین نے بھی یہی ضد کی۔ چوہدری عالی حاکم اپنی خاندانی روایات کے مطابق اپنی حویلی میں دوسرے پوتے کی ولادت چاہتے تھے۔ جناب عالی نے بلقیس سے کہا۔ "کیوں خواہ مخواہ ضد کر رہی ہو۔ میرے ابا کی خوشی پوری کر دو۔"

وہ بولی۔ "میں اپنا اور تمہارا بھلا برا سمجھ کر جو کہہ رہی ہوں اس پر غور کرنا

چاہئے۔ فرض کرو' تقدیر نے ہمارا ساتھ نہ دیا اور بچہ نارمل نہ ہوا تو تم پھر بازی ہار جاؤ گے۔ میرے میکے میں ممی اور پاپا نے سارے انتظامات کر رکھے ہیں۔ وہاں ہماری جاگیر میں چار غریب عورتیں آج کل مائیں بننے والی ہیں۔ ان چاروں کو ان کے شوہروں کے ساتھ نجی جیل میں قید کر دیا گیا ہے۔ ہم جاگیرداروں کی نجی جیلیں ایسے وقت بڑے کام آتی ہیں۔"

"یعنی ہمارا بچہ نارمل نہ ہوا تو ان عورتوں میں سے کسی کے صحت مند بچے سے اسے تبدیل کر دیا جائے گا؟"

"ہاں۔ اگر تمہاری چوہدرانی ماں بھی وہاں رہے گی تو اسے پتا نہیں چلے گا کیونکہ لیڈی ڈاکٹرز زچگی کے وقت انہیں اندر نہیں آنے دے گی۔"

جناب عالی نے باپ کے پاس آکر کہا۔ "آپ جانتے ہیں بلقیس مغربی ماحول میں رہ کر آئی ہے۔ وہ پنڈ کی ان پڑھ دائی پر بھروسا نہیں کر رہی ہے۔ اس کے میکے میں تجربہ کار لیڈی ڈاکٹر اور نرسوں کا انتظام کیا گیا ہے۔ یہاں کچھ اونچ نیچ ہو گی تو کسی کا کچھ نہیں جائے گا' میرا نقصان ہو گا۔"

باپ نے اجازت دے دی۔ چوہدرانی بیٹے کے ساتھ بہو کے میکے چلی گئی۔ وہاں پہنچنے کے تیسرے دن جب زچگی کا وقت آیا تو بیٹے نے ماں کو جائے نماز پر بٹھا دیا اور کہا۔ "بے بے! نمازیں پڑھنے کے بعد پوتے کے لئے دعائیں مانگنا اور یہاں بیٹھ کر اس وقت تک تسبیح پڑھتی رہنا جب تک کہ میں تیرے پاس آکر خوش خبری نہ سناؤں۔"

ماں بیٹے کی باتوں میں آگئی۔ یوں بھی وہ عبادت اور دعائیں مانگنے کے سوا کیا کر سکتی تھی۔ شہر کی لیڈی ڈاکٹر نے کہہ دیا تھا کہ اس کی ڈیوٹی کے دوران کوئی مداخلت نہ کرے۔

کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر دیا گیا تھا۔ اس بند دروازے کے پیچھے بلقیس نے ایک صحت مند بیٹی کو جنم دیا۔ اس کے صحت مند اور نارمل ہونے سے ماں باپ بازی نہیں جیت سکتے تھے۔ وہ بچی ایک کھوٹا سکہ تھی۔ فیکٹری اور زمینیں نہیں خرید سکتی تھی۔ ایک آیا اسے پچھلے دروازے سے لے گئی پھر چند منٹ بعد ہی ایک صحت مند بیٹے کو لے آئی لیکن وہ ماں باپ اور دادا دادی کی طرح گورا یا صاف ستھرے رنگ کا نہیں تھا۔ گہرا سانولا تھا۔ دور سے کچھ کالا سا نظر آتا تھا۔

اس کمرے میں پہلے چپکے سے جناب عالی کو بلایا گیا۔ لیڈی ڈاکٹر نے کہا "بیٹی ہوئی تھی' اس کی جگہ یہ بیٹا لایا گیا ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "مگر یہ............ یہ تو ہم میں سے نہیں لگتا ہے۔ یہ کالا ہے۔"

"کالا نہیں' سانولا ہے۔ چل جائے گا۔"

"کیا ہمارے رنگ میں میچ کرتا ہوا اور کوئی بچہ نہیں ہے؟"

"ہوتا تو اسے نہ لاتے۔ چار عورتوں میں سے تین کے ہاں بیٹیاں پیدا ہوئی ہیں۔ ایک کے ہاں بیٹا ہوا ہے۔"

بلقیس آنکھیں بند کئے بستر پر پڑی تھی۔ جناب عالی نے قریب آ کر پوچھا۔ "بلی کیا تم نے بچے کو دیکھا ہے؟"

وہ آنکھیں کھول کر بولی۔ "دیکھا ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کالی ماں کے گورے بچے اور گوری ماں کے کالے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ ہم سوال کرنے والوں کو یہی جواب دیں گے۔"

"یہ تو سوچو جو بازی ہم جیتنے والے تھے اس کا ایک پوائنٹ کم ہو رہا ہے۔ بھائی کا بیٹا بہت گورا اور خوبصورت ہے اور یہ تو پہلی نظر میں کسی غریب یا مزدور کسان کا بیٹا دکھائی دیتا ہے۔"

وہ بولی۔ "زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ دادا دادی پہلے پوتے کو زیادہ چاہیں گے۔ ہمیں چاہت نہیں چاہئے' فیکٹری اور زمینوں میں برابر حصہ چاہئے۔ آئندہ کوشش ہو گی کہ برابر سے بھی زیادہ حصے ملے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ جیتنے کے لئے بچے کو گوری نسل سے لایا جائے۔ صرف ہمارا بیٹا ہونا ضروری ہے اور اب بیٹا ہمارے پاس ہے۔"

وہ سر جھکا کر کمرے سے باہر آیا۔ اسے جیتنے کی خوشی تھی لیکن جن مزدوروں اور کسانوں کو وہ ایک جاگیردار کی حیثیت سے ٹھوکروں میں رکھتا تھا ان میں سے کسی کے بیٹے کو وہ اور اس کا پورا خاندان پیار کرے گا اور زمینوں کا مالک بنے گا لیکن اس دنیا میں وہی سچ ہے جو بلند و برتر نظر آتا ہے۔ خواہ وہ حقیقتاً کتنی ہی گہری پستی سے آیا ہو۔ صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ اپنی زندگی کتنی باوقار' افضل و برتر ہے اور اپنے

شجرے کے مطابق تاقیامت کتنی ہیرا پھیری سے ایسی جھوٹی برتری کو قائم رکھا جاسکتا ہے۔

چوہدرانی جائے نماز پر بیٹھی ہوئی تسبیح پڑھ رہی تھی۔ اس نے پیچھے سے آ کر ماں سے لپٹ کر جبراً خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "بے بے! مبارک ہو۔ پتر ہوا ہے۔"

"کیا سچ!" وہ خوشی سے اٹھ کر بیٹے کے ساتھ تیزی سے چلتی ہوئی بہو کے کمرے میں آئی۔ پوتا بہو کے پہلو میں لیٹا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر پہلے تو وہ ٹھٹک گئی مگر وہ جیسا بھی تھا اپنے بیٹے کا بیٹا تھا۔ اس نے اسے اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا پھر اس کی پیشانی کو چوم کر بولی۔ "جناب عالی! جب تُو پیدا ہوا تھا تو کچھ ایسا ہی سانولا سا تھا پھر جیسے جیسے بڑا ہوتا گیا' تیرا رنگ نکھرتا گیا۔ میرا پوتا بھی پھول کی طرح کھل جائے گا۔"

بلقیس اور جناب عالی نے اطمینان کی سانس لے کر ایک دوسرے کو دیکھا پھر فاتحانہ انداز میں مسکرانے لگے۔

بہرحال وہ پہلا مرحلہ طے ہو گیا۔ دونوں بھائیوں نے اپنی اپنی حکمتِ عملی سے اپنا ایک ایک ممبر فیکٹری میں پہنچا دیا لیکن ابھی ہار جیت کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ یہ آخری فیصلہ ہونا باقی تھا کہ دونوں بیٹوں میں سے کس کے بیٹے زیادہ ہوں گے۔ جس کے بیٹوں کی تعداد زیادہ ہو گی' فیکٹری میں اسی کی حکمرانی ہو گی اور یہی حکمرانی اور برتری زمینوں کے حصول میں بھی ہو گی۔

لیکن صاحب عالی کے لئے ایک نیا مسئلہ پیدا ہوا۔ وہ معمول کے مطابق ایک دن پہلی بیوی راشدہ سے ملنے گیا تو اس نے کہا۔ "جب میں نے پہلی بار سنا کہ سلطانہ ماں بننے والی ہے تو مجھے اس پر بڑا ترس آیا۔ میں جس مرحلے سے گزر چکی تھی' اس کے پیشِ نظر یہی سمجھ رہی تھی کہ وہ بے چاری زندگی اور موت کے کرب سے گزرے گی لیکن یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ اس نے آپ کو ایک صحت مند بیٹے کا باپ بنایا ہے۔"

"راشدہ! تم نے میری بیوی ہو کر مجھ پر بھروسا نہیں کیا۔ یہ بتاؤ کہ میری نظروں میں سلطانہ کا مقام زیادہ بلند ہونا چاہئے یا نہیں؟"

"یہ فیصلہ آپ کریں کیونکہ سلطانہ آپ کے بارے میں وہ حقائق نہیں جانتی تھی۔ اگر جانتی تو شاید شادی نہ کرتی یا پھر میری طرح میڈیکل چیک اپ کا مطالبہ کرتی۔"

صاحب عالی نے اسے سنجیدگی سے دیکھا۔ وہ بے خبر تھی۔ اسے یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ سلطانہ باخبر تھی اور اس نے طبی معائنہ کرایا اور اس کا علاج اب تک کرایا جا رہا تھا۔ ایک امید سی تھی کہ اس کے اندر کے نقائص دور ہو جائیں گے اور نہ بھی ہوئے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ان میاں بیوی کے ہاتھوں میں کشکول تھا۔ وہ کہیں سے بھی امداد حاصل کر سکتے تھے اور کر رہے تھے اور آئندہ بھی یہی کرنے والے تھے۔

وہ بولا۔ "ہمارا بیٹا اب سات ماہ کا ہونے والا ہے۔ تم اتنے مہینوں کے بعد مجھ پر بھروسا نہ کرنے کی غلطی کو تسلیم کر رہی ہو۔"

"بات یہ ہے کہ بیٹے کی پیدائش کے بعد بھی میں مطمئن نہیں تھی۔ میں سوچ رہی تھی کہ اگر آپ کے اندر کوئی نقص ہے تو وہ چند روز یا چند ماہ میں بچے کے ذریعے ظاہر ہو گا۔ میں دعائیں مانگتی رہی تھی کہ میرا شبہ غلط ہو اور آپ کا بیٹا صحیح سلامت رہ کر لمبی عمر پائے۔"

"آج تمہاری زبان سے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ تم نے مجھے نقائص سے پاک سمجھ لیا ہے۔"

"میں نے کہا تھا' جس دن آپ کی میڈیکل رپورٹ درست ہو گی یا آپ دوسری شادی کریں گے اور صحت مند بچے کے باپ بن جائیں گے تو ہماری علیحدگی ختم ہو جائے گی اور ہم پھر سے ایک دوسرے کو میاں بیوی کے حقوق دیں گے۔"

"آں؟" وہ ذرا گھبرایا پھر انجان بن کر بولا۔ "میں سمجھا نہیں' تم کیا کہہ رہی ہو۔"

"تعجب ہے' آپ آسان سی بات نہیں سمجھ رہے ہیں۔ میں آپ کی منکوحہ ہوں۔ یہ میرا حق ہے کہ میں بھی آپ کے بچوں کی ماں بنوں۔ ماں بننا ہر بیوی کا پہلا حق ہے۔"

صاحب عالی کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا کہ جب وہ ایک باپ کی حیثیت سے کامیاب و کامران ثابت ہو گا تو اس کے بعد پہلی بیوی سے بھی کامیابی کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنا پڑے گا۔

راشدہ نے اسے تذبذب میں دیکھ کر پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟ میرے حقوق دینا نہیں چاہتے؟"

اس نے بات بنائی۔ "وہ بات اصل یہ ہے کہ جب میں نے سلطانہ سے شادی کرنا چاہی تو اس نے پوچھا کہ میں پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کیوں کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے اس سے جھوٹ کہہ دیا کہ میڈیکل رپورٹ کے مطابق آئندہ تم ماں نہیں بن سکو گی لہٰذا میں باپ بننے کے لئے دوسری شادی کر رہا ہوں۔"

"آپ نے سلطانہ سے شادی کرنے کے لئے مجھ میں نقص پیدا کر دیا۔ کوئی بات نہیں' اب آپ سلطانہ سے کہہ سکتے ہیں کہ اس طویل عرصے میں' میں اپنا علاج کراتی رہی ہوں۔ مجھ میں جو نقص تھا' وہ ختم ہو چکا ہے۔ اب ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق میں ماں بن سکتی ہوں۔"

راشدہ کی اس بات کا جواب سمجھ میں نہیں آیا۔ اس نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ میں ابھی جا کر سلطانہ کو تمہاری میڈیکل رپورٹ کے بارے میں بتاؤں گا۔"

"یہ بات آپ کل بھی بتا سکتے ہیں۔ آج میری حویلی میں رہ جائیں۔"

راشدہ نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر اپنا سر اس کے سینے پر رکھ دیا۔ وہ بری طرح الجھ گیا تھا۔ راشدہ نے کبھی رات کو حویلی میں رہنے کے لئے نہیں کہا تھا۔ ایک طویل عرصے کے بعد محبت سے ایسا کہہ رہی تھی۔

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "میں کبھی تمہاری بات نہیں ٹالتا ہوں لیکن وہ بات یہ ہے کہ............ یہ ہے کہ شام کو سلطانہ کے ساتھ شہر جانے کا پروگرام پہلے بن چکا ہے۔ کوئی تفریح کا پروگرام ہوتا تو میں منسوخ کر دیتا۔ اس کا ایک معروف لیڈی ڈاکٹر سے اپائنٹ منٹ ہے............ اگر آج نہیں جائے گی تو لیڈی ڈاکٹر آئندہ پندرہ دن کے بعد کی تاریخ دے گی۔"

وہ قائل ہو کر بولی۔ "جب ایسی مجبوری ہے تو آپ سلطانہ کو لے کر ضرور جائیں مگر وعدہ کریں کہ کل ضرور آئیں گے۔"

"وعدہ کرتا ہوں۔ کل شہر سے واپسی ہو گی تو ضرور آؤں گا۔"

اس روز وہ کسی طرح اسے ٹال کر حویلی سے چلا آیا۔ ٹالنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ سلطانہ کو پا کر راشدہ سے بیزار ہو گیا ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ راشدہ کو دل سے چاہتا تھا۔ جبکہ راشدہ کو دلہن بنانے سے پہلے اس کے خیالوں میں سلطانہ جیسی حسینہ آیا کرتی تھی لیکن سلطانہ کو پانے کے بعد اسے اب ایک آئیڈیل اور گھریلو بیوی کا

فرق بڑی وضاحت سے معلوم ہو رہا تھا۔ سلطانہ کی زندگی میں تصنع تھا۔ چہرے پر مغربی میک اپ، مغربی لباس، مغربی پرفیوم اور مغربی ادائیں تھیں۔ پاکستانی ماحول میں پرورش پانے والے صاحب عالی کو اب یہ مغربیت بوجھ لگ رہی تھی۔ یہ بوجھ اس وقت مزید بڑھ گیا تھا جب سلطانہ نے اسے ایک بیٹے کا باپ بنایا تھا۔

تب سے بڑی نادانستگی میں راشدہ اس کے حواس پر چھا رہی تھی۔ اس کی اپنی پنجاب کی تہذیب کے مطابق لباس پہننے والی، لانبی چوٹی پر پراندے باندھنے والی ایسی تھی کہ اس کے رخساروں پر میک اپ کی نہیں، حیا کی سرخی رہا کرتی تھی۔ وہ ایسی حیا والی تھی کہ اس نے زمین جائیداد کے سلسلے میں اپنے شوہر کو شکست کھانے دی تھی لیکن اپنی تہذیب کو گالی نہیں دی تھی۔

وہ اپنی گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا بنگلے میں آیا۔ سلطانہ شہر جانے کے لئے تیار بیٹھی تھی۔ اس کے لباس سے اٹھنے والی تیز پرفیوم کی مہک کمرے میں پھیل رہی تھی لیکن صاحب عالی کے نتھنوں میں راشدہ کے پسینے کی مہک تھی۔ ایسی قدرتی مہک جو دور ہونے کے بعد بھی حواس پر چھائی رہتی ہے۔

سلطانہ نے پوچھا۔ "کہاں رہ گئے تھے؟ کیا شہر نہیں چلنا ہے؟"

وہ تھکے ہوئے انداز میں بستر پر گر کر بولا۔ "تمام دن کھیتوں میں رہا، کپاس کی فصل بہت اچھی ہوئی ہے۔ شہر کے بیوپاری، ٹیکسٹائل ملوں کے ایجنٹ آنے لگے ہیں۔ کل بھی آئیں گے، میرا یہاں رہنا ضروری ہے۔"

"نو پرابلم۔ میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاتی ہوں لیکن دو دن اور دو راتیں گزار کر آؤں گی۔"

یہ بات پتھر کی طرح لگی کہ وہ اس کے بغیر شہر میں راتیں گزار کر آئے گی لیکن وہ ناگواری کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ فیکٹری میں بچہ ارکان بڑھانے کے لئے دو پارٹیوں میں پھر جدوجہد شروع ہو گئی تھی۔

وہ ڈرائیور کے ساتھ اپنی کار میں چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد وہ بستر کے سرے پر بیٹھ کر سر جھکائے سوچتا رہا۔ اس کے ابا نے دونوں پوتوں کے نام کچھ زمینیں لکھ دی تھیں اور ان پوتوں کو فیکٹری میں اپنا حصہ دار بنا لیا تھا لیکن وہ ابھی بچے تھے۔ مقابلہ تو دو بھائیوں میں تھا۔ وہ اپنے بیٹوں کے جوان ہونے اور کسی قابل ہونے تک

پوری جاگیر پر اپنا اقتدار چاہتے تھے۔

یہ ایسی بات تھی کہ حساس انسان کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ صاحب عالی کا سر کبھی کبھی جھک جایا کرتا تھا۔ وہ بنگلے سے نکل کر اپنی کار میں بیٹھ کر حویلی میں آگیا۔ راشدہ نے اسے واپس آتے دیکھا تو خوشی سے کھل گئی۔ وہ اس سے کچھ کہے سنے بغیر کمرے میں آیا پھر بستر پر اوندھے منہ گر پڑا۔

وہ دروازے پر کھڑی اسے دیکھتی رہی اور اس کی پریشانیوں کے بارے میں سوچنے لگی۔ وہ بے چاری کیسے سمجھ سکتی تھی کہ اس کا شوہر دوراہے پر آگیا ہے۔ وہ کبھی اُس راہ پر کبھی اس راہ پر بھٹکنے لگا ہے۔

وہ دروازے کو اندر سے بند کر کے بستر پر آئی۔ اس کے پاس بیٹھ کر بڑی محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی پھر اس نے پوچھا۔ "کیا سلطانہ سے ناراض ہو کر آئے ہیں؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "نہیں۔ جو مجھے تخت و تاج کا مالک بنا رہی ہے، اس سے ناراض کیسے ہو سکتا ہوں۔"

"پھر کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں۔"

"آپ مجھے اپنا نہیں سمجھتے ہیں اس لئے بتانا نہیں چاہتے۔"

وہ تو اپنا ہی سمجھ کر آیا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر راشدہ کو دیکھا پھر اس کی گود میں سر رکھ کر بولا۔ "میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھ سے کچھ نہ پوچھنا۔ میں.......... میں صرف پناہ چاہتا ہوں.........."

راشدہ نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی۔ بھولی ہوئی مسرتیں پلٹ کر آئیں تو خوشی کے ساتھ ساتھ ندامت بھی ہوتی ہے کہ قدرت کی طرف سے عطا کی ہوئی ایسی عنایات کو کیسے بھلا دیا گیا تھا؟ اس ندامت آمیز سوال کا ایک ہی جواب ملتا ہے کہ دوسرے کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ زمین پر پاؤں پھیلا کر حکومت کرنے کے لئے قدرتی پالیسی پر اعتماد نہیں رہتا۔ صرف ڈپلومیسی یاد رہتی ہے۔

راشدہ اس رات مسرتوں سے سرشار ہو کر گہری نیند میں ڈوب گئی۔ وہ جاگتا رہا

کیونکہ اس کے اندر ایک احساسِ جرم جاگ رہا تھا۔ پچھلے ڈیڑھ برس سے علاج کرانے کے باوجود میڈیکل رپورٹ منفی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی وہ گم شدہ حیا پرور تہذیب کی گود میں پناہ لینے آیا تھا۔ وہ منفی رپورٹ اس باقی ماندہ تہذیب کو بھی فنا کرسکتی تھی۔ وہ بے چینی اور ندامت سے یہی سوچ رہا تھا کہ خدانخواستہ راشدہ کے جسمانی اندرونی نظام کو نقصان پہنچے گا یا وہ دوسرے بچے کی ولادت کے وقت جانبر نہ ہوسکے گی تو وہ خود کو کبھی معاف نہیں کرسکے گا۔ راشدہ کے پاس آکر پناہ لینے کا مطلب یہ تو نہیں ہونا چاہئے کہ اس کی کوکھ کو آگ لگادی جائے۔

وہ دوسری صبح حویلی سے چلا آیا اور یہ فیصلہ کرلیا کہ ایک بار غلطی ہوگئی، کوئی ضروری نہیں ہے کہ راشدہ کے ماں بننے کے آثار پیدا ہوجائیں۔ خدا کرے ایسا نہ ہو۔ آئندہ ایسی غلطی نہیں کرے گا۔

وہ تمام دن بنگلے میں تنہا رہا۔ سلطانہ دو راتیں گزار کر واپس آنے والی تھی۔ اب ایسی بات سوچنے سے بھی منہ پر جوتا سا لگتا تھا کہ عورت ہو یا فیکٹری، وہ پوری کی پوری اپنی ہو، وہاں کسی تیسرے کا دخل نہ ہو۔ یہ ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو صرف اپنی مردانگی اور ذہانت سے حاصل کی جاتی ہیں۔ اس کے حصول کے لئے بیرونی امداد یا قرضہ لینے والے پورے ملک اور قوم کو سمجھاتے ہیں کہ یہ بے غیرتی نہیں بلکہ حکمتِ عملی ہے۔

وہ شام تک اپنے فیصلے پر قائم نہیں رہ سکا۔ راشدہ جیسے مقناطیس کی طرح کھینچ رہی تھی۔ وہ اپنی مٹی تھی، اپنی تہذیب کی خوشبو تھی پھر کیسے نہ کھینچتی۔ وہ پھر اس کی پیار بھری پناہ میں پہنچ گیا۔

اس نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا۔ ذہن منتشر ہو، آدمی کوئی معقول فیصلہ کرنا چاہے اور نہ کرسکے تو پھر وہ خود کو یا اپنی چاہنے والی کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے۔

یوں وقت گزرنے لگا۔ جس طرح اس نے راشدہ کو سلطانہ کے [illegible] میں بہت سے راز نہیں بتائے تھے اسی طرح اس نے سلطانہ کو یہ نہیں بتایا تھا کہ راشدہ کی شرم و شرافت اور اپنے شوہر کی بن کر رہنے والی تہذیب اسے اپنی طرف کھینچتی رہتی ہے۔
تقریباً یہ کہاوت صادق آئی کہ دائی سے پیٹ نہیں چھپتا۔ یہ اعلان ہوگیا کہ بڑے

بیٹے کی پہلی دلہن کے پاؤں بھاری ہوگئے ہیں۔ اس اطلاع نے تمام خاندان کو خوش کیا لیکن بنگلے کی چار دیواری میں سلطانہ نے صاحب عالی کو گھور کر دیکھا پھر پوچھا۔ "یہ تم نے کیا کیا! جب راشدہ کو قتل کرنا تھا تو پہلے مجھ سے مشورہ کرلیتے۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "وہ میری وفادار بیوی ہے۔ میں اسے قتل کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ بس یونہی ایک بار مجھ سے غلطی ہوگئی۔"

"یہ تم نے خوب کہا، وہ تمہاری وفاداری بیوی ہے۔ تم پر انحصار کرتی ہے، کشکول نہیں اٹھاتی۔ کشکول تو میں اٹھائے پھرتی ہوں۔"

"ایسی باتیں نہ کرو۔ میں یہ سوچ کر پریشان ہو رہا ہوں کہ بچہ ایب نارمل ہوگا اور مجھ سے منتقل ہونے والے مضر جراثیم راشدہ کو جانی نقصان پہنچائیں گے تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کرسکوں گا۔"

"سوچنے اور پچھتانے کا وقت گزر چکا ہے۔ اگر تم اس کی زندگی بچانا چاہتے ہو تو جتنی جلدی ممکن ہو، اس کا حمل ضائع کرادو۔"

"وہ کبھی راضی نہیں ہوگی۔ اگر اپنا یہ راز بتادوں، تب بھی وہ مجھے اس قدر چاہتی ہے کہ محبت سے دیئے ہوئے زہر کو کبھی زہر نہیں سمجھے گی۔ وہ مجھ پر اندھا اعتماد کرتی رہے گی اور میں شرم سے مرتا رہوں گا۔"

"مجھے صرف اتنا بتاؤ کہ جسے دل و جان سے چاہتے ہو، اسے زندہ دیکھنا چاہتے ہو یا نہیں؟"

"میں ہر حال میں اسے طبعی عمر تک زندہ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"تو پھر میرے مشورے پر عمل کرو۔ میں ابھی شہر جارہی ہوں۔ کل صبح تک ڈاکٹر سے ایسی دوا لاؤں گی جسے تم قطرہ قطرہ روزانہ دودھ یا کسی دوا میں ملا کر پلاؤ گے تو خود بخود حمل ضائع ہوجائے گا اور اس کی وجہ بھی کسی کو معلوم نہیں ہوگی۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا۔ "معلوم بھی ہوگی تو وہ بے چاری یہی سمجھے گی کہ مجھ میں پہلے کی طرح خرابی ہے۔"

"تم ذرا عقل کی بات کرو۔ تم میں خرابی ہے تو تم میرے بچوں کے باپ کیسے بن گئے؟ پلیز میں جتنا کہتی ہوں، اتنا ہی کرو۔"

وہ تو وہی کرتا آرہا تھا، جو وہ کہتی رہتی تھی کیونکہ اب وہ اس کی مٹھی میں تھا۔

اس کے عیب صرف وہی جانتی تھی۔ وہ انڈر پریشر رکھنے والی شہر چلی گئی۔ صاحب عالی کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ وہ اپنی کار میں بیٹھ کر شکار گاہ کی طرف جانے لگا۔ اسے صرف ایک اندیشہ تھا کہ اسقاطِ حمل کے لئے جو دوا رازداری سے کھلائی جائے گی' اس سے اس کی راشدہ کو نقصان نہ پہنچے۔

بعض اوقات اچھے اچھوں کی مت ماری جاتی ہے۔ اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ عورت کبھی اپنی سوکن کا بھلا نہیں چاہتی۔ سلطانہ نے اب تک راشدہ کے خلاف کبھی کچھ نہیں کہا تھا کیونکہ وہ اس کے لئے بے ضرر تھی۔ صاحب عالی اس کے ساتھ ازدواجی تعلقات نہیں رکھتا تھا۔ وہ بچوں کی ماں نہیں بن سکتی تھی اس لئے راشدہ سوکن نہ ہونے کے برابر تھی لیکن سلطانہ کی توقع کے خلاف وہ بے ضرر سوکن مقابلے پر اتر آئی تھی۔ ایسے میں اس فیکٹری پر اور تمام زمینوں پر کس کی حکمرانی ہوتی؟ سلطانہ اور بلقیس کے لائے ہوئے بچوں کی یا ان بچوں کی جو راشدہ کی تہذیب کی کوکھ سے جنم لیتے؟

وہ شکار گاہ پہنچا تو جناب عالی وہاں پہلے سے موجود تھا۔ اس کے کمرے سے ایک عورت کے رونے اور فریاد کرنے کی آواز آرہی تھی۔ اس شکار گاہ کے بڑے سے بنگلے میں دونوں بھائیوں کے الگ الگ حصے تھے۔ وہ جناب عالی کے حصے میں آیا پھر اس نے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر دیکھا۔ جناب عالی اپنے پنڈ کی ایک جوان لڑکی کی پٹائی کر رہا تھا۔ اس نے بڑے بھائی کو دیکھ کر ہاتھ روک لیا۔ جوان لڑکی جو فرش پر پڑی ٹھوکریں کھا رہی تھی' صاحب عالی کو دیکھتے ہی اٹھ کر دوڑتی ہوئی آئی اور اس کے قدموں میں گر کر بولی۔ "مجھے بچالیں۔ میں قسم کھاتی ہوں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔ راتوں رات یہاں سے بہت دور چلی جاؤں گی۔"

صاحب عالی نے سر اٹھا کر پوچھا۔ "آخر بات کیا ہے؟"

جناب عالی نے غصے سے کہا۔ "تم میرے معاملات میں دخل دینے کیوں آئے ہو' جاؤ.........اپنے بنگلے میں جاؤ۔"

"چلا جاؤں گا لیکن میں ان چند جاگیرداروں میں سے ہوں جو عورت پر ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ دور دور کے پنڈ تک مشہور ہے کہ میں نے کبھی کسان اور مزدور کی بہن اور بیٹی کو میلی نظروں سے نہیں دیکھا۔ اسی طرح میں اس لڑکی پر ظلم ہوتے نہیں دیکھ

سکتا۔"

"تم نہیں دیکھ سکتے اسی لئے کہہ رہا ہوں' چلے جاؤ۔"

"جناب عالی! تم مجھے بچپن سے جانتے ہو کہ میں اکثر اپنا دماغ ٹھنڈا رکھتا ہوں لیکن جب دماغ میں گرمی چڑھ جاتی ہے تو تمہارے اور ابا کے مسلح گارڈ بھی روک نہیں پاتے۔ باہر کھڑے ہوئے گارڈز کی موجودگی میں اپنی عزت رکھنا چاہتے ہو تو صرف چھوٹے بھائی بن کر باتیں کرو۔"

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے بڑے بھائی کو دیکھا پھر کہا۔ "یہ کتے کی بچی الزام لگا رہی ہے کہ یہ میرے بچے کی ماں بننے والی ہے۔"

"کیا یہ جب تمہاری سیج پر آئی تھی تو کتے کی بچی تھی؟ اسے گالیاں دینے سے پہلے یہ سوچ لو کہ بات سچ ہوگی تو اس کا بچہ بھی کتے کا ہوگا اور وہ گالی تمہیں پڑے گی۔"

"میں اچھی طرح جانتا ہوں' یہ پتا نہیں کس کے بچے کی ماں بننے والی ہے۔ ایسی جوان لڑکیاں کھیتوں میں کتنے ہی مردوں کے ساتھ کام کرتی ہیں۔"

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولی۔ "مجھ سے جیسی بھی قسم لے لیں۔ جب سے مجھے اٹھا کر لایا گیا ہے تب سے آپ کی قید میں رکھا جاتا ہے۔ جب سرکار آتے ہیں تو مجھے بنگلے میں بلاتے ہیں۔ میں نے تین مہینے سے تنہائی میں کسی مرد کی شکل نہیں دیکھی۔"

صاحب عالی نے ایک گارڈ کو بلایا پھر کہا۔ "اسے دوسرے کمرے میں لے جاؤ۔ مرہم پٹی کرو۔ اسے کھانے پینے کے لئے دو۔ اگر اس کے ساتھ کسی نے بدتمیزی کی تو میں اسے گولی ماردوں گا۔"

گارڈ اس لڑکی کو ساتھ لے گیا۔ صاحب عالی نے کمرے کے دروازے کو اندر سے بند کرکے پوچھا۔ "کیا یہ جھوٹ کہہ رہی تھی؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ جو تمہیں پسند آجاتی ہے اسے تم شکار گاہ کے پنجرے میں مہینوں بند رکھتے ہو۔"

"ہم اپنی رعایا کے ساتھ کچھ بھی کرسکتے ہیں۔ ہمیں کون روکنے والا ہے۔ یہاں کا تھانہ اور پولیس سب ہماری ہے۔"

"سب تمہاری ہے مگر بچہ بھی تمہارا ہے۔"

"مان لیتا ہوں' میرا ہے لیکن جب پیدا ہوگا تو میرے پہلے بچے کی طرح اندھا اپاہج ہوگا۔"

"تمہارے دوسرے بچے کی طرح صحت مند کیوں نہیں ہوگا؟"

"بڑے بھائی! کیوں انجان بنتے ہو۔ میری میڈیکل رپورٹ کو نہ تم غلط ثابت کرسکتے ہو اور نہ میں تمہاری میڈیکل رپورٹ کو جھٹلا سکتا ہوں۔"

"جھٹلانا اس لئے نہیں چاہئے کہ ہم ایک دوسرے کے نقائص کو اچھی طرح سمجھ رہے ہیں اور یہ خوب جانتے ہیں کہ ایک دوسرے کو بے غیرت ثابت نہیں کرسکیں گے۔"

"پھر تم غیرت مند بن کر اس دو کوڑی کی لڑکی کی حمایت کرنے کیوں آئے ہو؟"

"ہماری دنیا میں ماحولیاتی آلودگی اتنی زیادہ ہے کہ ہمیں صاف وشفاف تازہ ہوا نصیب نہیں ہوتی ہے۔ اگر مجھے راشدہ سے اور تمہیں اس لڑکی سے تازہ ہوا' خالص نسل اور سچا شجرہ مل جائے تو کیا یہ اچھی اور خوش قسمتی کی بات نہیں ہوگی؟"

اس نے قہقہہ لگایا پھر کہا۔ "راشدہ بھابی سے اور اس لڑکی سے بچے صحیح سلامت ہوں گے تب خالص نسل اور سچا شجرہ ملے گا۔"

"جناب عالی! ہمیں کیا بیماری ہے؟ کیا ہمیں کینسر ہے؟"

"کینسر ہو دشمنوں کو مجھے کیوں ہوگا؟"

"کیا ہمیں ایڈز کی بیماری ہے؟"

"بڑے بھائی! تم کیوں ایسی ہلاک کردینے والی بیماریوں کا نام لے رہے ہو۔ یہ بیماریاں تو کبھی دور نہیں ہوتیں۔"

"یہی میں کہنا چاہتا ہوں۔ ہم دونوں ایسے لاعلاج موذی امراض میں مبتلا نہیں ہیں۔ ہمارا شمار ایسے مریضوں میں ہوتا ہے جو قابلِ علاج ہوتے ہیں۔ کیڑے مار دواؤں میں جو زہریلے اثرات ہوتے ہیں اور ان میں ہم نے منافع خوری کے لئے جو اضافہ کیا تھا' ان سب کے اثرات ہمارے اندر کب تک رہیں گے؟ تقریباً پونے دو برس سے میرا علاج ہو رہا ہے۔ تمہارے علاج کی بھی مدت یہی ہوگی۔ ذرا سوچو' غور کرو۔ جو زہریلے اثرات ختم نہیں ہوتے' وہ بڑھتے ہیں اور بڑھتے ہیں تو ہم دونوں بھائیوں کو اس بیماری میں مرجانا چاہئے۔ میرا دل کہتا ہے کہ ہمارے اندر سے مضر دوا کے اثرات ختم ہوچکے ہیں۔"

جناب عالی بڑی سنجیدگی سے یہ باتیں سن رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "تمہاری بات

شاید اس لئے دل کو لگ رہی ہے کہ تم کہہ رہے ہو' ہم بیماری کے اثرات سے نجات پاچکے ہیں لیکن ہر ماہ ڈاکٹر کی رپورٹ میں میرے اندر کوئی نہ کوئی خرابی نکل آتی ہے۔"

صاحب عالی نے کہا۔ "میری رپورٹ میں بھی کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہوتی رہتی ہے۔"

تھوڑی دیر تک دونوں ایک دوسرے کو خاموش نظروں سے دیکھتے رہے پھر صاحب عالی نے کہا۔ "جب ہم بچے تھے تو آپس میں بڑے میل محبت سے رہتے تھے۔ ایک دوسرے کو اپنے کھلونے دے دیتے تھے۔ جب بڑے ہوئے اور ہم پر ہوسِ زر غالب آنے لگی تو ایک دوسرے کو کھلونے دینے والے اب ایک دوسرے سے فیکٹری اور زمینیں چھیننے لگے اور بڑے سے بڑا جاگیردار بننے کے لئے بے غیرتی کے ہتھیاروں سے ایک دوسرے کو شکست دینے کی کوششیں کررہے ہیں۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ایک کرسی پر آکر بیٹھ گیا پھر بولا۔ "ہم دونوں اپنی زندگی میں بڑی شان و شوکت سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم خاندانی جاگیردار ہیں مگر ہمارے بعد وہ امپورٹ کئے ہوئے بچے بھی خود کو خاندانی جاگیردار کہیں گے۔ ذرا سوچو' ہمارے آباد اجداد نے یہ پاک زمین اسی لئے حاصل کی تھی کہ اس پر جعلی نسلیں حکومت کریں؟"

جناب عالی نے شکست خوردہ انداز میں کرسی پر بیٹھ کر کہا۔ "شاید ہم آپس میں نہ لڑتے لیکن ابا نے باقی زمینیں اور جائیداد پوتوں کے نام لکھنے کا فیصلہ کیا تو ہم ایک دوسرے سے بڑا جاگیردار بننے کے لئے ناجائز ہتھکنڈوں کو بھی بے غیرت بن کر جائز ماننے لگے۔"

"ابا ہمارے بزرگ ہیں۔ انہوں نے زیادہ پوتوں کو گود میں کھلانے کی خواہش میں ایسا فیصلہ کیا۔ فی الوقت ہم اپنا تھوڑا سا محاسبہ کرلیں۔ ہمیں جو کچھ جائز طریقے سے ملتا ہے اس پر صبر شکر سے راضی ہوجائیں تو؟"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "مجھے صبر و شکر سے گزارہ کرنے کی نصیحت کررہے ہو؟"

"جو نصیحت کررہا ہوں' اس پر پہلے خود عمل کروں گا۔ میرے پاس دس میل تک پھیلی ہوئی زمینوں پر کھیت ہیں اور ایک پنڈ ہے۔ یہ میرے لئے کافی ہے۔ باقی ابا کی فیکٹری اور جتنی زمینیں ہیں' وہ تمہیں دے دوں گا۔"

جناب عالی ہنستے ہوئے بولا۔ "مجھے یاد آرہا ہے' تم بچپن میں ایسی ہی فراخ دلی

سے کھلونا میرے حوالے کردیتے تھے مگر بڑے بھائی! یہ بہت بڑی جاگیر مجھے دو گے' میں کیسے یقین کرلوں؟"

"میرے ساتھ شہر چلو۔ وہاں ہمارا وکیل ہے۔ اس کے سامنے میں کورٹ پیپر پر لکھ کر دوں گا کہ میری موجودہ زمین جائیداد کے بعد باقی ابا کی تمام زمین اور جائیداد کے مالک تم رہو گے' آئندہ میں اور میرے بچے کبھی اس سلسلے میں اپنے حقوق کا دعویٰ نہیں کریں گے۔"

وہ سن رہا تھا اور حیرانی سے بڑے بھائی کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔ "میں ابھی تمہارے ساتھ شہر جاؤں گا لیکن تم اپنے حقوق کے لئے کیوں نہیں لڑو گے؟ مجھ پر یہ مہربانی کیوں کر رہے ہو؟"

"میں چاہتا ہوں تم میری تین بہترین نصیحتوں پر عمل کرو۔"

"وہ نصیحتیں کیا ہیں؟"

"پہلی نصیحت شہر چل کر کروں گا۔ یعنی پہلے تمہارے حق مین ابا کی زمین جائیداد پکے کاغذ پر لکھوں گا تاکہ تم مجھ پر مکمل بھروسا کر سکو۔"

"ہاں۔ تم خود کو قابلِ اعتماد بناؤ گے تو میں اعتماد کروں گا اور تمہارے ساتھ اس شکار گاہ سے شہر چلوں گا۔ بلقیس کو اطلاع بھیج دوں گا کہ............"

وہ بات کاٹ کر بولا۔ "اطلاع نہیں دو گے۔ ہم میں سے کوئی اپنی کسی بیوی سے کچھ نہیں کہے گا۔ انہیں پتا ہے کہ جب ہم میں سے کوئی شکار گاہ میں آکر قیام کرتا ہے تو کبھی دو چار روز اور کبھی ایک ہفتے تک واپس نہیں آتا پھر یہ کہ خاندان کی عورتوں کو ادھر آنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہم رازداری سے شہر جا کر واپس آجائیں گے۔"

"میں ایک بار بلقیس کو یہاں لایا تھا۔"

"اس بار یہ خبر بھیج دو کہ تمہارے چند ایسے اوباش قسم کے دوست آئے ہیں جن کی موجودگی میں بلقیس کا یہاں آنا قطعی نامناسب ہوگا۔"

جناب عالی نے اپنے ایک ملازم کو بلا کر یہی باتیں سمجھائیں پھر اسے بلقیس کے پاس بھیج دیا۔ صاحب عالی نے شکار گاہ میں رہنے والے مستقل ملازموں سے کہا کہ وہ اس زخمی لڑکی کو عزت سے وہیں رکھیں اور ان کی واپسی تک اس کا خاص خیال رکھیں۔

وہ دونوں ایک پجیرو میں بیٹھ کر لاہور آئے۔ وہاں پرل ہوٹل میں قیام کیا کیونکہ سلطانہ بھی اس شہر کی اپنی کوٹھی میں آئی ہوئی تھی۔ صاحب عالی اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ انہوں نے وکیل کو ہوٹل میں بلایا پھر صاحب عالی نے اس سے کہا کہ وہ جناب عالی کے حق میں ایک تحریر لکھے کہ بڑا بھائی صاحب عالی اپنی موجودہ زمین اور جائیداد کے سوا چوہدری عالی حاکم کی تمام زمین وجائیداد سے دست بردار ہوتا ہے اور بہ ہوش وحواس والد صاحب کی وراثت میں عطا کردہ تمام زمین و جائیداد کا مالک اپنے چھوٹے بھائی جناب عالی کو تسلیم کرتا ہے۔ اس پر دستخط کرنے کے بعد صاحب عالی اور اس کی کوئی بھی بیوی اور اولاد جناب عالی سے اپنے حقوق طلب کرنے کی مجاز نہیں ہوگی۔

دوسرے دن دو بجے تک وکیل نے یہ کام کردیا۔ جناب عالی نے کہا۔ "اب بتاؤ' تمہاری پہلی نصیحت کیا ہے؟"

صاحب عالی نے فون پر ایک بہت ہی معروف ڈاکٹر سے رابطہ کیا پھر کہا۔ "ہم دو بھائی ہیں اور اپنا مکمل میڈیکل چیک اپ کرانا چاہتے ہیں۔ ملاقات کے وقت ہم چیک اپ کے بارے میں تفصیلی بات بتائیں گے۔"

ڈاکٹر نے شام چھ بجے کا وقت دیا۔ صاحب عالی نے ریسیور رکھ کر چھوٹے بھائی سے کہا۔ "میری پہلی نصیحت یہی ہے کہ ہمیں خود اپنا طبی معائنہ اس طرح کرانا چاہئے کہ اس کی خبر ہماری بیویوں کو بھی نہ ہو۔"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے بڑے بھائی کو دیکھنے لگا۔ بھائی نے کہا۔ "میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تمہاری طبی رپورٹ ہمیشہ بلقیس لاکر تمہیں دیا کرتی ہے اور تمہیں پڑھ کر سنایا کرتی ہے کیونکہ تم انگریزی نہیں جانتے ہو۔"

"ہاں۔ ڈاکٹری رپورٹ میرے پلے نہیں پڑتی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھا ہوا ہے' بلقیس مجھے سمجھاتی ہے۔"

صاحب عالی نے کہا۔ "میں پڑھ لیتا ہوں لیکن طبی معائنے کے معاملے میں سلطانہ پیش پیش رہتی ہے۔ وہی ڈاکٹر کی فیس وغیرہ ادا کرتی ہے لیکن اب میں کسی پر بھروسا نہیں کر رہا ہوں اور تمہیں بھی یہی سمجھا رہا ہوں۔"

وہ جو کچھ سمجھا رہا تھا' جناب عالی اس لئے سمجھ رہا تھا کہ اب بھائی بھائی میں زمین جائیداد کا جھگڑا نہیں رہا تھا۔ وہ بڑے بھائی کی فراخ دلی کو دل سے تسلیم کر رہا تھا۔ وہ

دونوں پانچ دن شہر میں رہے' تین دن تک مختلف ٹیسٹ ہوتے رہے۔ ان کے نتائج مزید دو دن تک سامنے آتے رہے پھر مکمل رپورٹ نے بتایا کہ دونوں بھائیوں میں کوئی نقص نہیں ہے اور دونوں کسی بھی دوا کے اثر سے متاثر نہیں ہیں' باپ بن سکتے ہیں۔

جناب عالی ڈاکٹر کی زبان سے یہ رپورٹ سن کر خوشی سے بڑے بھائی کے گلے لگ گیا۔ شہر سے واپسی پر اس نے کہا۔ "بھائی! تم نے ابھی تک دوسری نصیحت نہیں کی۔ شہر سے ٹالتے آرہے ہو۔"

اس نے کہا۔ "دوسری نصیحت پر عمل کرنا مشکل ہے۔ اگر اسے ناک کا مسئلہ نہ بناؤ تو پھر آسان ہے۔"

"آپ کی نصیحت پر عمل کرنا ممکن نہ ہوتب بھی عمل کروں گا۔ آج سے میں آپ کو "تم" نہیں کہہ رہا ہوں۔ دل سے اپنا بزرگ تسلیم کررہا ہوں۔"

صاحب عالی نے کہا۔ "کھوٹا سکہ خواہ کتنا ہی چمک دار ہو' وہ مٹی میں ملے ہوئے کھرے سکے کے مقابلے میں صفر ہوتا ہے۔ بلقیس نے تمہیں کھوٹا سکہ دیا ہے اور مٹی میں رُلنے والی کسان کی ایک بیٹی کھرا سکہ دینے والی ہے۔ میری دوسری نصیحت یہ ہے کہ اس سے شادی کرلو۔"

جناب عالی ونڈ اسکرین کے پار دیکھ کر سوچنے لگا۔ صاحب عالی نے کہا۔ "بلندی سے جھک کر نیچے گرے ہوئے انسان کو اٹھا کر اپنے برابر بلندی پر لانے سے عزت گھٹے گی نہیں بلکہ بڑھے گی۔"

"آپ درست کہہ رہے ہیں لیکن ابا جان اور آس پاس کے جاگیردار ہمارا مذاق اُڑائیں گے۔"

"ہم ابا جان کو تمام حقائق بتائیں گے تو وہ خاندانی شجرے کو درست رکھنے کے لئے اس غریب لڑکی کو ضرور بہو بنائیں گے۔ رہ گئے آس پاس کے جاگیردار کہ وہ غریب لڑکی کو بڑے خاندان کی بہو بنانے پر مذاق اُڑائیں گے تو کتنے دن اُڑائیں گے؟ ہماری دنیا میں آدھی سے زیادہ برائیاں صرف اسی لئے ہوتی ہیں کہ ہم سوچتے ہیں کہ ایسا کریں گے تو دنیا والے ہنسی اُڑائیں گے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ ہم ہنسنے والوں سے ڈرتے ہیں۔"

وہ اپنے پنڈ پہنچنے سے پہلے شکار گاہ میں آئے۔ ملازموں نے بتایا کہ ان کی بیویوں

کے پیغامات آئے تھے۔ انہوں نے کہلوایا تھا کہ جلد واپس آنے کی کوشش کریں۔

جناب عالی نے ایک کمرے میں آکر دیکھا۔ وہ لڑکی فرش پر بیٹھی ہوئی تھی۔ حالانکہ وہاں پلنگ اور صوفے وغیرہ تھے۔ وہ قریب آیا تو وہ سہم کر سمٹنے لگی۔ اس نے اس کا بازو پکڑ کر اٹھایا پھر اسے لاکر صوفے پر بٹھایا اور کہا۔ "شاداں! اب کبھی نیچے نہ بیٹھنا۔ تو میری عزت ہے۔"

اس نے کچھ نہ سمجھ کر اسے سہمی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ اس وقت صاحب عالی ایک ملازم کے ساتھ کمرے میں آکر بولا۔ "شاداں کے ماں باپ کو بڑی رازداری سے بلاکر یہاں لاؤ۔ انہیں یہاں لانے تک شاداں کے بارے میں کچھ نہیں بتانا۔"

ملازم چلا گیا۔ شاداں نے صاحب عالی کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "بڑے مالک! مجھ پر رحم کریں۔ میں کبھی چھوٹے مالک پر الزام نہیں لگاؤں گی۔ میرے ماں باپ کو نہ بلائیں۔ میں منہ چھپا کر کہیں دور چلی جاؤں گی۔"

صاحب عالی نے اس کے جڑے ہاتھوں کو تھام کر کہا۔ "اپنے دل سے خوف نکال دو۔ آئندہ یوں ہاتھ نہ جوڑا کرو۔ تم میرے بھائی کے بچے کی ماں بننے والی ہو۔ تم ایک معمولی کسان کی بیٹی ہو کر ہمارے اعلیٰ خاندان کے شجرے کو کھوٹ سے بچا رہی ہو۔ ابھی یہ نہیں سمجھوگی کہ کتنا بڑا کارنامہ انجام دے رہی ہو۔ تمہارا انعام یہ ہے کہ تم بہت جلد ہمارے خاندان کی بہو بننے والی ہو۔"

وہ جو کچھ سن رہی تھی اس پر یقین نہیں کرسکتی تھی۔ صاحب عالی نے مزید دو ملازموں کو بھیج کر چوہدری عالی حاکم اور راشدہ کو رازداری سے بلایا تھا۔ اس کی آمد پر دونوں بھائی ان کے ساتھ ایک کمرے میں گئے اور وہاں شروع سے آخر تک اپنی روداد سناتے رہے۔ چوہدری عالی حاکم سنتا رہا اور دبی زبان سے سلطانہ اور بلقیس کو گالیاں دیتا رہا۔ صاحب عالی نے کہا۔ "ابا! آپ غصہ نہ کریں۔ ان دونوں نے ہم بھائیوں کو جتنی جعلی میڈیکل رپورٹس دکھائی ہیں وہ ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ سلطانہ اور بلقیس کے ساتھ ان کے زر خرید ڈاکٹر بھی قانون کی گرفت میں آئیں گے۔ ہم ان سے نمٹ لیں گے۔ آپ شاداں کے متعلق فیصلہ سنائیں۔"

عالی حاکم نے کہا۔ "لوگ کہتے ہیں' مضبوط درخت ٹوٹ کر گر سکتا ہے مگر کبھی جھکتا نہیں لیکن آج ہم بڑے جاگیردار ہو کر اس لئے جھکیں گے کہ جب مغرب سے آئی

ہوئی بے حیا عورتیں ہماری بہو بن سکتی ہیں تو ایک کسان کی باحیا بیٹی ہماری بہو کیوں نہیں بن سکتی۔ ایک جاگیر پر دو حکمرانوں کی لڑائی نے ان دونوں کو موقع دیا کہ وہ باہر سے امداد لے کر آئیں۔ یہ سب نہیں جانتے کہ امداد کے پیچھے کتنی بے حیائی چھپی رہتی ہے۔ ہم بھی نہیں جانتے تھے۔"

چوہدری عالی حاکم اٹھ کر کھڑا ہوگیا پھر بولا۔ "ہمیں اپنی زمین کی طرف جھکنا ہوگا۔ ہم جھک کر شاداں کو اٹھائیں گے اور بیرونی امداد لانے والی ہستیوں کو جوتے مار کر نکالیں گے۔"

وہ تیزی سے چلتے ہوئے اس کمرے کی طرف گئے جہاں شاداں تنہا بیٹھی ہوئی تھی۔ جناب عالی نے راشدہ کے پاس آکر کہا۔ "بھابی! آج کھوئی ہوئی عزت اور شرم وحیا کو حاصل کرنے کا دن ہے۔ اس خوشی میں آپ کو تحفہ دے رہا ہوں۔ تحفہ ہمیشہ ثابت اور سالم دیا جاتا ہے لیکن میں اس تحفے کے چیتھڑے اُڑا کردوں گا۔"

اس نے بریف کیس سے وہ کاغذات نکالے جن کی رُو سے وہ اپنے باپ کی تمام زمین اور جائیداد کا مالک بن چکا تھا۔ یہ فراخ دلی بڑے بھائی نے دکھائی تھی۔ چھوٹے بھائی نے ان کاغذات کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے پھر ان ٹکڑوں کو اپنی بھابی کے قدموں پر پھولوں کی طرح نچھاور کردیا۔

☆======ختم شد======☆